

غم ہے یا خوشی ہے تو

تذریلہ ریاض



غم ہے یا خوشی ہے تو

تنزیلہ ریاض

<http://kitaabghar.com> ebooks publishers

غم ہے یا خوشی ہے تو

قسط نمبر 1

تم سے الفت کے تقاضے نا نباہے جاتے
ورنہ ہم کو بھی متنا تھی کہ چاہے جاتے

یہ آپکی فیورٹ غزل ہے؟ مجھے سرؤختا دیکھ کر اس نے مجھ سے پوچھا ہے۔ میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ہم اپنے گھر کی خواتین کو مسکراہٹ کے علاوہ دے ہی کیا سکتے ہیں۔۔۔ انکی محبت کا حق تو ادا نہیں کیا جاتا ہم سے۔۔۔ سو مسکراہٹ ہی دان کر دیا کریں تو بڑی بات ہے۔۔۔ نمانیاں اسی سے خوش ہو جاتی ہیں۔

”یہ بھی پسند ہے۔۔۔ لیکن یہ والا گانا تو بہت ہی زیادہ پسند ہے۔۔۔“ میں نے موبائل کی اسکرین پر نظر آئیوالی ساکت تصاویر کی طرف دیکھتے ہوئے ایک کی جانب اشارہ کر کے اسے بتایا۔ وہ مسکرائی ہے۔

”یہ والا۔۔۔؟“ وہ پوچھ رہی ہے۔

”ہاں۔۔۔ یہ والا۔۔۔ وے سب تو سو نیا۔۔۔ ہائے وے من مو نیا۔۔۔“ میں نے اپنی بھدی آواز میں اس گانے کو تقریر کرنے والے انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ مسکرائی۔

”مجھے بہت پسند تھا یہ گانا۔۔۔ پنی ٹی وی کا زمانہ تھا تو اکثر چلایا کرتے تھے دو پروگراموں کے درمیان۔۔۔ سب کام چھوڑ چھاڑ ٹی وی کے سامنے بیٹھ جایا کرتے تھے ہم۔۔۔ دلچسپ بات بتاؤں۔۔۔ چاچا جی کے پروگرام میں خط لکھ کر اکثر فرمائش کیا کرتا تھا میں اس گانے کی۔۔۔ اماں مرحومہ سامنے موجود ناہو تیں تو لگتا یا بھی کرتا تھا۔“ میں نے اسکو سب سچ بتایا۔ وہ ہنس دی ہے۔

”اسی لئے تو میں نے آپکو اس زمانے کی ساری آڈیو ڈاؤن لوڈ کر کے دی ہیں۔۔۔ اب آپ جب چاہیں آرام سے سُن سکتے ہیں“ وہ میرے موبائل فون کو سامنے کرتے ہوئے مجھے سمجھا رہی ہے۔ آپس کی بات ہے۔۔۔ سمجھ مجھے ایک لفظ نہیں آیا لیکن میں پھر بھی سر ہلاتا جا رہا ہوں۔۔۔ اب اس کے سامنے انکار کر کے کتنی بار پُچھ محسوس کرواؤں خود کو۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بارے میں اسکی بھی وہی رائے

قائم ہو جائے جو میری اہلیہ محترمہ کی ہے سو میں سر ہلا دلا کر اسے باور کروا رہا ہوں کہ میں موبائل فون پر غزلیں سننا سونہی سمجھ گیا ہوں
 ”اب آپ اپنی فیورٹ غزلیں انجوائے کریں۔۔۔ میں بھی فیس بک کا چکر لگا لوں ذرا۔۔۔ صبح سے نہیں دیکھا کچھ بھی۔۔۔ کتنی غلط
 بات ہے نا۔۔۔“ وہ شرارتی سے انداز میں مسکرائی ہے۔ اسکو پتا ہے کہ گھر کی مالکن یعنی میری زوجہ محترمہ کو اس کی ایسی حرکتیں پسند نہیں آتیں سو
 انکی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ بھی موبائل لینے کمرے میں چل دی ہے۔ میں اسکو جاتا دیکھ کر مسکرایا ہوں
 آئیں آپکا تفصیلی تعارف تو کروادوں اس سے

یہ میری بہو ہے۔۔۔ ہمارے گھر کی رونق۔۔۔ میرے گھر کے سکون کو چار چاند لگا دے ہیں اس بچی نے۔۔۔ میرے پیٹے نے اپنی
 پسند سے شادی کی ہے اور اس شادی کے لئے بہت پاؤڈر بیلنے پڑے ہیں اسکو۔۔۔ اور مجھے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن جس کو تھا
 ۔۔۔ اسکو اس شادی پر رضامند کرنے کے لئے ہم نے بڑے جتن کئے۔۔۔ بڑے مراحل سر کئے۔۔۔ تب جا کر یہ بچی ہمارے گھر کی رونق بن پائی
 ہے۔۔۔

آئیں ذرا آپکو ان سب مراحل کی تفصیل سناتے ہیں بلکہ چھوڑیں۔۔۔ سنانے کا فائدہ نہیں۔۔۔ دکھاتے ہیں آپکو

☆.....☆.....☆

”ارے آج ہی آگئے۔۔۔ مزید رہ لیتے بیٹا۔۔۔ آرام سے اطمینان سے تین چار ہفتے بعد آجاتے“ مہناز بیگم نے پیٹے کو ہاتھ روم کے
 دروازے سے نکلتا دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ وہ ہنسی کو چھٹپا کر گیلے بالوں کو رگڑتے ہوئے واش بیسن کے قریب آگیا۔
 ”جی ارادہ تو یہی تھا۔۔۔ لیکن پھر آپکا خیال آگیا کہ آپ نہیں میری بھدائی میں بیمار نا پڑ جائیں تو بس پھر آنا پڑا“ وہ بناء شرمندہ ہوتے
 کہہ رہا تھا۔ مہناز بیگم نے سر جھکا پھر چائے کا کپ گھسیٹ کر اپنے سامنے کیا تھا اور اس کے لئے چائے اٹھیلنے لگیں۔
 ”یہ بھدائی تو اب میرا نصیب بن چکی ہے بیٹا جی۔۔۔ کوئی آج کا قصہ تو ہے نہیں۔۔۔ عرصہ ہوا یہی سب دیکھ رہی ہوں۔۔۔ مجھے تو
 اب یہ بات بھی عجیب نہیں لگتی کہ آخر تم دودھ گھنٹے ہاتھ روم میں کرتے کیا ہو۔۔۔ سنا ہے قلو پطرہ اپنے خن کی حفاظت کی خاطر غسٹانوں میں اتنا
 طویل قیام کیا کرتی تھی۔۔۔ تم اللہ جانے کیا کرتے رہتے ہو“ وہ چڑ کر طنزیہ سی ہو گئی تھیں حالانکہ پتا تھا کہ ان کے اکلوتے پیٹے کو ہاتھ روم میں
 زیادہ وقت بیتانے کی عادت ہے لیکن پھر بھی ناشتے کی میز پر اتنی دیر انتظار انہیں چھٹتا بھی بہت تھا اور جب سے انہیں اندازہ ہوا تھا کہ وہ
 سیل فون بھی ہاتھ روم میں لے جاتا ہے تو وہ مزید ناراض رہنے لگی تھیں۔ دوسری جانب واش بیسن کے آئینے میں اپنے چہرے کے خدو خال کو
 تکتے ان کے پیٹے پر ذرا اثر نا ہوا تھا۔

”ارے تو ہم کیا کسی قلو پطرہ سے کم ہیں۔۔۔ ہمیں بھی تو اپنے حسن کو نکھارنا سنوارنا ہوتا ہے۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ سنا ہے اس
 نام کے بادشاہ ہوا کرتے تھے زمانہ قدیم میں۔۔۔ اور ہم بھی کسی بادشاہ سے کم نہیں ہیں۔۔۔ یہ اور بات ہے کہ آپکو ہواہ نہیں۔۔۔ کسی سے بھی جا

کر کہیں گی یا یونیورسٹی میں کہ التمش سے ملنا ہے۔ تو جواب ملے گا۔ وہی التمش ناجس کا پوری یونیورسٹی میں کوئی ثانی نہیں۔۔۔ اب کیا کہوں آپ سے۔۔۔ امی ہیں آپ میری۔۔۔ آپکو دال اور گھر کی مرغی والا حمار وہ سناٹا اچھا لگوں گا کیا۔ لیکن سچ یہی ہے کہ یونیورسٹی میں بے حد مقبول ہے آپکا یہ پینا۔ وہ بالوں میں جیل لگاتے ہوئے انہیں بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ اگرچہ فی الوقت وہ مذاق کر رہا تھا لیکن یہ بات سچ تھی کہ اس جیسا دوسرا کوئی نہیں تھا۔ وہ شروع سے ہی اسکول کالج اور یونیورسٹی میں اساتذہ سے لے کر اپنے کلاس فیلوز کا منظور نظر رہا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ میں اس کے وجود کی رعوت جھلک رہی تھی۔ مہناز بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی اور پھر غائب ہو گئی۔

”تھم پینا جی۔۔۔ تھم۔۔۔ اب اتنے بھی ہیرہ نہیں ہو جتنا بننے کی کوشش میں ہلاک ہوئے جا رہے ہو۔۔۔ ذرا دھیان سے۔۔۔ ہاتھ ہلا ہی رکھو۔۔۔ یہ کیا کہ اپنے ہی ہاتھوں مکھن میں لوٹ پوٹ ہونے لگے۔۔۔“ وہ مسکراتے ہوئے اسے آسمان سے زمین پر لا رہی تھیں اپنے پیٹے کی طبیعت کا اندازہ تھا انہیں۔۔۔

”کیوں بھئی کیوں ہاتھ ہلا رکھیں۔۔۔ ڈرتے ہیں کیا کسی سے ہم۔۔۔ کیوں نالوث پوٹ ہوں ہم مکھن میں۔۔۔ مکھن تو بنائی ہمارے لئے ہے۔۔۔ پداٹھا ہوں مکھن شان ہے میری۔ سوکھی روٹی نہیں ہوں۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے“ وہ بے حد بنیدگی سے انہیں چڑھا رہا تھا۔ اپنی شخصیت کی پروموشن میں تو وہ ہمیشہ ہی دو قدم آگے چلنے کا عادی تھا۔ یہ بات تو سچ تھی کہ قدا کاٹھ میں وہ کسی فلمی ہیرو سے کم نہیں تھا۔ چھوٹ سے اونچا قد تھا، پھر جم جابا کر جسم بھی خوب کسرتی بنا رکھا تھا اس پر گھنٹی رنگت اور تیکھے نقوش کا حامل انکا پینا شروع سے ہی خاندان اور محلے میں بڑا ہر دل عزیز رہا تھا لیکن اسکی شخصیت کا اصل چارم صرف اسکا ظاہری قد کاٹھ نہیں تھا۔ یہ کچھ اور تھا جو اسے بہت جلد لوگوں میں مقبول کر دیتا تھا۔ وہ لا پرواہ تھا اور مغرور بھی۔ ایک شان بے نیازی اس کے سارے وجود پر ہمہ وقت طاری رہتی تھی۔ وہ چلتا تھا تو زمانے کو جوتے کی نوک پر رکھ کر چلتا تھا۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے میں ایک عجب سا طنطنہ ہمہ وقت چھلکتا تھا۔ سونے پر سہاگہ اس کا پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تھا۔۔۔ مجال ہے اس نے کبھی کوئی آؤٹ آف فیشن کپڑا پہنا ہو۔ موسم کی تو اس نے کبھی پرواہ نہ کی تھی لیکن فیشن کی پرواہ اسے ہمیشہ رہتی تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک اس نے کبھی آؤٹ ڈیٹڈ کپڑا نہ پہنا تھا۔ اسکی وارڈروب میں ہر موقع کی مناسبت سے لباس استری کر کے موجود رہتا تھا، کونسا رنگ کس موقع پر پہننا ہے یہ بات سارے خاندان میں اس سے بہتر کوئی نہیں بتا سکتا تھا اور یہ بات دونوں ماں پینا جانتے تھے کہ اس اعلیٰ درجے کے ڈریسینس کا کریڈٹ اس اکیلے کو نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اس نے یہ سب اپنے والد محترم سے وراثت میں لیا تھا۔

”یہی صورتحال رہی تو لوگ تمہیں التمش کی بجائے مغرور کہنے لگیں گے تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ ماسٹر جی کتنی دیر تمہارا انتظار کرنے کے بعد گھر سے نکلے ہیں۔۔۔ صبح صبح باپ کو تمیز سے خدا حافظ کہہ دو تو کیا جاتے تمہارا“ مہناز بیگم نے سلاٹس پر چیز کی اچھی خاصی مقدار کا لپٹ کرتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

”لوگوں کی پرواہ کسے ہے۔۔۔ کہنے دیں جو بھی کہتے ہیں لوگ۔۔۔ یہ کانوں کے دونوں اطراف جو اینٹرو اور اینگوٹ رکھا ہے اللہ نے۔۔۔ اسکا فائدہ اٹھایا کریں نا اور ماسٹر جی کا اچھا یاد دلایا آپ نے۔۔۔ آپ ان سے پوچھتیں کیوں نہیں کہ اتنی صبح آخر گھر سے نکلتے کیوں ہیں۔۔۔ میں بتا رہا ہوں آپکو کہ ذرا نظر رکھا کریں۔۔۔ مجھے ان کے کچھن اچھے نظر نہیں آرہے۔۔۔ بھلا بتاؤ آٹھ بجے ہی گھر سے تشریف لے جاتے ہیں۔۔۔ یہ شریف آدمیوں کا چلن نہیں ہو سکتا۔۔۔ اتنی صبح اٹھتا کون ہے آجکل۔۔۔ بتاؤ اتنا آؤٹ ڈیوٹ باپ میرے حصے میں ہی آنا تھا“ وہ مزاحیہ انداز میں بڑبڑاتا ہوا ان کے قریب آکر بیٹھ گیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ پلیٹ میں سجا بنا کر رکھا گیا سلائس اٹھا کر کھانا شروع کرتا، اس کے سیل کی مخصوص سیپ بجنے لگی تھی۔ وہ سرعت سے اٹھا اور باتھ روم کی جانب چل دیا تھا۔ مہناز بیگم نے ناگواری سے اس کے اس عمل کو دیکھا تھا۔ ابھی تو انہیں اس کو اس کے باپ کے متعلق فضول بولنے پر سرزنش کرنی تھی پھر ذرا ماحول بنا کر کچھ اہم باتیں دوہرائی تھیں لیکن درمیان میں یہ سیل فون آگیا تھا۔ اسکا فون آجکل کچھ زیادہ ہی بجنے لگا تھا۔ وقت بے وقت وہ فون پر مصروف نظر آنے لگا تھا۔ انہیں اندازہ تو تھا کہ وہ اپنے سیل فون کو بھی باتھ روم میں ساتھ ہی لے جاتا ہے اور یہ جو باتھ روم میں اتنا طویل قیام ہوتا ہے اسکی بھی وجہ نہیں نا کہیں یہ ”سیل فون“ ہی ہے لیکن پھر بھی انکی دماغی کہ وہ غدشہ جو انہیں بے چین کئے رکھتا ہے وہ غدشہ ہی ہو۔ وہ چند لمحوں بعد ہی فون باتھ میں لئے دوبارہ میز پر آگیا تھا۔

”یہ منحوس چیز کچھ زیادہ ہی استعمال میں نہیں رہنے لگ گئی آجکل تمہارے۔۔۔؟ چل کیا رہا ہے تمہاری زندگی میں آجکل۔۔۔ کیا سلسلہ ہے یہ؟“ وہ چوکر پوچھ رہی تھیں۔

”امی۔۔۔“ اس نے کچھ زیادہ ہی حیران ہو کر ان کے شکوے کو سنا تھا پھر انکے سخت لہجے سے خائف ہو کر بولا۔

”آپ کیا ماسٹر جی کی طرح بس ہر وقت ٹوکتی رہتی ہیں۔۔۔ کیا ہو گیا ہے آپکو۔۔۔“ اسے بڑا لگ گیا تھا۔ ایک تو یہ بڑا مسئلہ تھا۔ وہ ناراض بہت جلدی ہو جاتا تھا اور یہ عادت بھی اتفاق سے اس نے ماسٹر جی سے لی تھی۔ دونوں باپ بیٹے نے بے حد زور درنج مزاج پایا تھا۔۔۔ ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جایا کرتے تھے۔

”ٹوک نہیں رہی ہوں۔۔۔ حیران ہو رہی ہوں۔۔۔ اور کھوج لگانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ آخر اس استعمالِ مسلسل کے پیچھے وجہ کچھ ”خاص“ تو نہیں“ وہ اسے چڑاتے ہوئے بولی تھیں۔ اس نے سابقہ انداز میں ہی گردن ہلا کر گویا انکی بات کو رد کر دیا تھا۔

”آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ اس کی وجہ ”عام“ ہو سکتی ہے۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ ہمارے یہاں ہر چیز ”خاص“ ہی ہوتی ہے۔۔۔ عام تو ہماری زندگی میں کبھی آم بھی نہیں ہوا۔۔۔“

”مجھے احساس ہے بیٹا جی۔۔۔ اسی لئے تو تمہارے لئے ایک بے حد خاص لڑکی چُنی ہے میں نے۔۔۔ اور میں چاہتی ہوں۔۔۔“ مہناز بیگم، ابھی ماحول بنا ہی رہی تھیں کہ اس نے بڑے بڑے لقمے لے کر اپنا سلائس ختم کیا اور ان کی بات کاٹتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”خاص لڑکی۔۔۔ وہ چارٹ دس انچ۔۔۔ انداز میں ناپنہ دیدی گی نہیں تسخربھی تھا۔

”کم آن امی جی۔۔۔ جاگ جائیں۔۔۔ خواب غفلت میں زیادہ دیر پڑا رہنا صحت کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے“

”التمش۔۔۔ میرا ہے وہ لڑکی۔۔۔ سدا زندگی دعائیں دو گے مجھے۔۔۔“ وہ زچ سی ہو گئیں تھیں۔ ان کے اور ان کے پیٹے کے درمیان یہ موضوع ہمیشہ ہی بناء کسی نتیجے کے اعتتام کو پہنچ جاتا تھا۔

”اب ماؤں کو کوئے تو کوئی بھی نہیں دیتا۔۔۔ دعائیں تو دیتا ہی رہوں گا میں۔۔۔ لیکن اس چارٹ دس انچ سے شادی مر کر بھی نہیں کر سکتا۔۔۔ بھلا بتاؤ۔۔۔ میرے ساتھ کھڑی ہو تو میری کہنی تک بھی نہیں پہنچ سکتی ہے۔۔۔ آپ کیا اسے ساری زندگی سیرھی پد کھڑا رکھنا چاہتی ہیں کیونکہ مجھ سے بات کرنے کے لئے سیرھی ہی لگانا پڑا کرے گی اسے۔۔۔“ وہ واش بین کے قریب کھڑا دوبارہ سے کُلی کرتے ہوئے نہایت تسخربھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”غضب خدا کا۔۔۔ اتنا غرور۔۔۔ اتنی پیاری بچی ہے۔۔۔ کیا ہو گیا جو ذرا سادہ کاٹھ میں کم ہے تم سے۔۔۔“ وہ انتہائی ناراضی بھرے لہجے میں بولی تھیں۔ اس نے مڑ کر ایک نظر انہیں دیکھا پھر ہنسا تھا

”التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ غرور بجا ہے مجھ پر۔۔۔ صرف وہی ایک پیاری بچی نہیں ہے دنیا میں۔۔۔ ذرا وقت آنے دیں۔۔۔ اس سے کہیں زیادہ پیاری بچی کو لا کھڑا کریں گے آپ کے سامنے“ وہ شرارتی انداز میں انہی جانب دیکھ کر بولا تھا۔ مہناز بیگم اس واضح اعتراف پر سُن رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”یہ کب ہوا؟“ وہ اسے جگانے کے لئے کمرے میں آئی تھیں لیکن اسے جا اعتماد دیکھ کر پہلے وہ چونکیں پھر جب اس کے بیڈ پر پڑا وہ سنہرے لباس دیکھا تو انہی آنکھیں جیسے حیرانی سے پھٹ سی گئیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں استفسار کیا اس سے پھر اسے اثبات میں سر ہلاتا دیکھ کر وہ آگے بڑھی تھیں

”تم نے تو کمال کر دیا سونیا۔“ انہوں نے جھک کر اس لباس پر ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ مسکرائی۔

”یہ بتائیں کیسا لگ رہا ہے؟“ وہ ان سے پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے اس بھاری کامدار کلیوں والے فرائ کو بہت نرمی اور مہارت سے اٹھایا۔ وہ بیڈ پر پڑا جتنا بھاری نظر آتا تھا۔ ہاتھوں میں آجانے کے بعد اس سے کہیں زیادہ بھاری لگنے لگا تھا۔ ایک نظر اس لباس پر ڈال کر انہوں نے پھر دوبارہ سے سراہنے والے انداز میں بیٹی کو دیکھا اس نے رات کو انہیں بتایا تھا کہ وہ صبح تک اپنا کام مکمل کر لے گی لیکن ان کو یقین نہیں تھا کہ یہ کام ختم ہو سکے گا۔ انہیں خدشہ تھا کہ اسے یہ لباس واپس کرتے ہوئے معذرت ہی کرنی پڑے گی لیکن اب یہ تیار لباس دیکھ کر انہی آنکھیں اسکی خوبصورتی سے چندھیا سی گئی تھیں۔ یہ انتہائی بھاری کامدار عروسی لباس تھا۔ باریک شیفون پر بہت کججنگ سامگر نفیس

اور بھاری کام کیا گیا تھا۔ اسکی سلائی کے لئے بے پناہ مہارت درکار تھی اور انکی بیٹی کوئی ماہر ڈریس ڈیزائنر نہیں تھی۔ اس نے باقاعدہ کسی سے نہیں سیکھا تھا۔۔۔ بس ان سے پوچھ پاچھ کر یا پھر انٹرنیٹ پر ویڈیوز دیکھ دیکھ کر پیرے سینا سیکھ گئی تھی۔۔۔ لیکن اس عروسی لباس کو دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی بیٹی اس سہل میں بے حد طاق ہو چکی ہے۔ کل رات کی بات تھی جب اسکی ایک دوست نے پریشانی میں فون پر بتایا تھا کہ درزی نے عین وقت پر اسکی بھابی کے ولیمہ کا لباس تیار کرنے سے معذرت کر لی تھی۔ وہ بہت پریشان تھی اور سونیا سے کسی کی پریشانی دیکھی نا جاتی تھی۔ رات گیارہ بجے وہ ان سلا لباس اس نے اپنے گھر منگوایا تھا اور پھر عطیہ خاتون کی سرزنش کے باوجود وہ اسے سینے بیٹھ گئی تھی اور اب جو چیز سامنے پڑی تھی وہ یہ بتانے کو کافی تھی کہ ان کی بیٹی کو اپنا آپ منوانے کے لئے کسی سند یا سرٹیفکیٹ کی ضرورت نا تھی۔

روبی کو دکھایا؟" انہوں نے اسکی سیملی کی بابت دریافت کیا تھا

"جی۔۔۔ اسکو پکڑ وائس ایپ کر دی تھی۔۔۔ اسکی کال آئی تھی۔۔۔ بس آرہی ہے ایک گھنٹے میں لینے کے لئے۔۔۔ بہت شکر یہ ادا کر رہی تھی۔ آئی نے بھی بات کی۔۔۔ وہ بھی بہت شکر گزار ہو رہی تھیں اور حیران بھی۔۔۔" وہ عام سے انداز میں بتا رہی تھی۔ عطیہ خاتون کو اس پر بے حد پیار آیا۔

"اپنی ممانی کو بھی پکچر بھیج دینی تھیں۔۔۔ وہ بھی حیران رہ جائیں گی" عطیہ نے اسے اکسایا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدلے تھے جیسے انکی بات ابھی نا لگی ہو۔

"اب ایسا بھی کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا میں نے کہ سارے خاندان کو تصویریں بھیجی جائیں۔۔۔ آپ تو شاید اخبار میں بھی تصویر چھپوانا چاہیں گی" وہ سادہ سے انداز میں بولی تھی۔

"ارے تو کیوں نا چھپواؤں۔۔۔ یہ کارنامہ ہی ہے۔۔۔ میری بیٹی ہے ہی اتنی قابل۔۔۔ کسی سے سیکھانا پوچھا۔۔۔ ایسا شاندار عروسی لباس تیار کر دیا دو گھنٹوں میں۔۔۔ اور کارنامہ کسے کہتے ہیں۔۔۔ آنکھیں نہیں ٹھہر رہیں اس شاندار جوڑے پر۔۔۔ کیسی گھیر دار پلکتی ہوئی فال بنائی ہے۔۔۔ بہت اعلیٰ۔۔۔ اور عمدہ۔۔۔ تم نے تو واقعی کمال کر دیا۔۔۔ تم میری بیٹی نہیں ہو سونھیا۔ اللہ میاں کا معجزہ ہو۔۔۔ میں تو حیران ہوئی جا رہی ہوں دیکھ دیکھ کر۔۔۔ کہاں سے سیکھ لیتی ہو یہ سب چیزیں۔۔۔ میں تو اتنی بدسلیقہ ہوں۔۔۔ تم کہاں سے اتنی سلیقہ مند ہو گئیں میری جان۔۔۔" انہوں نے دل کھول کر بیٹی کو سراہا تھا۔ ایک جھپپنی ہوئی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"ایسے بھلا کون تعریف کرتا ہے۔۔۔ اور کوئی کر بھی دے تو وہ اسکو سمیٹ کر رکھے کہاں۔۔۔ سونیا صاحبہ کو تعریفیں وصول کرنے اور سمیٹنے کا قطعاً کوئی سلیقہ نہیں تھا۔

"بس کریں اب میری تعریفیں۔۔۔ اور یہ کیسی باتیں کرتی رہتی ہیں ماما۔۔۔ آپ ہی سے تو سیکھا ہے جو بھی سیکھا ہے" وہ ماں کے اس کو سلیمنیٹ پر شرمندہ ہی ہو گئی تھی۔

”ارے جانے بھی دو بیٹیاں۔۔۔ مجھ میں اتنا ہی سلیقہ ہوتا تو وہ دو جو بیاہ کر سسرال والوں کی قسمت کو رو رہی ہیں۔۔۔ ان کو بھی ناسکھا چکی ہوتی یہ سب۔۔۔“ وہ مصنوعی تاسف چہرے پر سما کر بولی تھیں۔ انکی یہ بیٹی صرف سلائی کڑھائی میں ہی ماہر نہیں تھی۔ آرٹ اینڈ کرافٹ سے لے کر کھانا پکانے، سائی باغبانی تک وہ باکمال تھی۔

اوہو۔۔۔ وہ تو بڑی آپنی کی شادی ہی اتنی جلدی کر دی آپ نے۔۔۔ وہ کیسے سیکھتیں یہ سب۔۔۔ اور چھوٹی آپنی کی نظر ہی اتنی کمزور تھی کہ وہ مشین لے کر زیادہ دیر بیٹھنا سکتی تھیں” اس نے وضاحت دی تھی۔

”ارے اب ایسی بھی کوئی کمزور نظر تھی۔۔۔ وہ تو بس ڈائجسٹ پڑھنے کے جنون نے آنکھوں پر چشمہ سجا دیا تھا جس کو بہانہ بنا کر تمہاری چھوٹی آپنی سلائی مشین کے پاس بھی نا بھٹکتی تھی۔“ عطیہ خاتون زیادہ متاثر نا ہوئی تھیں۔

”لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا نا کہ آپ نے انہیں کچھ سکھانے کی کوشش نہیں کی۔۔۔ مجھے یاد ہے آپ انکو کتنا سمجھایا کرتی تھیں۔ وہ زمین پر پڑے شاہد سمیٹتے ہوئے ان سے پوچھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ٹھکن تھی نا ہی رات بھر جاگنے کی وجہ سے کوئی بیزاری تھی۔

”اچھا چلو چھوڑو یہ سب۔۔۔ روٹی کو میں سنبھال لوں گی۔ تم ناشتہ کرو اور پھر سو جاؤ کچھ دیر۔۔۔ شام کو تمہیں نکاح کی تقریب پر بھی جانا ہے۔۔۔ ابھی اندیراں آئیگی تو میں اس سے یہ سب صاف کر دالوں گی“ انہوں نے اسے چیزیں سمیٹنے سے روکا تھا۔ اپنی جس دوست کی بجا بھی کے لئے اس نے یہ لباس تیار کیا تھا۔ اسی دوست کے نکاح کی تقریب بھی شام تھی اور وہ دونوں ماں بیٹیاں بھی مدعو تھیں۔

”ابھی شام ہونے میں بہت وقت بڑا ہے امی۔۔۔ ابھی تو میں یہ سب صفائی ستھرائی کروں گی۔۔۔ باجی اندیراں پر چھوڑ دیا تو سمجھیں تین چار سال بعد ہی کریں گی“ وہ جلدی جلدی کترنیں سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اچھا اپنی ممانی کو تصویر بھجوب سب سے پہلے اس لباس کی۔۔۔ دیکھنا وہ کتنی خوش ہوگی“ عطیہ خاتون نے گہری سانس بھرتے ہوئے تاکید کی۔ اس نے انکی بات کی جانب کوئی توجہ نا دی تھی۔ اسکی فی الوقت ساری دلچسپی صفائی ستھرائی میں تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ان کی صفائی والی لڑکی کام اچھا نا کرتی تھی، بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ سونیا کو کسی کام پر بند نا آتا تھا اور اسے ہر کام خود سے کرنے کی عادت تھی۔ وہ انکی تیسرے نمبر والی آخری ہونہار بیٹی تھی۔ اللہ نے تین ہی بیٹیاں دی تھیں اور یہ آخری اولاد تو جیسے انہوں نے بڑی منت و مرادوں کے بعد لی تھی اللہ سے۔۔۔ خواہش تو یہ تھی کہ اس بار اللہ ایک مدد دینے سے نواز دے مگر جب تیسری بار بھی بیٹی ہوئی تو انکا دل ٹوٹ سا گیا تھا پھر جب ساس نے

وہ نچی منی سی پری گود میں دی تو وہ زیادہ دیر ناراض نا رہ سکی تھیں۔ وہ بڑی بڑی گہری آنکھوں والی بچی انکی گود میں دنیا کو انتہائی تجسس سے دیکھتی ہوئی انہیں بے حد پیاری لگی اور پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ پیار بڑھتا ہی چلا گیا تھا۔ بڑی دونوں بیٹیاں بھی ان کے دل کے بے

حد قریب تھیں مگر سونیا تو جیسے ان کے دل کا ٹکڑا تھی اور وہ تھی بھی بڑی من موہنی سی۔۔۔ ذرا بڑی ہوئی تو عطیہ خاتون کو احساس ہوا کہ سمجھداری بھی ان کی اس بیٹی پر ختم تھی۔ پڑھائی میں بھی اچھی تھی، ان کے ساتھ گھر کے کام کاج میں بہت جلد ہاتھ بٹانے کی عادت اس میں پیدا

نش

کے ساتھ ہی آگئی تھی جیسے۔۔۔ اور وقت نے ثابت کیا تھا کہ سلیقہ بھی جیسے کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اس میں۔۔۔ اس سے فارغ نا بیٹھا جاتا تھا۔۔۔ سلائی کڑھائی سے لے کر گھر سجانے سنوارنے تک یا نہت نئے کھانے بنا کر کچن سنہالنے کی بات ہوتی۔۔۔ وہ ہر کام میں آگے تھی۔۔۔ دونوں بڑی بیباکی بہنیں اپنے اپنے سسرال میں دعوتوں سے پہلے اس کو فون کر کے مشورہ کرتی تھیں۔۔۔ اور پھر صرف سلیقہ ہی نہیں تھا۔۔۔ رنگ روپ میں بھی کسی سے کم نہ تھی۔۔۔ گندمی رنگت کے ساتھ بہت مناسب سے نقوش عطا کئے تھے اللہ نے۔۔۔ بے داغ چہرہ، مصویمیت کی چمک سے لبریز گہری آنکھیں اور اچھی بات کرنے کی ادا اسے ایک پرفیکٹ بہو میٹیریل ثابت کرتی تھی۔۔۔ اس حساب سے تو بڑی دونوں بہنوں کی طرح اب تک اسکا بہت مناسب سی جگہ پر رشتہ ہو چکا ہونا چاہیے تھا لیکن مسئلہ تھا تو بس ایک۔۔۔ قد بہت بوٹا سا تھا۔۔۔ اتنا بوٹا کہ غاندان کی ساڑھے پانچ فٹ کی لڑکیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اسکی چھانچ کی ہیل بھی ناکام ہو جایا کرتی تھی اور پھر ان کے یہاں شادیاں اپنی ہی ذات برادری میں کی جاتی تھیں اور غاندان میں اتنا چھوٹا قد کسی کا بھی نہیں تھا اور دراصل یہ بھی وجہ تھی کہ جو اسے کچھ زیادہ ہی چھوٹے قد کا ثابت کرتی تھی کہ ان کے غاندان میں سب ہی لمبے قد کے تھے۔ اسکا نارمل سا پانچ فٹ کے قریب قد سب کو چھوٹا لگتا تھا کیونکہ غاندان میں لڑکے تھے تو وہ بھی چھ فٹ سے نکلتے ہوئے اور لڑکیوں میں بھی کوئی ایک بھی ساڑھے پانچ سے کم کی نہ تھیں۔ یہ سوچنا ہی تھی جو پانچ فٹ سے کم تھی۔ اس کی دونوں بڑی بہنیں بیس بیس سال کی عمر چچا اور چھمی کے یہاں بیباکی بھی جاچکی تھیں لیکن سوچنا تیس کی ہو چکی تھی بی بی ایس سی کر کے تین سال سے گھر میں بیٹھی تھی لیکن ابھی تک کوئی مناسب جوڑا ملا تھا۔ اسے تو شاید کوئی پرواہ نہ تھی۔ اس نے خود کو لاتعداد کاموں اور مصروفیات میں الجھا رکھا تھا۔ بڑی بہنوں کی طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں تھی لیکن باقی ہر ہنر میں یتا تھی۔ اس نے گھر سے ہی ایک چھوٹے سے بزنس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ آرڈر پر کیس اور کپ کیس تیار کرتی تھی، کسٹمائزڈ کارڈز، بیگز۔۔۔ گفٹس اسٹمپر اور گوڈی پیکیس بنا کر دیتی تھی۔ بچوں کے اسکولز کے سائنس اور آرٹس پر ایجیکٹس بنا کر دیتی تھی۔ اسے تو سوچنے کی فرصت بھی نہیں تھی کہ وہ تینیس کی ہو گئی یا چھبیس کی۔ لیکن عطیہ خاتون کی نیند اٹھتے بیٹھتے اسی ایک مسئلے نے اڑا رکھی تھی۔ چلتے پھرتے بس یہی ایک دعا ان کے لبوں پر رہتی تھی

”یا اللہ۔۔۔ میری اس شہزادیوں جیسی بیٹی کے نصیب کب کھلیں گے۔۔۔ مولا کرم کر دے اور اسے ایک اچھا جیون ساتھی عطا کر دے!“

دبچپ بات یہ تھی کہ وہ جس شخص کو بیٹی کے جیون ساتھی کے طور پر دیکھتی تھیں، اسکا نام نقشہ سب انہیں پتا تھا۔ انکا بس ناچلتا تھا کہ ”جیون ساتھی“ کہ جگہ بھتیجے امتش کانام با آواز بلند دعاؤں میں لیا کریں لیکن بیٹی کے چہرے پر پھسلتی ناراضی و ناگواری دیکھ کر وہ بہت ہی دھیمی آواز میں اس طرح دعا کیا کرتی تھیں۔

”یا اللہ۔۔۔ میری اس شہزادیوں جیسی بیٹی کے نصیب کھول دے۔۔۔ مولا کرم کر دے اور اسے امتش عطا کر دے“

”کیسی ہو۔۔۔“ عطیہ بیگم نے بہت محبت سے انہی خیریت دریافت کی تھی۔ مہناز نے گہری سی سانس بھری۔ انکا دل سیل فون پر انکا نمبر دیکھ کر ہی بوجھل سا ہو گیا تھا حالانکہ ہر تیسرے چوتھے روز ان بھابھی تند کی آپس میں بات ہوتی تھی۔ خیر خیریت کے علاوہ مختلف سیریل، مارنگ شوز، نئے فیشن ٹریڈز خاندان میں چلنے والی نئی افواہیں، چغلیاں، خوشی غمی فون پر ہر ہفتے ہی ڈکس ہوتی تھیں۔ وہ دونوں سکول کے زمانے کی سہیلیاں تھیں۔ عطیہ بیگم کے والدین نے جب اپنے بیٹے کے لئے رشتہ ڈھونڈنا شروع کیا تب ہی سے عطیہ نے واویلا مچانا شروع کر دیا تھا کہ ان کی بھابھی تو انہی سہیلی ہی بنیں گی۔ خاندان برادری بھی اپنی تھی اور دونوں گھروں میں پیار محبت بھی تھا سو بزرگوں کی باہمی رضامندی سے مہناز انہی بھابھی بن گئی تھیں۔ آج تک کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ ایک مسئلے پر ان دونوں کی دورائے ہوئی ہو لیکن اب آکر جب ان دونوں کے بچوں کے رشتے کی بات کہیں لگی تھی تب سے جانے کیوں رویوں میں کچھ کچھاؤ آنا شروع ہو گیا تھا۔

”ٹھیک ہوں عطیہ۔۔۔ تم سناؤ۔۔۔ کیا کر رہی تھی۔۔۔ آج گھر کے کاموں سے جلدی فارغ ہو گئی تھی“ مہناز بیگم نے پوچھا تھا۔ عام طور پر وہ دونوں دوپہر کے کھانے کے بعد بات کیا کرتی تھیں لیکن مہناز نے بہت دن سے انہیں فون نہ کیا تھا۔

”آجکل اتنے بچے ہی فارغ ہو جاتی ہوں۔۔۔ تین لوگوں کا کام ہی کتنا ہوتا ہے اور پھر صفائی والی بہت اچھی مل گئی ہے مجھے۔۔۔ سب کچھ اتنے اطمینان سے کر کے جاتی ہے کہ دوبارہ کچھ نہیں کرنا پڑتا۔۔۔ اس کے بعد سالن ہی بنانا ہوتا ہے مجھے۔۔۔ روٹی بنانی ہو یا چاول سو نیا ہی کرتی ہے“ وہ پہلے ایسے نہیں تھیں لیکن اب جانے کیوں ہر بات میں بیٹی کا ذکر خود بخود در آتا تھا۔ سو نیا کھانے پکانے میں ماہر تھی لیکن وہ اسے کچن میں الجھاتی نہیں تھیں۔

”پھر تو سکون سے“ میرا سلطان“ دیکھتی ہوگی آجکل“ مہناز نے چڑایا۔ ان دونوں کا پسندیدہ پروگرام دوپہر کے وقت ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ہو رہا تھا آجکل۔

”ارے سکون کہاں۔۔۔ وہ ہے نامیری سامری جادوگر جیسی بیٹی۔۔۔ وہ کہاں بیٹھنے دیتی ہے سکون سے۔۔۔ آجکل جینز کے بیگز بنانے کا آرڈر پکوا ہوا ہے۔۔۔ ان پر کروٹیا کر داری ہے مجھ سے۔۔۔ بس وہی لے کر بیٹھی ہوئی ہوں ابھی بھی“ عطیہ بیگم نے جیسے بیٹی کی شکایت کی تھی۔

”ارے واہ۔۔۔ جینز کے بیگ۔۔۔ یہ آئیڈیا کہاں سے آگیا۔۔۔؟“ وہ سراہ کر پوچھ رہی تھیں۔ عطیہ بیگم کو خوشی تو بہت ہوئی مگر لہجے میں ناگواری سمو کر بولیں۔

”ایسے آئیڈیاز تو آتے رہتے ہیں اسے۔۔۔ ایسے ایسے بیگز بنا رہی ہے کہ کیا بتاؤں۔۔۔ تصویریں نہیں بھیجیں اس نے آپکو۔۔۔ پورے ایک لاکھ کا آرڈر ملا ہے۔۔۔ مختلف طرح کے بیگز بنا کر دینے ہیں“

”ماشاء اللہ۔۔۔ بہت ہی ہنرمند بچی ہے ہماری سو نیا۔۔۔“ انہوں نے مزید سراہا تھا۔

”اور تھکتی بھی نہیں ہے یہ لڑکی۔۔۔ سارا سارا دن لگی رہتی ہے۔۔۔ جب بھی کوئی نیا آرڈر ملتا ہے۔۔۔ دن رات ایک کر دیتی ہے۔۔۔ اور ہمیشہ وقت سے پہلے تیار کر کے دے دیتی ہے۔۔۔ دراصل گھٹی (پیدائش کے وقت جو شہد یا کھجور کا میٹھا بچوں کو چٹایا جاتا ہے) بھی تو تمہاری ہے نا۔۔۔ ممانی کا اثر ہے بھی“ وہ ہنسی تھیں۔

”رہنے بھی دو عطیہ۔۔۔ اتنا ہی گھٹی کا اثر ہوتا تو اپنے ہونہار پھوت کو بھی میں نے ہی دی تھی گھٹی۔۔۔ اس بہ تو ذرا اثر نا آیا میرا۔۔۔ اتنا لاپرواہ غیر ذمہ دار اور سست لڑکا ہے کہ پوچھو مت۔۔۔“ وہ شکوہ کنال انداز میں بولیں۔

”بیٹے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ بیٹیاں ذرا جلدی سمجھدار ہو جاتی ہیں۔۔۔ ماں باپ کا احساس جلدی ہونے لگتا ہے انہیں“ عطیہ نے تسلی دینی چاہی تھی۔

”صحیح کہہ رہی ہو۔۔۔ بیٹیوں کے بھی کتنے فائدے ہیں نا۔۔۔ کاش میری بھی ایک بیٹی ہوتی تو میں بھی تمہاری طرح یہ بات کہہ سکتی۔۔۔ اب تو یہ حال ہے کہ ماسٹر جی اور ان کے بیٹے کے خمرے اٹھاتے ہی صبح سے شام ہو جاتی ہے۔۔۔ ماسٹر جی کو سبزی چاہیے تو بیٹے کو مرغی۔۔۔ ان کو ناشتے میں انڈہ کھانا ہے تو وہ سو جی کا علوہ مانگیں گے۔ میں تو فرمائشیں پوری کر کر کے اور کپڑے استری کر کر کے تھک جاتی ہوں سچی۔۔۔“ مہناز بیگم بولی تھیں۔

”کیوں چغلیاں کر رہی ہو میرے بھتیجے کی۔۔۔ ایسا پیارا بچہ سارے خاندان میں کسی کا نہیں۔۔۔ چند دن پہلے مجھے تصویریں بھیجی تھیں اس نے۔۔۔ سفید شلوار قمیض میں ایسا میرا لگ رہا تھا نا۔۔۔ میں تو تصویر کی ہی نظر اتارتی رہی۔۔۔ دعائیں پڑھ پڑھ پھونکتی رہی“ عطیہ کے لہجے سے محبت پھوٹنے لگی تھی

”ارے پیارا ہونا کونسا مشکل ہے آجکل۔۔۔ ذرا سی محنت کر لو تو سب ممکن ہو جاتا لیکن ہنر اور سمجھداری ایسی چیزیں نہیں جو سولن اور پارلر میں سکھائی جاسکیں“ وہ کافی ناراض لگتی تھیں بیٹے سے

”سیکھ جائیگا بھی۔۔۔ سب ہی سیکھ جاتے ہیں۔۔۔ لڑکے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ اپنے ماسٹر جی کا وقت بھول گئی ہو۔۔۔ اللہ بخشے ہماری اماں مرحومہ کہا کرتی تھیں کہ جانے یہ لڑکا کب سمجھدار ہوگا۔ زندگی میں کچھ کرے گا بھی نہیں۔۔۔ لیکن تم گواہ ہو شادی کے بعد بھائی کی طبیعت میں ذمہ داری آگئی تھی۔۔۔ وہی لڑکا جو غیر ذمہ دار سا ہوا کرتا تھا۔۔۔ شادی کے بعد کیسے سب کے لئے ماسٹر جی ہو گیا تھا۔۔۔ اتمش بھی کھونٹے سے بندھے گا تو سیکھ جائیگا“ انہوں نے ہمیشہ کی طرح موضوع کو اپنے حق میں ہموار کیا تھا

”اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا ہوگا۔ کھونٹا بھی کونسا ہماری مرضی کا چن نہیں گے۔۔۔ اپنی منشاء مرضی سے منتخب کریں گے کھونٹا تو اپنے جیوا ہی ہوگا۔ غیر ذمہ دار اور لاپرواہ“ انہوں نے چڑ کر اگل ہی دیا تھا۔ عطیہ کی ہارٹ بیٹ مِس ہوئی۔ انہیں خفیہ سا جھٹکا لگا تھا۔ اگلا جملہ منتخب کرتے ہوئے بڑی اہمیت کرنا پڑی انہیں

”اچھا آآ۔۔ تو ایسا کچھ سلسلہ ہے۔۔۔ التمش کو پسند ہے کوئی۔۔؟“ انہوں نے پوچھا، ساتھ ہی دل میں دعا کی کہ بھاج انکی بیٹی کا نام لے کر انکی ساری پریشانی دور کر دے۔

”ارے ہمیں کہاں بتاتے ہیں کچھ۔۔۔ تم چھوڑو التمش کی بات۔۔۔ تم بتاؤ۔۔۔ سونیا کے رشتے کی بات چلی نہیں۔۔۔ میری ایک جاننے والی ہیں۔۔۔ انہوں نے رشتے کروانے کا کام شروع کیا ہے۔۔۔ اچھی بھروسے والی خاتون ہیں۔۔۔ تم کہو تو انکو سونیا کی تصویر دے دوں۔۔۔ وہ پوچھنے لگی تھیں۔ عطیہ کا بلڈ پریشر جیسے ایک دم لوسا ہو گیا۔ یہ تو کھلم کھلا انکار کر رہی تھیں بھاج۔۔۔ ان کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔“

”ارے مہناز۔۔۔ دروازے پر شاید دودھ والا آ گیا ہے۔۔۔ کب سے بج رہا دروازہ۔۔۔ میں بعد میں فون کرتی ہوں“ انہوں نے خدا حافظ بھی نہیں کہا تھا اور فون بند کر دیا تھا۔ انہیں ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے

”ایسے کیسے اللہ میاں۔۔۔ ایسے کیسے۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ میں تو روز عشاء کے بعد آیت کریمہ بھی پڑھ رہی ہوں آجکل۔۔۔ ایسے کیسے بھلا التمش کسی اور کو پسند کر لے گا۔“ وہ ہونے لگی تھیں۔ دوسرے کمرے میں بیٹھی عراب نے اپنا آخری جینز کا بیگ مکمل کر کے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ اس آرڈر نے اسے بڑا حوصلہ دیا تھا۔ اسے امید تھی کہ ایسے مزید آرڈرز ملیں گے اب۔۔۔

☆.....☆.....☆

”ماسٹر جی ایک مسئلہ ہو گیا ہے“ وہ ابھی اپنی کرسی پر بیٹھے ہی تھے کہ ان کے ہونہار شاگرد رب نواز نے رونا سنا سامنہ بنا کر مسئلہ بیان کرنا چاہا۔ انہوں نے اپنا عصا ایک طرف رکھا اور پشاور چیل سے پاؤں نکال کر سامنے کی جانب دیکھا۔ رب نواز نے فوراً ہی سامنے پڑی بیچ ان کے پاؤں کے آگے کر دی۔ ماسٹر جی نے پاؤں اطمینان سے اس کے اوپر رکھ لئے تھے۔

”ناشتہ کیا تم نے؟“ انہوں نے رب نواز کے سوال کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے خود سوال کیا تھا۔

”جی ماسٹر جی۔۔۔ کر چکا ہوں“ وہ کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہا تھا۔

”کیا کھایا خیر سے۔۔۔؟“ انہوں نے دوسرا سوال کیا۔ رب نواز نے گہری سانس بھری۔

”ماسٹر جی۔۔۔ پراٹھا چنے کھائے ہیں۔۔۔ دودھ پتی بھی پی تھی ساتھ۔۔۔“ وہ اتنا کہہ کر حُپ ہو گیا تھا۔

”اچھا۔۔۔ یہ تو ہو گئیں ہیڈ لائنز۔۔۔ اب بتاؤ تفصیل۔۔۔“ ماسٹر جی نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔

”وہ جی آج نا۔۔۔ شوکت کی امی جی نے گاجر کا سلوا بھیجا تھا۔۔۔ وہ بھی کھا لیا ہم نے“ رب نواز کا لہجہ بڑا اثر سار سا تھا جیسے اس سے کوئی

غلطی ہو گئی ہو۔

”میرا حصہ کدھر ہے۔۔۔؟“ ایک اور سوال کیا گیا۔ رب نواز نے مزید سر جھکا لیا۔

”یہی تو مسئلہ ہے ماسٹر جی۔۔۔“ رب نواز نے اُگلا تھا۔ ماسٹر جی کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔

”اوتے کچھتو۔۔۔ سارا کھا گئے ہو کیا۔۔۔ کیمنو میرا خیال نا آیا تم لوگوں کو۔۔۔“ ماسٹر جی بدک سے گئے تھے۔ انہوں نے جوش میں پاؤں بھی پیچ سے نیچے اتار لئے تھے۔ رُب نواز ذرا سہم کر پیچھے ہو گیا۔

”نہیں ماسٹر جی۔۔۔ ہم نے تو رکھا تھا آپ کے لئے۔۔۔ تھا بھی بڑا ہی مزیدار۔۔۔ زیادہ سارے گریاں بادام ڈالے تھے شوکت کی امی جی نے۔۔۔ ذائقہ اتنا عمدہ تھا کہ ہر نوالے سے صاف پتا چل رہا تھا کہ پکانے والی نے بھون بھون کر گاجروں کا تراہ ہی نکال دیا ہے۔۔۔ اودہ زعفران بھی چھڑک کر لایا تھا شوکت۔۔۔ اور رنگ بھی ایسا سرخ کہ آنکھیں خوش ہوتی تھیں دیکھ کر“ رُب نواز نے پہلے تو پوری تفصیل بتائی اور پھر دوبارہ سے سر جھکا لیا۔

”آگے بھی تو پھوٹو۔۔۔ کہ ہوا کیا اس حین و جمیل حلوے کے ساتھ۔۔۔ غضب خدا کا۔۔۔ بس بیان کئے جا رہے ہو۔۔۔ چہرہ نہیں دکھا رہے۔ گاجر کا حلوہ نا ہو گیا امراؤ جان ادا ہو گئی۔۔۔“ ماسٹر جی کے جذبات حلوے کی تفصیل سے اٹھل پٹھل ہو گئے تھے۔

”وہ ماسٹر جی۔۔۔ ہم نے الگ سے ڈھک کر رکھا تھا کہ آپ واپس آئیں گے تو کھالیں گے۔۔۔ لیکن آپ تو آئے نہیں۔۔۔ اتانی جی آگئیں۔۔۔ اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔ اتانی جی کے ذکر پر ماسٹر جی کا چہرہ ہی بدل گیا۔

”دھت تیرے کی۔۔۔ یعنی دل میں تیرے قُرب کی حسرت تمام خُند“ ماسٹر جی کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

”انہوں نے آپکا پوچھا۔۔۔ ہم نے بتا دیا کہ آپ ہاشمی صاحب کی عیادت کے لئے گئے ہیں۔۔۔ وہ کچھ ناراض سی لگتی تھیں۔ پھر انہوں نے شوکت سے بس اسکی امی جی کا حال ہی پوچھا تھا۔۔۔ وہ شروع ہی ہو گیا۔۔۔ اس نے ہی سارا کھڑاک ڈالا یہ والا۔۔۔ فٹافٹ اپنی امی جی کی تعریفیں شروع کر دیں۔۔۔ ساتھ ہی بتانے لگا کہ گاجر کا حلوہ بنا کر بھیجا ہے انہوں نے۔۔۔ حالانکہ ماسٹر جی انہوں نے تو بس خیریت ہی پوچھی تھی۔۔۔ شوکت مردود اگلے پچھلے سارے قصے سنانے شروع ہو گیا۔۔۔ کہتا ہے اتانی جی حلوہ تو ضرور ہی چکھیں۔۔۔ اتنا میٹھا ہے کہ ہونٹ چپکتے ہیں کھاتے ہوئے۔۔۔ اتانی جی نے فوراً کہا کہ خبردار ماسٹر جی کے آگے نہیں رکھنا۔۔۔ انکی شوگر ہائی رہتی ہے آجکل“ رُب نواز کی اس بات کے بعد ماسٹر جی کو سارے قصے میں بالکل ہی دلچسپی ہی ختم ہو گئی تھی۔

”اونہہ۔۔۔ شوگر ہائی رہتی ہے۔۔۔ میں کوئی اکیلا ہوں جس کی شوگر ہائی رہتی ہے نا۔۔۔ سارے زمانے کی ہی شوگر ہائی رہتی ہے آجکل۔۔۔ لیکن ان زنانیوں سے کون بحث کرے۔۔۔ یہ کام تو راجاؤں مہاراجاؤں نے بھی نہیں کئے تو غریب ماسٹر جی کیسے یہ جرات کر سکتے ہیں“ ماسٹر جی کا چہرہ بالکل اتر گیا تھا۔ رُب نواز کو بڑا دکھ ہوا۔ اس نے ان کے پاؤں دا بنے شروع کر دئے تھے۔

”آپ دل چھوٹانا کریں ماسٹر جی۔۔۔ شوکت پھر بنوالا بیگا۔۔۔ گاجر کے حلوہ بنانے میں کونسی روڑی کوٹنی پڑتی ہے۔۔۔ یہ گاجریں چھیلیں۔۔۔ کاٹیں پیسیں اور قتیلے میں چڑھا دیں۔۔۔ آدھ گھنٹے میں حلوہ تیار۔۔۔“ وہ انہیں بہلا رہا تھا۔ ماسٹر جی نے ناک چڑھا کر سر جھٹکا۔

”نہیں ہو ہی نا جائے آدھ گھنٹے میں تیار۔۔۔“ وہ چڑ سے گئے تھے۔ سب ہی جانتے تھے کہ ماسٹر جی کی کمزوری ہے میٹھا۔۔۔ اور

استانی جی کی کمزوری ہیں ماسٹر جی۔ وہ ان کی صحت سے متعلق تمام تر معاملات کے متعلق بہت محتاط رہا کرتی تھیں۔ جب سے انکو ذیابیطیس ہوئی تھی، استانی جی نے گھر میں پختی لانی بند کر دی تھی۔ حلوہ بنانا تو دور کی بات ہے۔۔ وہ تو ماسٹر جی کو چائے کے ایک کپ میں چمچ بھر پختی بنا ڈالنے دیتی تھیں۔ ماسٹر جی اپنے شاگردوں سے چمپ چمپ کر بیٹھا منگو کر کھایا کرتے تھے۔ شوکت نے کب سے ہی وعدہ کر رکھا تھا کہ جب بھی گھر میں حلوہ بنے گا تو وہ ضرور ہی ان کے لئے لے آئے گا لیکن یہ کسی کے گمان میں نہیں تھا کہ جب حلوہ آئیگا اس روز استانی جی بھی آجائیں گی۔

”ہوتا ہے ماسٹر جی ایسا بھی ہوتا ہے۔۔ بس آپ کے نصیب میں نہیں تھا گا جبر کا حلوہ۔۔۔ چھوڑیں۔۔۔“ رب نواز نے پھر تکی دی تھی۔

”اوہ چھوڑو تو تب جب تم لوگوں نے مجھے پکڑنے دیا ہو۔۔۔ بے ہدایتو! مجھے تو دیدار نصیب نا ہوا۔۔ اور بس خبردار اب کسی نے گا جبر کے حلوے کا نام بھی لیا ہو۔۔ تمہارا کیا خیال ہے۔۔ اب وہ مہارانی جو دھابائی جو میرے گھر میں رہتی ہیں۔۔ وہ مجھے کھانے دیں گی کچھ بیٹھا۔۔ اب انکو پتا چل گیا ہے کہ میں تم لوگوں سے منگو کر بیٹھا کھاتا ہوں تو دیکھ لینا اب میرے مشکل دن شروع ہو جائیں گے پابندی لگ جانی ہے میرے کھانے پینے پر۔۔۔ میرے لئے تو سمجھو روزے شروع ہو جانے ہیں آج سے۔۔ اور اوپر سے بی بی کی ناراضی الگ سہنی پڑے گی۔“ تاسف ان کے ایک ایک لفظ سے چھلک رہا تھا۔ رب نواز کو ان پر بڑا ہی ترس آیا مگر وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ ماسٹر جی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے تھے۔ ان کے چہرے سے شدید مایوسی ٹپکنے لگی تھی۔ اسکا مطلب تھا آج کا سبق ختم ہو چکا تھا۔ آج سارا دن بس گا جبر کے حلوے کا ماتم ہی ہونا تھا۔

”ستیاناں۔۔۔ اب گھر جا کر کیا جواب دینا ہے“ ماسٹر جی کو ہول اٹھ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

”نظر نہیں آتا کیا؟“ وہ اپنے دھیان میں مگن آ رہا تھا جب سامنے آتے کسی نفس سے بری طرح ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ ایک لمحہ لگا تھا اسے سنہلنے میں جبکہ وہ تو دھڑام سے نیچے ہی گر گئی تھی۔ التمش نے گلاسز آنکھوں سے اتارے تو وہ تڑخ کر بولی تھی۔

”آتا ہے نظر۔۔۔ کیوں تم نے فیض کی ترپائی کروانی ہے؟“ وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔ زمین نے اپنے بال جھاڑے اور ہاتھوں کی مدد سے فوراً انکو ٹھیک کیا تھا۔ اسے اپنے بالوں سے بڑی محبت تھی۔ ان کو سجانے سنوارنے کے بڑے جتن کرتی تھی وہ۔

”بس شروع ہو گئیں تمہاری مٹھی ہوئی فیصل آبادی جگیتیں۔۔۔“ بالوں کو ٹھیک کرتے ہوئے وہ ناک چدھا کر بولی تھی۔

”ارے تو کیا فیصل آبادی جگیتوں کو بھی ازبجی ڈرنک پلایا کریں ہم کہ وہ مٹھی ہوئی نا لگیں۔۔۔ جگیتیں ہی ہیں بیچاری۔۔۔ کوئی تمہاری قیمتی جیسی زبان نہیں ہے کہ تھکیں گی نہیں۔۔۔ آخر فیصل آباد سے نکلتی ہیں تو سارے پاکستان میں چلتی ہیں۔۔۔ ٹھکانا تو بنتا ہے نا“ وہ آنکھیں کھما کر بولا تھا۔ زمین کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

”بس باتوں کے ہی نواب ہو تم۔۔۔ اور منہ کیادیکھ رہے ہو۔۔۔ یہ نہیں کہ اٹھنے میں مدد ہی کر دو۔۔۔ بھلا بتاؤ اتنی حسین و جمیل لڑکی سے ٹکرانے کے بعد معذرت ہی کر لیتا ہے انسان۔۔۔“ وہ جتا کر بولی تھی۔

”التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ معذرت کرتے ہیں میرے یہ ایڈیڈ اس کے جو گرز۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولا پھر ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھنے میں مدد کی تھی۔

”اور غلطی تمہاری ہی ہے اے حسین و جمیل لڑکی۔۔۔ تم خود دیکھ کر چلا کر تو ایسی ہنسی ڈھپٹی ہیڈ آگریٹ فال والی نوبت ہی نا آتے لیکن تم تو مجھے دیکھتے ہی۔۔۔“ اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی اور پھر اپنا ہاتھ اسکے سامنے کیا تھا جسے تھام کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بھورے سلکی لانگ اسٹپس میں کٹے بالوں سے اٹھتی دھیمی سی مہک نے التمش کی تمام تر حیات کو جیسے معطر کر دیا تھا۔ ایک تو براؤن ڈشیمپو کی مہک، اس پر فراخ دلی سے اسپرے کیا ہوا پرفیوم اور پھر نفاست سے سجایا بنایا گیسراپا۔۔۔ وہ زمین سے اٹھتے ہوئے ایک دم سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ چہرے پر دلفریب سی مسکراہٹ تھی جسے چھپانے کی سعی لا حاصل میں وہ اور بھی خوبصورت لگنے لگی تھی۔ التمش نے تمام تر استحقاق کے ساتھ اسکا جائزہ لیا۔ آف وائٹ اور میرون ٹاپ کے ساتھ جینز پہنے وہ روزانہ کی طرح بے حد حسین لگ رہی تھی۔ یہ ٹاپ اس نے صبح پہننے سے پہلے التمش کو وائٹس ایپ پر تصویر بھیج کر دکھایا تھا۔ التمش نے ”اوکے“ کیا تھا تو وہ پہن کر آئی تھی۔ براؤن اور میرون سی لپ اسٹک بھی لگا رکھی تھی اور آنکھوں پر لائٹر بھی نمایاں تھا اور اب اس کی تمام تر تیاری متقاضی تھی کہ وہ دل کھول کر اسے سراہتا لیکن۔۔۔

”توبہ۔۔۔ اتنی ڈارک لپ اسٹک کیوں لگا رکھی ہے تم نے۔۔۔ اور آنکھوں پر یہ کیا لگا لیتی ہو تم لڑکیاں۔۔۔ تلوار مار کہ آئی لائٹر۔۔۔ آنکھوں سے ایک ایک کلو میٹر تک باہر نکلا ہوا ہوتا ہے۔ کیا بن کر آئی ہو بھائی۔۔۔ یہ یونیورسٹی ہے تمہاری پچھو کے بیٹے کا ولیئم نہیں ہے۔۔۔ چاکلیٹ میں ڈوبا ہوا ڈونٹ لگ رہی ہو بالکل۔۔۔“ وہ زمین سے اسکی چیزیں اٹھاتے ہوئے اسے چڑا رہی رہا تھا۔ زمین کا دل جیسے مجھ سا گھیا حالانکہ اسے گزشتہ دو سالوں میں بخوبی اسکی طبیعت کا اندازہ ہو چلا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھی اسکا دل چاہتا تھا کہ وہ کھل کر اسکی تعریف کیا کرے۔

”اونہہ۔۔۔ تمہیں کیا پتا آجکل کے میک اپ ٹرینڈز کا۔۔۔ یہ فیشن ہے۔۔۔ ڈارک لپ اسٹک ان ہے آجکل۔۔۔ یہ نیو ونڈرز ٹرینڈ ہے۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولی تھی اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے اپنا بیگ اور ہتھیلیں تھامی تھیں اور آگے کو چل دی تھی۔

”اچھا پہلے نہیں بتایا تم نے۔۔۔ کل کو میں بھی ایسا ہی دونٹ بن کر آؤنگا پھر۔۔۔ آخر ہم بھی تو ٹرینڈز کو فالو کریں۔۔۔ یہ کیا کہ لڑکیاں ہی ڈونٹس اور کپ لیکس بنیں یونیورسٹی میں آوارہ گردیاں کرتی رہیں۔“

وہ مسکرایا تھا اور ساتھ ہی گلاسز دوبارہ سے آنکھوں پر رکھ لئے تھے۔ زمین چُپ رہی تو وہ اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔ چند لمحے وہ

دونوں ایسے ہی خاموشی سے ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہے پھر اتمش نے ہی اسے پکارا تھا۔

”سنو تو۔۔ غصہ کر گئی ہو کیا۔۔ اب میں نے مزید کچھ کہا تو تم نے پھر فیصل آبادی جگتوں کا طعنہ دے دینا ہے“ وہ اسے چڑا رہا تھا۔ زمین نے مڑ کر بھی نا دیکھا۔

”اچھا بات تو سنو۔۔ ویسے میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ آئی لوڈ ٹس۔۔“ وہ اس کے عقب میں چلتا ہوا بولا تھا۔ زمین کے چہرے پر مسکراہٹ سی بکھر گئی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے قدم رُکے تھے پھر اس نے مڑ کر اسے دیکھا۔

”بد تمیز۔۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔ اتمش مسکرایا تھا اور یہ مسکراہٹ صرف زمین کے لئے مخصوص تھی۔ ساری یونیورسٹی جس لڑکے کی دوستی کی خواہاں تھی، وہ لڑکا اپنے تمام تر حقوق زمین کے نام لکھ چکا تھا۔

”اور تم مسز بد تمیز۔۔“ اس نے اسکی آنکھوں میں دیکھا تھا پھر وہ دونوں ہی قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔ اتمش نے اسکی تتائیں اس کے ہاتھ سے لے کر خود تھام لیں پھر مصنوعی تفاخر لہجے میں سمو کر بولا۔

”اتمش کہتے ہیں مجھے۔۔ تمہارے معاملے میں سب بد تمیزیاں سمجھتی ہے مجھ پر“

☆.....☆.....☆

ماسٹر جی نے گھر میں قدم رکھتے ہی چہرہ بالکل سمجھا ہوا کر لیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا تھیلا جو وہ صبح ہمراہ لے جایا کرتے تھے وہ بھی کچن کے باہر ہی رکھ دیا تھا۔ گلا کھنکھار کر صاف کیا نابی با آواز بلند سلام کیا بلکہ دھیمے سے انداز میں سلام کرتے ہوئے چپ چاپ اپنے کمرے کی

جانب چل دئے۔ طبیعت بالکل ہشاش بشاش تھی لیکن چہرہ ایسا اترا ہوا بنالیا تھا کہ جیسے برسوں کے بیمار ہوں۔ کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے کُن آنکھیوں سے مڑ کر کچن کی جانب دیکھا لیکن اہلیہ نہیں نظر نا آئی تھیں۔ انہوں نے سٹک کی لمبی سی سانس لے کر بیڈ پر نشست سنبھال لی تھی۔

ابھی بیٹھے ہی تھے کہ بیڈ روم سے ملحقہ بنے چھوٹے سے اسٹور سے کھٹ پٹ کی آوازیں آنے لگیں تھیں۔ انہوں نے ایک ساعت میں جھٹکا کھا کر سر ہاند دیکھا کیا اور بستر پر چپ لیٹ گئے۔ اسی دوران مہناز بیگم ہاتھ میں اتمش کی شرٹ پکڑے آئی تھیں۔ ماسٹر جی نے لمبی

گہری دردناک سانس لی۔ انکا بس نہیں چل رہا تھا کہ بیگم پر ثابت کر دیں کہ وہ اچھا محسوس نہیں کر رہے۔ مہناز بیڈ کے سامنے پڑے کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے ماسٹر جی کو مخاطب تک نا کیا تھا۔ انکا نازک دل ذرا تیز دھڑکنے لگا تھا۔

”یہ بی بی آج اتنا چپ کیوں ہیں۔۔ اب ایسا بھی کوئی طوفان نہیں آگیا۔۔ ایک گاجر کا سلوہ ہی تھا۔۔ اور میں نے تو پکھا تک

نہیں“ وہ تاسف بھرے دل سے سوچ رہے تھے پھر انہوں نے چند منٹ انتظار کیا پھر کُن آنکھیوں سے بیگم کی جانب دیکھا۔ انکا چہرہ کسی گہری

سوچ کی عکاسی کر رہا تھا۔ وہ کچھ لمحے ہوئی لگتی تھیں۔ ماسٹر جی نے دل ہی دل میں اپنے حق میں دما کی تھی۔ یہ بہت ہی کم ہوتا تھا کہ مہناز بیگم

انہیں مخاطب نا کریں۔ یہ ان کے دل میں چلتی کسی ناراضی کی غمازی کر رہا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ وہ خود ہی بات کا آغاز کر لیں جو جھڑکیاں

کھانی ہیں ایک ہی دفعہ کھالیں تاکہ ماحول میں جو غبار نظر آ رہا تھا وہ چھٹ جائے۔ مہناز بیگم اگر اتنا چپ نہ ہوتیں تو وہ بھی شاید یہ سب محسوس کرتے لیکن اب انہیں زیادہ تکلیف ہو رہی تھی۔

”بی بی۔۔۔ میں نے کہا اب ایسی بھی کیا۔۔۔“ انہوں نے ابھی آغا زکیا ہی تھا کہ مہناز بیگم نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ پہلو میں رکھ دی۔ وہ چپ سے ہو گئے۔

”ماسٹر جی! یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا“ وہ بولی تھیں۔ ان کی آواز میں عجیب سا افسوس اور پریشانی تھی۔ ماسٹر جی کو بڑا دکھ ہوا۔ انکی اور انکی بیگم کی یکسر ایسی تھی کہ وہ انہیں ناراض نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھے تھے۔

”ارے یہ کیا بی بی۔۔۔ مجھے تفصیل سے بتانے تو دیں۔۔۔ آپ جو سمجھ رہی ہیں وہ حقیقت نہیں ہے“ ماسٹر جی نے تسلی دینے والے انداز میں کہا تھا۔ مہناز بیگم نے گردن ہلائی۔

”وہی حقیقت ہے۔۔۔ میں سب جانتی ہوں۔۔۔ اس نے اپنے منہ سے بتایا ہے مجھے۔۔۔“ وہ سخت ناخوش تھیں۔ ماسٹر جی کو شوکت پر سخت غصہ آیا۔ وہ سمجھے اہلیہ ان کے شاگرد پر نواز کی بات کر رہی ہیں۔

”اوائے اس کو تو میں دیکھ ہی لوں گا۔۔۔ جانے کیا اناپ شاپ بکتا رہتا ہے۔۔۔ آپکو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے“ وہ اپنے موقف کو بچ ثابت کرنے کے لئے جارحانہ انداز میں بولے تھے۔

”آپ پر بھروسہ ہے تب ہی تو سارا معاملہ آپ پر چھوڑا ہوا تھا۔۔۔ لیکن یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا“ وہ روہانسی ہوئی جاری تھیں۔ ماسٹر جی ان کے انداز پر پہلے سے زیادہ دکھ ہوا۔

”بی بی۔۔۔ اتنا کیوں پریشان کر رہی ہیں۔۔۔ بخدا میں نے ایک دانہ بھی منہ میں نہیں ڈالا تھا۔۔۔ چکھا تک نہیں تھا۔۔۔ آپکی قسم۔۔۔ آپ جانتی ہیں میں جھوٹ نہیں بولتا“ انہوں نے وضاحت کی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ بیگم سے ڈرتے تھے لیکن انکی ناراضی سے خائف ضرور رہتے تھے اور بیٹھانا کھانے کا وعدہ تو انہوں نے خود ہی کیا تھا۔ انہیں واقعی افسوس تھا کہ مہناز بیگم کو ان کے وعدہ توڑنے کے اس عمل سے تکلیف ہوئی ہے۔

”آپ سمجھ ہی نہیں رہے ماسٹر جی۔۔۔ امتش کی زندگی میں کوئی لڑکی ہے۔۔۔ مجھے پہلے شک رہتا تھا لیکن اب یقین ہو گیا ہے۔۔۔ بتاؤ ہر وقت فون پر دن رات کون اس طرح مصروف رہتا ہے۔۔۔ ہاتھ روم میں بھی فون ساتھ لے جاتا ہے۔۔۔ میں کیا جواب دوں گی عطیہ کو۔“

”ماسٹر جی کو ایک جھٹکا لگا پھر ساری بات سمجھتے ہوئے انہوں نے ایک لمبی گہری ٹھنڈی اطمینان بھری سانس لی تھی۔ مہناز بیگم کسی اور وجہ سے بھی سمجھی تھیں۔“

”ماسٹر جی کو ایک جھٹکا لگا پھر ساری بات سمجھتے ہوئے انہوں نے ایک لمبی گہری ٹھنڈی اطمینان بھری سانس لی تھی۔ مہناز بیگم کسی اور وجہ سے بھی سمجھی تھیں۔“

”ماسٹر جی کو ایک جھٹکا لگا پھر ساری بات سمجھتے ہوئے انہوں نے ایک لمبی گہری ٹھنڈی اطمینان بھری سانس لی تھی۔ مہناز بیگم کسی اور وجہ سے بھی سمجھی تھیں۔“

”اچھا آآ۔۔۔ تو وہ بات نہیں تھی۔۔۔ اور میں سمجھا۔۔۔“ مہناز بیگم نے اپنی جانب دیکھا پھر بولیں۔

”اللہ جانے ماسٹر جی آپ کیا سمجھے۔۔۔ میں تو اتنا جانتی ہوں کہ آپ کے بیٹے کی حرکتیں بہت مشکوک ہو چلی ہیں۔۔۔“ وہ کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہی تھیں۔ التمش اور اپنی بھانجی عراب کے رشتے کی بات ان بزرگوں کے درمیان ایک عرصے سے مسئلہ بنی ہوئی تھی لیکن ایسی پریشانی مہناز کے چہرے پر پہلے کبھی نظر نا آئی تھی۔ ماسٹر جی کا دل تو جیسے کسی بوجھ سے آزاد ہوا تھا۔ بیٹھے کی بات رشتے کی بات سے کہیں زیادہ پریشان کن تھی ان کے لئے۔۔۔ اپنی تو پریشانی یکدم ختم ہو گئی تھی۔

ارے بی بی۔۔۔ اتنا مت سوچیں۔۔۔ ایسی باتیں زور زبردستی سے تو کی نہیں جاسکتیں۔۔۔ اور پھر۔۔۔“ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن مہناز بیگم نے بات کاٹ دی۔

”اور بہن کو کیا جواب دیں گے آپ۔۔۔ کچھ اندازہ بھی ہے وہ کتنی پریشان رہتی ہے۔۔۔ جب بھی ملتی ہے اس امید بھرے انداز میں میرا چہرہ دیکھتی ہے کہ میں کوئی بات کروں گی اور میں ہوں کہ آپ دونوں باپ بیٹے کی جواب کی منتظر ہوں۔۔۔ اور اب تو وہ صاف ہی کہہ چکا ہے کہ جلد ہی کسی اور لڑکی سے ملوائے گا۔۔۔“

”بی بی پریشان مت ہوں۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔“ وہ مطمئن ہو کر بولے تھے۔ انکو تو اپنی پریشانی سے نجات ملی تھی۔ وہ پرسکون ہو گئے تھے۔

”کیسے پریشان نا ہوں۔۔۔ آپ کو پتا ہے کبھی دن میں نے عطیہ سے بات ہی نہیں کی۔۔۔ آج اسکی کال آگئی تو سرسری سا ذکر کیا میں نے۔۔۔ اس بچاری کو چپ ہی لگ گئی۔۔۔ ایک لفظ نہیں بولا جابا تھا اس سے۔۔۔ میرا دل تو جیسے پھٹ گیا ماسٹر جی۔۔۔ کتنی امید ہے اسکو کہ میں ضرور ہی رشتہ دوں گی اپنے بیٹے کا اور بیٹا یہاں سنتا نہیں کسی کی۔۔۔“ وہ لاچار سے بولی تھیں۔ ماسٹر جی نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔۔۔ اور چند لمحے دیکھتے رہے۔

”اچھا بی بی سوچتے ہیں کچھ۔۔۔ اب سنا پھٹا تو رفر کرنا ہی پڑے گا۔۔۔“ انہوں نے با آواز بلند خود کلامی کی تھی۔

”تو جلدی کر لیں ماسٹر جی۔۔۔ آپکی اس رفرگری میں تاخیر نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے“ وہ بینا نظر آتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

میں کل نہیں آؤں گی۔۔۔ تم ذرا تمیز سے رہنا۔۔۔ میں جب نہیں آتی تو تم لوگ ہر ایرے غیرے سے فریڈ لی ہونے کی کوشش کرنے لگتے ہو“ زرین نے مونگ پھلی کا دانہ پیکٹ سے نکال کر منہ میں رکھا تھا۔ التمش نے مڑ کر اسے دیکھا پھر استغیا مہمہ انداز میں گردن ہلائی تھی۔

”تیمور لوگوں کی بات کر رہی ہوں۔۔۔ ان کے گروپ سے اتنا بیوں فرینک ہوتے ہو تم سب۔۔۔ مجھے نہیں پسند وہ لوگ۔۔۔ سب

کے سب چغل خور ہیں۔۔

”وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔ وہ دونوں کیفے ٹیریا میں بیٹھے تھے۔ براق ان سب سے پیسے اکٹھے کر کے کمینٹین گیا تھا۔ نمبرہ اور اعتشام لیپ ٹاپ سامنے رکھے اسائنمنٹ کے لئے گوگل سے میٹیریل کا پی پیٹ کرنے میں مگن تھے۔ شہاب موبائل ہاتھ میں لئے جانے کس سے واٹس ایپ کرنے میں مگن تھا۔

”خیر اتنے چغل خور بھی نہیں ہیں۔۔۔ تم سب لوگوں سے تو کم ہی چغلیاں کرتے ہیں وہ لوگ“ براق چائے اور سمو سے کیڑے تھاما قریب آیا تھا۔ وہ دوستوں کا دوست تھا۔ سارے ڈیپارٹمنٹ میں ہر ایک سے علیک سلیک تھی اسکی۔۔۔ اس نے تیمور لوگوں کی تعریف کر کے اپنی شامت کو آواز دی تھی۔ اس کو پتا تھا اب سب اس پر چڑھ دوڑیں گے۔

”ارے ارے۔۔۔ نمبرہ اور اعتشام زمین کے ساتھ مل کر چلائے تھے۔

”کتے یہ چغل خور کس کو کہا ہے تو نے۔۔۔“ اعتشام نے مصنوعی ناراضی سے غرا کر کہا تھا۔

”احسان فراموش۔۔۔ کمینہ“ نمبرہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ براق کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

”تم تو واقعی احسان فراموش ہو براق کے بچے۔۔۔ ایک سینگ والا گھوڑا نا ہو تو۔۔۔ کیسے منہ بھر کر چغل خور کہہ دیا تم نے ہمیں“ زمین نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

”اس نے چغل خور کہا ہے ہمیں؟“ شہاب نے یکدم ہی سراٹھایا تھا۔

”اوائے میں پوچھتا ہوں شرم نہیں آئی تجھے۔۔۔ تیرا کلیجہ کیوں نا پھٹ گیا ایسا کہتے ہوئے یاد ہے جب نئے نئے بورڈ والہ سے آئے تھے تو کوئی منہ بھی نہیں لگا تا تھا تمہیں۔۔۔ یہ ہم ہی تھے جنہوں نے تمہیں پال پوس کر بڑا کیا۔۔۔ تمہیں ریگنا چلنا سکھایا۔۔۔ یونیورسٹی میں سروائیو کرنے کے اصول کاغذوں پر لکھ لکھ کر سمجھائے۔۔۔ اور اب جب تم ڈپ رے ایشن کو ڈیپریشن کہنا اور سٹ ریس کو سٹریس کہنا سیکھ گئے ہو تو ہمیں باتیں سنار ہے ہو۔۔۔ بے غیرت۔۔۔“ شہاب گھاس سے اٹھ کر کرسی پر اٹھٹھا تھا۔ براق ان سب کی باتوں سے لطف لیتا ہوا بس ہنسنے ہوئے سموں کھانے میں مگن تھا۔

”نکالو اس کو یہاں سے۔۔۔ یہ ہمارے پاس بیٹھا ہی کیوں ہے۔۔۔ ہمارے دشمنوں کو ہم سے بہتر کہنے کی ہمت کیسے کی اس نے“ اعتشام نے چائے کا کپ اٹھایا۔

”اوہ بخش دو مجھے بھائی۔ غلطی ہو گئی مجھ سے“ براق ہنستے ہوئے بولا تھا۔

”غلطی۔۔۔؟ گناہ بیٹا جی۔۔۔ گناہ۔۔۔“ نمبرہ نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے کہا تھا۔

”بس چودھری براق۔۔۔ ساڈی تہاڈی منگ گئی۔۔۔ نکل جاؤ ہمارے سرکل آف فرینڈز سے۔۔۔ ہمیں تم جیسے غدار کی ضرورت

نہیں ہے" زمین اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"تم کیوں چُپ ہو۔۔۔ تم بھی نکال لو دل کی بھڑاس۔۔۔ حسرت نارہ جائے کسی کے دل میں کوئی۔۔۔ دے لو طعنے تم بھی دو چار" طراق نے التمش کو اسایا تھا جو انکی باتیں سنتے ہوئے بس ادھر ادھر دیکھنے میں مگن تھا۔

"ناٹ انٹرنڈ۔۔۔ بچے ہو تم لوگ بچے۔۔۔ لڑتے رہو بس بچوں کی طرح" وہ ناک چڑھا کر بولا پھر اپنی جیب سے موبائل نکالا تھا۔

"یہ اس لئے چُپ ہے کیونکہ ڈان کو پکڑنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے" اعتشام نے کہا تھا۔

"نہیں یار۔۔۔ یہ اس لئے چُپ ہے کیونکہ ماس بھی کبھی بہو تھی" نمیرہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"اوہ ہونہیں بھئی۔۔۔ یہ اسلئے چُپ ہے کیونکہ دو گولی ڈسپرین پانی میں حل ہو جاتی ہے" وہ سب ایک کے بعد ایک جملہ کس رہے

تھے۔ اب سب کی توجہ براق سے ہٹ کر التمش کی جانب مبذول ہو گئی تھی جبکہ اس نے موبائل ہاتھ میں لے کر زمین کو واٹس ایپ کیا۔

"کل کس خوشی میں نہیں آرہیں تم۔۔۔؟" واٹس ایپ کرنے کے بعد اس نے اسکی جانب دیکھا بھی نہیں تھا بلکہ چپ چاپ اپنا

چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ زمین کے سیل کی نئی سی سیپ بھی تھی۔ اس نے بیگ سے موبائل نکالا تھا۔

"یہ اس لئے چُپ ہے کیونکہ۔۔۔ دل دے دیا ہے۔۔۔ جاں تمہیں دیں گے۔۔۔ دغا نہیں کریں گے صنم۔۔۔" نمیرہ پھر بولی تھی۔ وہ

سب ہنس بھی رہے تھے اور ایک کے بعد ایک جملہ بھی جوڑتے جا رہے تھے۔

"کل لندن سے میری خالہ کا دیور آرہا ہے۔۔۔ وہ سرجن ہے۔۔۔ ان میر ڈ ہے، بینڈسم ہے۔ اپنے اماں ابا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ مئی

بہت ویلو کرتی ہیں خالہ کے ایسے ان لازکو۔۔۔ پاپا بھی اسلام آباد گئے ہیں تو میں زرا گھر پر ڈک کرمی کے ساتھ سرجن صاحب کو کچنی دوں گی" اس

نے جواب میں ایک لمبا سا جواب لکھا تھا۔

"یہ اسلئے چُپ ہے کیونکہ جینا صرف میرے لئے۔۔۔ جینا صرف میرے لئے" اعتشام نے کہا تھا۔

"جینا خواہ مخواہ صرف تیرے لئے۔۔۔ ہم مر گئے ہیں کیا جو جینا کو تو لے جائیگا۔۔۔ جینا ہو یا۔۔۔ رو جینا۔۔۔ یا مر جینا۔۔۔ پہلا حق صرف

بور یوالد والوں کا ہے" براق نے کہا تھا۔ التمش نے زمین کا بھیجا ہوا میسج بنظر غایت دیکھا تھا لیکن اس سرسری سی نظر نے بھی اس کی پیشانی

پر تیوریاں نمایاں کر دی تھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اتنی دور پرے کے رشتہ دار کو کچنی وہ پنی دینے کی۔۔۔ یونیورسٹی آؤ گی تم کل" اس نے میسج کے ساتھ ایک

خوفناک ایمو جی بھی بھیجا تھا۔

"ارے کیوں ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میری خالہ کا دیور ہے۔۔۔ اتنا قریبی رشتہ ہے۔۔۔" اس نے جواب دیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے کرو چھٹی۔۔۔ دو خالہ کے دیور کو کچنی، فیکٹری، کارخانے۔۔۔ دو کائیں۔۔۔" یہ دھمکی بھرا میسج دیکھ کر زمین کے

چہرے پر مسکراہٹ لکھ گئی تھی جبکہ ان کے باقی سب دوست آپس کی بحث میں مگن تھے۔

”او کے ڈن۔۔۔“ اس نے بس اتنا ہی جواب لکھا تھا۔ اتمش نے فون کی اسکرین کی جانب دیکھا۔ اسے یہ میسج بالکل بھی پسند نہ آیا۔ اس نے فون سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔ زمین منتظر ہی رہی کہ وہ مزید کوئی میسج بھیجے گا لیکن اس نے فون جیب کی جیب میں رکھ دیا تھا۔

”تم کیوں غصے میں آگئے ہو؟“ احتشام نے یکدم ہی اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

”اس لئے کہ غصہ بہتا ہے مجھ پر۔۔۔ اٹھو سب اب۔۔۔ ساڑھے تین ہو رہے ہیں۔۔۔ اور تم نمیرہ اور زمین۔۔۔ جاؤ اب۔۔۔ شام ہونے کو آئی مگر تم لوگوں کو احساس نہیں کہ گھر بھی جانا ہوتا ہے۔۔۔ تم لوگوں کا سسرال نہیں ہے یونیورسٹی ہے“ وہ چڑ کر بولا تھا۔ زمین نے اسکا چہرہ بغور دیکھا۔ اس کو دل ہی دل میں گدگد ہی ہوتی تھی۔ وہ اس کے یونیورسٹی سے چھٹی کرنے کی وجہ سے ناراض تھا۔ اسے یہ بات بھی پسند نہیں آرہی تھی کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کی وجہ سے چھٹی کر رہی تھی۔ اسے اتمش کا تپا ہوا چہرہ دیکھ کر بڑا مزا آرہا تھا۔ ابتداء محبت میں استحقاق اسی طرح مسرور کر دیا کرتا ہے۔۔۔ وہ بھی مسروری ہو گئی تھی۔

”اور سنو سب۔۔۔ کوئی چھٹی نہیں کرے گا کل۔۔۔ اور اگر کرے گا تو نتائج کا ذمہ دار بھی خود ہوگا“ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور حکم دینے والے انداز میں کہتا ہوا ڈیپارٹمنٹ کی جانب چل دیا تھا۔ زمین مسکراتے ہوئے اس کے عقب میں چل پڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

”کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔۔۔ مہناز بیگم نے ماسٹر جی کو الماری میں سردے ادھر ادھر ہاتھ مارتے دیکھ کر پوچھا تھا۔ وہ بڑے منظم انسان تھے۔ اپنی چیزیں ایسے سنہال کر تمیز طریقے سے رکھتے تھے کہ دوبارہ لینی ہوتیں تو ایسے تلاش نہیں کرنی پڑتی تھیں۔

”یہ مہناز ہی تھیں جو ذرا لاپرواہ ہو جاتی تھیں۔ کام کی مصروفیت میں کبھی ادھر کی چیز ادھر کر دیتی تھیں تب ہی ماسٹر جی کو ایسے کچھ تلاش کرتا دیکھ کر انہیں حیرت ہوتی۔

”ارے بی بی۔۔۔ یہاں میں نے ایک بیگ رکھا تھا۔۔۔ دس ایک دن پہلے۔۔۔ سیاہ رنگ کا۔۔۔“ وہ انکی جانب مڑ کر دیکھے بنا بولے تھے۔

”اچھا۔۔۔؟“ مہناز نے کہا پھر ذرا الماری کے قریب ہوئیں۔

”مجھے دیکھنے دیں۔۔۔ شاید میں نے کہیں آگے پیچھے کر دیا ہو“ ان کے وجود پر ابھی بھی بیزاری طاری تھی لیکن چونکہ ماسٹر جی کے سامنے بیٹے کے شکوے کر کے دل ہلکا کر چکی تھیں تو اب کچھ سنہل ہی گئی تھیں۔

”ارے آپ کو کہاں ملیں گا۔۔۔ آپ بس وہ فرسٹ ایڈ باکس لے آئیں۔۔۔ مجھے ضرورت ہے۔۔۔“ وہ سابقہ انداز میں انکی جانب پشت کر کے بولے تھے۔ مہناز نے سر جھٹکا۔ ان کا فرسٹ بکس کیا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتی تھیں وہ۔

”آپ نہیں تو صحیح۔۔۔ میں دیکھتی ہوں نا۔۔۔“ وہ اصرار کر کے بولی تھیں۔

”یہ مل گیا۔۔۔ ذرا نیچے کی جانب ہو گیا تھا تو نظر نہیں آ رہا تھا۔۔۔ التمش کے لئے لایا تھا یہ۔۔۔ لیکن ذرا مرمت کی ضرورت ہے۔۔۔ میں نے سوچا کر ڈالوں“ وہ شاید ہاتھ میں لئے بستر پر آ بیٹھے تھے۔

”چھوڑیں ماسٹر جی کتنی مرمتیں کریں گے۔۔۔ زندگی گزر گئی۔۔۔ یہی کرتے۔۔۔ کیا ہاتھ آیا۔۔۔ اب چھوڑ دیں یہ سب۔۔۔ اب مرمت کی نہیں نصیحت کی ضرورت ہے۔۔۔ سمجھائیں اپنے پیٹے کو۔۔۔ غلطی کر رہا ہے۔۔۔ پچھتائے گا ایک دن۔۔۔ لوگ پاؤں پر کلبھاڑی مارتے ہیں۔۔۔ آپ کے پیٹے نے تو کلبھاڑی پر پاؤں مارنے کا تہیہ کر لیا ہے۔۔۔ ارے اتنی اچھی چیز ایسے ہی جانے دیتا ہے کوئی ہاتھ سے۔۔۔ اتنا حقم آپکا بیٹائی ہو سکتا تھا۔۔۔“ وہ بہت جھنجھلا کر بول رہی تھیں۔ ان کو واقعی بے حد قلق تھا اس بات کا کہ ان کے پیٹے نے انکی منشاء کا علم ہوتے ہوئے بھی اپنے لئے لڑکی پسند کر لی تھی۔ ماسٹر جی نے ایک نظر ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔ ان کو لوگوں کو مطمئن کرنے کا ہنر آتا تھا لیکن جو سامنے بیٹھی تھیں وہ ”لوگوں“ نہیں انکی شریک حیات تھیں۔۔۔ انکی زوجہ۔۔۔ اور ازواج نے تو نیویں کو بھی دختہ ڈالے رکھا تھا۔۔۔ وہ تو پھر عام انسان تھے۔ وہ بلاوجہ مسکرائے تھے۔

”اب آپکو کیسے سمجھاؤں بی بی۔۔۔ سب بڑھالکھا ایک آپکے سامنے بیکار ہو جاتا ہے۔۔۔“

”آپکو لگتا ہے میں کچھ غلط کہہ رہی ہوں۔۔۔ آپ خود بتائیں ماسٹر جی۔۔۔ ایسی پیاری بچی ہے کوئی اور پورے خاندان میں۔۔۔ اتنی سمجھدار، احساس کرنے والی۔۔۔ میں آپکو ایک واقعی سناتی ہوں۔۔۔ آپ خود اندازہ لگالیں کہ میں غلط کہہ رہی ہوں یا صحیح۔۔۔ ابھی جب گزشتہ بار میں ساہیوال گئی تو عطیہ کے گھر ایک ضرورت مند خاتون آئی بیٹھی تھیں۔۔۔ سو نیو نے اسے پانچ ہزار دے کہ کچھ آسرا ہو جائیگا۔۔۔ وہ میرے وہاں قیام کے دوران ہی پھر آگئی تو ایک بار پھر پانچ ہزار دے دئے۔۔۔ عطیہ خوب ناراض ہوئی کہ وہ بہانے بہانے سے روپے لے جاتی ہے تو جانتے ہیں اس بچی نے کیا جواب دیا۔۔۔ کہتی ہے کہ امی اللہ گھر بیٹھے ثواب کمانے کا موقع دیتا ہے تو کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو ایسے مواقع ضائع کرے گا۔۔۔ ہم نہیں جانتے وہ خاتون بہانے بناتی ہے یا واقعی ضرورت مند ہے۔۔۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اللہ ہم پر مہربان ہے۔۔۔ گھر بیٹھے ہمیں اپنے نامہ اعمال میں انویسٹ کرنے کا موقع دے رہا ہے۔۔۔ وہ بھی ڈبل پرافٹ کے ساتھ۔۔۔ دس دیں گے تو بیس ملے گا۔۔۔ تو کیوں نا کریں ہم۔۔۔ اب آپ خود بتائیں کہ ایسی بچی کو کون ہونا بنانا چاہے گا۔۔۔ احمق ہے آپکا اور میرا بیٹا۔۔۔ یقین کریں میرا ماسٹر جی۔۔۔ اللہ مہربان ہے تو وہ آپکی بھانجی ہے۔۔۔ ہمیں زیادہ مشقت نہیں کرنی پڑے گی۔۔۔ ورنہ ایرافل پیکیج تو جوتیاں گھسا گھسا کر بھی نہیں ملتا آجکل“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی تھیں۔

”دیکھیں بی بی۔۔۔ تحمل سے سُنئے گا اب مجھے۔۔۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہماری بچی اچھی نہیں ہے۔۔۔ لیکن پچھلی تو سب ہی اچھی ہوتی ہیں۔۔۔ آپ نے کیسے یہ سمجھ لیا کہ وہ بچی جو آپ کے پیٹے نے اپنے لئے منتخب کی ہے وہ اچھی نہیں ہے۔۔۔ آپ مل کر تو دیکھیں ایک بار۔۔۔ بناء

ملے کسی بہن بیٹی کے بارے میں رائے قائم کرنا اچھا نہیں ہے" انہوں نے بہت محبت سے اہلیہ کو سمجھانا چاہا تھا۔ مہناز بیگم نے سر ہلایا جیسے انہیں یہ بات اچھی نالگی ہو۔

"آپ اپنے بیٹے کی زبان ہی بولیں گے ماسٹر جی۔۔۔ آپ میری بات کیوں سنیں گے۔۔۔ آپ کیوں سمجھیں گے میرا موقف۔۔۔" ماسٹر جی نے انکی بات کاٹی۔

"یہ شکایت آپ مجھ سے کریں گی اب۔۔۔ اس بڑھاپے میں کیسے یقین دلائے گا یہ غریب ماسٹر آپکو اپنی محبت کا۔۔۔ لیکن یہ سچ ہے کہ میں نے ہمیشہ آپ ہی کی سنی ہے۔۔۔ اماں جی مرحومہ تک یہی شکایت کرتی دنیا سے چلی گئیں کہ میرا یہ بیٹا تو بیوی کی مرضی کے بناء سر بھی نہیں اٹھاتا۔۔۔ اس سے بڑی گواہی تو نہیں لاسکتا میں اب" وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ اہلیہ کا مزاج نارمل کر سکیں۔

"ادھو۔۔۔ میں یہ تو نہیں کہہ رہی۔۔۔ میں تو بس۔۔۔" مہناز بیگم انکی بات سن کر مسکرا دی تھیں حالانکہ انہوں نے مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی لیکن ان سے ہونے لگا تھا۔ ماسٹر جی نے طمانیت بھری گہری سانس سینے سے آزاد کی۔

"آف۔۔۔ کیسا سکون ملا ہے۔۔۔ آپکو اندازہ بھی ہے کہ آپکی اس مسکراہٹ کی خاطر کب سے غور ہو رہا تھا یہ ماسٹر۔۔۔" وہ شرارتی سے انداز میں بولے تھے۔

"چھوڑیں بھی ماسٹر جی۔۔۔ آپکے اپنے ہی جو نچلے شروع ہو جاتے ہیں۔۔۔ آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں بہت پریشان ہوں۔۔۔ عطیہ بیچاری کی کبھی سمجھی سی آواز ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے کہ الٹمش کو کوئی اور پسند ہے کیا۔۔۔" وہ پھر پہلے کی طرح جھنجھلا کر بولی تھیں۔ ماسٹر جی نے ایک گہری سانس بھری۔

"دیکھیں بی بی۔۔۔ آپ سمجھ ہی نہیں رہیں کہ بات آپ کے اختیار سے نکل چکی ہے۔۔۔ میں بچوں کی شادیاں انکی مرضی کے خلاف کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔۔۔ اس سے نقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔۔۔ زندگی انہوں نے گزارنی تو فیصلہ بھی انہیں کرنے کا حق ہونا چاہیے۔۔۔ آپ تو شکر ادا کیجئے کہ وہ آپکو اپنی پسند سے ملوانے کی بات کر رہا ہے۔۔۔ کسی بچی سے وعدے وعید کر کے منکر گیا ہوتا تو اللہ کو کیا منہ دکھاتے ہم۔۔۔ اس پہلو پر بھی تو سوچئے بی بی۔۔۔ مت کیجئے وہ غلطی جو آپ کرنے کا ارادہ کئے بیٹھی ہیں۔"

"ماسٹر جی۔۔۔ آپ نے الٹمش کے مقابلے میں کبھی میرا ساتھ دیا ہی نہیں۔۔۔ تب ہی اتنا سر چڑھ گیا ہے وہ۔۔۔ ہر بات میں دانت نکال کر کہہ دیتا ہے کہ۔۔۔ الٹمش ہوں میں۔۔۔ سب سجتا ہے مجھ پر۔۔۔ بتاؤ ایسی اولاد جس کا غرور اور خمرہ آسمان پر رہتا ہو۔۔۔ اس کے لئے کوئی ایسی لڑکی ہی مناسب رہے گی جو حمل والی ہو۔۔۔ نباہ کرنا جانتی ہو۔۔۔ حراب سے بڑھ کر ایسا کون ہو سکتا ہے۔۔۔" وہ زچ ہو گئی تھیں اس بحث سے۔ ماسٹر جی نے سر ہلایا مگر اپنے ماقوفت سے ہٹے نہیں تھے۔

"وہ بچی جسے آپکا بیٹا پسند کرتا ہے وہ بھی تو ان خوبیوں سے مالا مال ہو سکتی ہے نا۔۔۔ حمل والی۔۔۔ گھر بنانے والی۔۔۔ آپ ملے بنا

کوئی بھی منفی رائے کیوں قائم کر رہی ہیں۔۔۔ مہناز نے انہیں گھور کر دیکھا۔

”بس رہنے دیں آپ۔۔۔ ساتھ پڑھتی ہے اس کے۔۔۔ اتنی ہی تہذیب طور طریقے والی ہوتی تو یونیورسٹی کو درس گاہ ہی سمجھتی۔۔۔ بن قاسم پارک نہیں جہاں ہر بیچ پر لڑکا لڑکی بیٹھے مستقبل کی اندھی پلاننگ کر رہے ہوتے ہیں“ وہ ناک چڑھا کر بولی تھیں۔ ماسٹر جی کو انکا انداز بڑا لگا۔

”یہ بات آپ نے اپنے بیٹے کو نہیں سمجھائی۔۔۔ وہ بھی تو برابر کا شریک ہے یونیورسٹی کو بن قاسم پارک بنانے میں۔۔۔“ اسکا تو آپ پوچھیں مت۔۔۔ دل چاہتا ہے دو تھپڑ مار کر گھر ہی بٹھالوں۔۔۔ نام ڈبو دیا ماں باپ کا۔۔۔ الو کا بچھا۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولیں۔ ماسٹر جی بلبللا اٹھے لیکن مزید بحث کا ارادہ ترک کر دیا کہ جانتے تھے اگلے مرحلے پر اہلیہ کا بلڈ پریشر ہائی ہونے کا سخت امکان ہے۔

”اچھا بتائیں آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔۔۔ اب میں جوان اولاد پر زبردستی تو نہیں کر سکتا۔۔۔“

”اوہو۔۔۔ میں کب کہہ رہی ہوں کہ زبردستی کریں۔۔۔ میں تو کہہ رہی ہوں کہ کچھ ایسا ماحول بنائیں کہ اتمش عراب سے شادی کر لے“ وہ بچوں کی طرح خدی سے انداز میں بولیں۔

”اسے ہی سلیس اردو میں زبردستی کہتے ہیں بی بی۔۔۔“ ماسٹر جی نے کہتے ہوئے ساتھ ہی شاہد کھول لیا تھا۔

”مجھے نہیں پتا ماسٹر جی۔۔۔ میں کسی کو برا نہیں کہتی۔۔۔ آپ ٹھیک کہتے ہو گئے۔۔۔ سب ہی بچیاں اچھی ہوتی ہوگی لیکن مجھے عراب ہی کو بہو بنانا ہے بس۔۔۔ آپ اپنی پڑھی لکھی تکیئیں لڑائیں اور اس مسئلے کو حل کریں“ انہوں نے جیسے حکم دیا تھا۔ ماسٹر جی کو انکی بات ذرا نا اچھی لگی تھی مگر بیوی سے بلاوجہ کی تکرار انکی عادت نا تھی۔ وہ سوچنے لگے تھے کہ انکو تکیئیں بیوی پر آزمانی چاہئیں یا بیٹے پر۔۔۔ وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

”تمہاری خاطر ماما کو ناراض کیا ہے میں نے۔۔۔ تمہاری وجہ سے آئی ہوں میں آج۔۔۔“ وہ لیچر ہال میں بیٹھے پیپر پر لکھ لکھ کر چیٹ کر رہے تھے۔ ساری کلاس اکاؤنٹس کا ٹیسٹ کر رہی تھی اور یہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مگن تھے۔

”کیوں۔۔۔ تم کو ماسٹرز کی ڈگری میں نے دینی ہے کیا۔۔۔ فیس مجھے دیتی ہو تم یونیورسٹی کی۔“ اتمش نے جواب لکھا تھا اور ساتھ ہی ناک چڑھاتی ہوئی تصویر بنائی تھی۔

”نہیں۔۔۔ لیکن محبت کرتی ہوں تم سے۔۔۔ کیا یہ کافی نہیں“ زرین نے جواب لکھا تھا۔ اتمش کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی۔ اسے ڈرتھا کہ پروفیسر صاحب انکی جانب نا دیکھتے ہوں اس لئے اس نے مسکراہٹ کو ہونٹوں کے کنارے تک محدود کر لایا۔ چند لمحے وہ کچھ لکھ ناسکا تھا۔ زرین اپنی قیمتی محبت کا اعتراف کر کے اسکو کتنا معتبر کر دیتی تھی۔

"مر جائیے۔۔۔ لیچر کے دوران ایسی باتیں صحت کے لئے کس قدر نقصان دہ ہو سکتی ہیں۔۔۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کیا۔" اس نے کاغذ پر لکھا اور اب کی بار دیکھیں یہی کھینچ کر گڑیا بنادی جو مسکرا رہی تھی۔ اسکی ڈرائیونگ بہت اچھی تھی۔ زمین مسکرائی۔

"محبت نقصان دہ کبھی نہیں ہوتی مسٹر اتمش۔۔۔" اس نے لکھا اور ساتھ ہی اسی پیپر پر اسکی بنائی ہوئی گڑیا کے ساتھ ایک اور تصویر بنانے کی کوشش کی جو کہ ناکام ثابت ہوئی۔ وہ ایک بھدا سا لکھنا بنا پائی تھی۔

"آریو شتور۔۔۔؟" اتمش نے لکھا تھا۔ وہ اسے اسی طرح چڑا تا رہتا تھا۔ زمین نے کن آنکھوں سے اسے دیکھا اور پھر اس گڈے اور گڑیا کی تصویر کے نیچے اتمش اور زمین لکھنے کے بعد مزید لکھا تھا۔

"ہنڈرڈ پریسینٹ شتور۔۔۔ ماما کو بتا دیا ہے میں نے آج کہ بلا وجہ لندن پلٹ رشتے داروں پر محنت ناکریں۔۔۔ کچھ ہاتھ نہیں آئیے۔۔۔ کیونکہ میں نے جہاں محنت کرنی تھی میں کر چکی ہوں" وہ آج کچھ زیادہ ہی اچھے موڈ میں تھی جو اعتراف پر اعتراف کرتی چلی جا رہی تھی۔ اتمش اب کی بار مسکرایا نہیں تھا۔

"اچھا واقعی۔۔۔ تو کہاں کی ہے محنت۔۔۔ ہمیں تو بتا دو۔۔۔ دوست بھی کہتی ہو اور بھروسہ بھی نہیں کرتی۔" اتمش نے لکھا۔

"بکومت۔۔۔ اور اب ذرا سنجیدہ ہو جاؤ۔۔۔ ماما کو خالہ کا دیو رانا پسند آیا ہے کہ وہ اصرار کرتی چلی جا رہی ہیں۔" اس نے لکھا تھا

"کیوں بھی وہ اتنا اصرار کیوں کر رہی ہیں اور ایک بار انہیں مجھ سے بھی تو ملو آؤ۔۔۔ بات اصرار سے اصرار ایٹ پر نا چلی گئی تو پھر کہنا" اتمش نے ناک چڑھاتی تصویر بناتے ہوئے لکھا تھا۔

"میں نے تو کبھی بار کہا ہے۔۔۔ تم آؤ نا ہمارے گھر اپنے پیرنس کے ساتھ۔۔۔ اس سے پہلے کہ خالہ کا دیو رانا اوٹ بینک بڑھالے۔۔۔ تم کوئی پریکٹیکل ایفرٹ کرو نا اچھا ہے۔" زمین نے لکھا تھا۔

اور اسی دوران پروفیسر صاحب نے ٹیٹ ختم کرنے کا اشارہ کر کے پیپر جمع کرنے شروع کر دئے تھے۔ ان دونوں نے اپنے ٹیٹ پیپر پر نام کے سوا کچھ نا لکھا تھا۔ ان کے دوست ٹیٹ کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے تھے جبکہ وہ لیچر ہال سے باہر نکل آئے۔

"یہ پریکٹیکل ایفرٹ سے کیا مراد ہے آپکی خاتون۔۔۔" اس نے بیک کندھوں پر پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر گلاسز لگائے ہلکی سی سرمئی رنگ کی شرٹ پہنے وہ کتنا وجہ لگتا تھا۔

"میرے پیرنس سے ملو۔ انکا دل جیتنے کی کوشش کرو۔ ان پر ثابت کرو کہ انکی بیٹی کی چوس ایک دم پرفیکٹ ہے" زمین سمجھا رہی تھی۔

"پہلے اپنے پیرنس کا دل تو جیتنے دو بی بی۔ ابھی تو یہ مرحلہ ہی سر نہیں ہوا۔۔۔ اگلی اسٹیج پر پہنچنے تو دو تب ہی مزید کچھ سوچیں گے" وہ

پریشانی کے عالم میں بولا تھا۔

”تمہارے پرنس پسند نہیں کرتے مجھے۔۔۔ انہیں میں اچھی نہیں لگی۔۔۔؟“ زرین نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کے چہرے پر کیسی پریشانی چمکنے لگی تھی۔ التمش نے لمحہ بھر رک کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ دل تو چاہا کہ عادت کے مطابق کوئی جملہ کس دے لیکن پھر اسکے چہرے پر پھیلے خدشات دیکھ کر اسکی ہمت نا ہوئی کہ اسکا دل توڑتا۔ بعض اوقات انرجی ٹپ کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ التمش نے ملاحت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

”یہ بات نہیں ہے زرین۔۔۔ تمہیں کون نا پسند کر سکتا ہے۔۔۔ ہر فیکٹ بہو میٹیریل ہو تم تو۔۔۔“ زرین نے اسکی بات کاٹی۔

”تم مجھے ان سے ملواتے کیوں نہیں ہو۔۔۔ ماسٹر جی سے ملو او تو سہی۔۔۔ اتنی ٹکی نہیں ہوں میں کہ ان کو متاثر نا کر سکوں۔“

”ارے یا ماسٹر جی کو منانا مشکل نہیں ہے۔۔۔ لیکن وہ جو ہیں نا۔۔۔ میری امی۔۔۔ مہارانی جو دھابائی۔۔۔ انکو منانا فی الوقت مسئلہ بنا

ہوا ہے۔۔۔ ذکر کیا ہے میں نے۔۔۔ مگر تھوڑا وقت دو۔۔۔ امیاں ایسے معاملات میں ذرا جذباتی ہوتی ہیں“ وہ اسکا دل بھی نہیں چوڑنا چاہتا تھا لیکن اسے اندھیرے میں بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

”نہیں۔۔۔ میرا معاملہ تم سے مختلف ہے۔۔۔ میں نے ماما کو منا لیا ہے۔۔۔ اب ماما جانیں اور ان کے کام۔۔۔ پاپا کو منانا انکی ذمہ

داری ہے۔۔۔ اور میری ماما کو یہ گر آتا ہے۔۔۔ پاپا کو اچھا قابو کر کے رکھا ہے انہوں نے۔۔۔ ماما کی بات سے انکار نہیں کرتے وہ۔۔۔ اتنی ہمت نہیں ہے ان میں“ وہ مسکرائی تھی۔

”ارے یہاں بھی یہی صورتحال ہے بھئی۔۔۔ وین لیگ بی پاوورفل لیگ ہے۔۔۔ ہمارے گھر میں بھی امی کی ہی چلتی ہے۔۔۔ اور

تمہاری شیرنی جیسی فطرت دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ یہ خاندانی روایت قائم و دائم رہے گی“ وہ ہنسا تھا۔ زرین کو مستقبل کی منصوبہ بندی ان کرمز تو بڑا آیا لیکن اس نے التمش کے کندھے پر ایک ہاتھ جڑا تھا۔

”اوہ۔۔۔ اس نے مصنوعی تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے بازو سہلایا پھر مزید بولا۔

”دیکھا۔۔۔ یہی تو کہہ رہا ہوں میں ظالم لڑکی۔۔۔ ثابت کر دیا نا تم نے۔۔۔ وین لیگ زندہ باد۔۔۔ ظالم لیگ زندہ باد“

”تم اپنی امی سے ملو او تو سہی مجھے ایک بار۔۔۔ میں بالکل اسٹار پلس والی سنسکاری بہو بن کر ملوں گی ان سے۔۔۔ انکو شکایت نہیں

ہوگی کوئی۔۔۔ میں پسند آؤں گی انکو التمش“ وہ اصرار کر رہی تھی۔ التمش نے گہری سانس بھری اور گلاسز کے عقب سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔ وہ کتنی محبت کرتی تھی اس سے۔۔۔ یہ اسکے چہرے پر لکھا تھا۔۔۔ ایسے اصرار کرنے میں اسے اپنے مقام سے کتنا نیچے آنا پڑ رہا تھا اس بات کا التمش کو سنبھلنا احساس تھا مگر وہ ابھی حالات کو اپنے موافق کر نہیں پایا تھا۔

وہ مغرور تھا، خود پسند تھا، غرور اور غصہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا لیکن خواتین کی عزت کرنا اسکی تربیت میں شامل تھا۔ یہ چیز اس

نے ماسٹر جی سے سیکھی تھی۔ اسی لئے اسے اچھا نالاکہ کہ زمین کیسے منت پر اتر آئی تھی۔

”تم کو کون ناپسند کر سکتا ہے زندگی۔ تم تو تنہی ہو خوشبو ہو، ہوا ہو روشنی ہو۔۔۔ زندگی ہو۔۔۔ تم کو ناپسند نہیں کریں گی وہ۔۔۔ بات یہ نہیں ہے۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ۔۔۔“ وہ کچھ کہتا کہتا رک گیا تھا پھر اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر بولا۔

”بس مزید کچھ دن ٹھہر جاؤ۔۔۔ مجھے ذرا وہ مسئلہ چارٹ دس انچ سلجھا لینے دو۔۔۔ پھر سب ٹھیک ہو جائیگا“ وہ تسلی دے رہا تھا۔
 ”وہ مسئلہ ابھی تک نہیں سلجھا۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم اپنی کزن کو پسند نہیں کرتے۔۔۔ اور یہ بات تم اپنے پیرنٹس کو بتا چکے ہو۔۔۔“ زمین پریشان سی ہوئی تھی۔

”بتا چکا ہوں۔ لیکن امی کو منانے میں چند دن تو لگیں گے نا۔۔۔ اور پھر ذرا یونیورسٹی ختم ہو جائے۔۔۔ مجھے کوئی جاب تو کر لینے دو۔۔۔ اب تمہارے اماں بادا کے سامنے ایسا نکما۔۔۔ بناء کسی جاب کے جا کر تو نہیں کھڑا ہو سکتا۔۔۔ وہ تو مجھے ایک منٹ میں ہی انکار کر دیں گے۔۔۔ پھر تم بیٹھ کر اپنی خالہ کے لندن پلٹ دیو کہ ساتھ دیکھی غریبیں سنا کر نا“ وہ اسکا مزاج بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
 ”جاب کی خیر ہے التمش۔۔۔ ہم دونوں ہی اکلوتے ہیں۔۔۔ ہمارے ماں باپ کے پاس جو بھی ہے وہ ہمارا ہی ہے۔۔۔“ زمین کچھ کہہ رہی تھی لیکن التمش نے اسکی بات کاٹی۔

”واہ۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ تالیاں آپکی اس سوچ کے لئے۔۔۔ یعنی تم نے پوری پلاننگ کی ہوئی ہے اپنے ماں باپ کے سامنے مجھے شرمندہ کروانے کی۔۔۔ ایسے تو ضرور ہی خالہ کے دیو کا مقابلہ کر سکے گا التمش۔۔۔“ اس نے ناک چڑھائی تھی۔
 ”مل جائیگی جاب۔۔۔ اب تم یہ نیا لٹیجی کیس نا کھولو۔۔۔ میں نے ماما کے سامنے اتنی تعریفیں کی ہیں تمہاری اور تمہاری فیملی کی۔۔۔ تم لوگوں کے خاندان کی۔۔۔ پنجاب میں تمہارے وسیع عریض زرعی زمینوں کی۔۔۔ بالخصوص ماسٹر جی کی۔۔۔ انکی قابلیت کی۔۔۔ وہ کبھی انکار نہیں کریں گی۔ یاد رکھنا یہ بات“ اس نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔ التمش نے اسکی بات کو بغور سنا۔ کچھ کہنا چاہا پھر چپ سا رہ گیا۔

”جی اچھا۔ مہربانی صبح صبح اتنا محیاں بخشنے کے لئے۔۔۔ یاد رکھوں گایہ بات۔۔۔ آؤ اب کینیڈین چلیں ذرا۔۔۔ ذرا کچھ کھا باڈا کر لیں“ التمش نے کہا تھا۔ زمین مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر آگے چل دی تھی۔

☆.....☆.....☆

”سونیا بابی! امی کہہ رہی ہیں آپ اگر فارغ ہیں تو دس منٹ کے لئے آجائیں۔ ہمارے گھر شام کو مہمان آرہے ہیں۔۔۔ امی نے کچھ پوچھنا ہے آپ سے۔۔۔“ دو گھر چھوڑ کر آنتی طیبہ کا گھر تھا۔ بہت اچھے اخلاق والی خاتون تھیں۔ عطیہ بیگم کی منہ بولی بہن بنی ہوئی تھیں۔ ہر مشکل میں سارے محلے کی مدد کر دیا کرتی تھیں لیکن کھانے پکانے سے انکی بڑی جان جاتی تھی۔ اکثر دعوتوں وغیرہ کے سلسلے میں سونہیا کو

بلوایا کرتی تھیں۔ ابھی بھی انکا بیٹا پیغام لے کر آیا تھا۔ وہ مختلف اقسام کے رنگ اور مک لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک پارٹی کے لئے کسٹمائزڈ کپس بنانے کا نیا آرڈر ملا ہوا تھا۔ تین دن بعد اس نے ڈیلیوری دینی تھی اس لئے اسکی ساری توجہ انہی کی جانب تھی۔ اسی لئے اس نے بیگز والا آرڈر پہلے مکمل کر لیا تھا اور کب سے یہ سب لے کر بیٹھی تھی۔

”امی کو بولو۔۔۔ میں دس منٹ میں آتی ہوں۔“ اس نے ایک کپ پر بہت نفاست سے کچھ لکھتے ہوئے اسے جواب دیا۔ عطیہ بیگم نے گھور کر اسے دیکھا۔

”ارے۔۔۔ تو سونیا باجی کیا ملازمہ ہیں تمہاری امی کی۔۔۔ جب جی چاہا۔۔۔ بلوالیا۔۔۔ وہ کوئی فارغ تھوڑی ہے۔۔۔ صبح سے یہ سارا پھیلاوا پھیلا کر بیٹھی ہے۔ کمر دھری ہوگی ہے بیچاری کی۔۔۔ اب اگر تم لوگوں کی طرف چلی جائیگی تو یہ کام کیسے نبھائے گی۔۔۔ پہلے تم لوگوں کے یہاں سر کھپائی کر کے آئے گی پھر آدھی رات تک یہ برتن بھاٹلے لال کرتی رہے گی۔۔۔ انسان ہے مشین تو نہیں ہے میری بیٹی۔۔۔“ بعض اوقات عطیہ بیگم کو اسکی مفت کی سوشل سروسز ہر لگنے لگتی تھیں۔ کیا ضرورت تھی بھلا سارے محلے کی خدمتیں کرنے کی۔۔۔ ”اوہو۔۔۔ تم جاؤ تو شیق۔۔۔ میں آجاؤں گی دس منٹ میں۔۔۔“ اس نے بچے کو واپس بھجوا کر اپنی امی کی جانب دیکھا تھا۔

”آپ بھی کبھی مدد کرتی ہیں۔۔۔ اس کے سامنے ایسا کہنے کی یا ضرورت تھی۔۔۔“ وہ ناراض سی ہوئی تھی۔

”کیوں ضرورت نہیں تھی۔۔۔ اسکی ماں نے تو ملازمہ ہی سمجھ لیا ہے تمہیں۔۔۔ ہر دو دن بعد بلوا بھیجتی ہے۔۔۔ بتاؤ جب پکانا نہیں آتا تو ہر دوسرے روز دعوت بیوں رکھتی ہو بھی۔۔۔ اور فرض کرو دعوت رکھنی ہی ہے تو کھانا آرڈر کر دیا کرو۔۔۔ اب تو ہر دو گھر چھوڑ کر ہوٹل بن گئے ہوئے ہیں۔۔۔ ایک فون کرو تو ڈبلز پر کھیرے نماڑ تک کاٹ کر پکڑا جاتے ہیں۔۔۔ کھانا خانا مشکل ہے کیا۔۔۔ لیکن وہ ایسا کیوں کریں گی۔۔۔ مفت کی نوکرائی جو ملی ہوئی ہے انہیں“ وہ چڑ کر بولی تھیں۔

سوحنیا نے بغور انہیں دیکھا۔ وہ اتنی بد اخلاق نہیں تھیں لیکن ابھی جس طرح وہ ناراض ہو رہی تھیں تو اسکا مطلب تھا کہ انکا مزاج کسی اور وجہ سے خراب تھا لیکن وہ ظاہر کچھ اور کر رہی تھیں۔

”کیا بات ہے۔۔۔ اتنا کیوں ناراض ہو رہی ہیں۔۔۔ پہلے بھی تو بلواتی رہتی ہیں وہ۔۔۔ آج کوئی نئی بات ہوئی ہے کیا جو اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہیں آپ۔۔۔“ اس نے سامان سمیٹتے ہوئے ان سے پوچھا تھا۔

”اسی لئے تو ناراض ہو رہی ہوں کہ پہلے بھی بلواتی رہتی ہیں اور آج بھی بلوالیا۔۔۔ اپنی بیٹی کو تو اتنے کپڑے پہنا کر میک اپ کروا کر مہمانوں کے پاس بٹھادیں گی اور میری بیٹی کو سگھر، سلیقہ، شعار کہہ کہہ کر چو لہے کے سامنے کھڑا رکھیں گی۔۔۔ یہ تو کوئی بات نا ہوئی۔۔۔“ وہ مزید ناراضی لہجے میں سمو کر بولیں۔

”اچھا مجھے آپکی بات کا یقین نہیں آیا۔۔۔ جو بات ہے وہ سچ بتائیں۔۔۔ سچی سے بات ہوئی ہے یا ممانی سے۔۔۔ چھوٹی خالہ کا

فون آیا تھا کیا۔۔۔ کس کا رشتہ ہوا ہے اب خاندان میں جو آپ اس طرح سبچ پا ہوئی جا رہی ہیں اس نے ہنستے ہوئے انہیں چڑایا تھا۔ اسے پتا تھا جب بھی کسی کے بچے کی منگنی یا شادی کی خبر ملتی ہے، اسکی امی کا موڈ ایک دو دن تو خراب رہتا ہی ہے۔ خفا رہتا، چڑھتا، انداز میں بات کا جواب دینا یا پھر بلا وجہ بڑبڑاتے رہنا اسی عارضے کی علامات تھیں۔

”کسی سے بات نہیں ہوئی۔۔۔ جس نے بلوا بھیجا ہے نا، اسی کا بیٹی کا رشتہ طے ہو رہا ہے اپنی خالہ کے گھر۔۔۔ لڑکا ایم بی اے ہے۔۔۔ اچھی کمپنی میں ملازم ہے اور ایک بہن دو بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہے۔۔۔ دینی جانے کی کوششیں کر رہا ہے تو ماں نے سوچا رشتہ کر کے ہی بھیجوں تو اچھا ہے۔۔۔ بس بہن کے گھر دے رہی ہیں بیٹے کا رشتہ۔۔۔ بتاؤ اٹھارہ کی ہوئی ہے ابھی اور رشتہ بھی طے ہو گیا۔۔۔ آج وہی لوگ آرہے ہیں باقاعدہ رشتہ لے کر۔۔۔ جس کے لئے تمہیں بلوا کر دس کلوریاں دیم دلوائیں گی۔۔۔ اپنی بیٹی کو تو مہارانی بنا کر تخت پر بٹھائے رکھیں گی اور میری بیٹی سے قورمے کو فتنے کروائی رہیں گی“ عطیہ بیگم سخت کبیدہ خاطر تھیں۔ وہ حریص نہیں تھیں لیکن یہ بات بھی سچ تھی کہ کسی کی بیٹی کے رشتے کی خبر ان کے دل کو بلا دیتی تھی۔ ان کی بیٹی کے نصیب کھل ہی نہیں رہے تھے اور لوگوں کی بیٹیاں ایک کے بعد رخصت ہوتی چلی جا رہی تھیں۔

”یہ تو اچھی بات ہے امی۔۔۔ آپ کو خوش ہونا چاہیے نا۔۔۔“ اس نے اپنے کمرے کی جانب جاتے ہوئے سادہ سے لہجے میں کہا تھا۔ اسے تو بس اس بات کی فکر لگی تھی کہ وہ آرڈر جو اس نے تین دن بعد دن ڈیلیور کرنا تھا، وہ آج مکمل کرنا لازمی تھا۔ کل تو مک کی پیکنگ وغیرہ میں دن بکل جانا تھا۔ نازک سے مک تھے جس پر اس نے پیکنگ کر کے سجایا بنایا تھا، انکی پیکنگ بھی ایک بڑا مرحلہ تھی۔

”بہت خوش ہوئی میں دوسروں کی خوشیوں میں۔۔۔ اب دل چاہتا ہے اپنی کسی بات پر خوش ہونے کو۔۔۔ آٹھ سال ہوئے اس گھر میں تو ڈھولکی بجی نہیں ہے۔۔۔ ہم خوا خواہ دوسروں کے گھروں کے طبلے بجا بجا اپنی ہتھیلیاں سرخ کرتے جائیں“ انہوں نے گردن جھٹکی تھی اور ساتھ ہی جیسے دل کا سارا غبار نکال دیا تھا۔ سونیا پر مطلق اثرنا ہوا۔

وہ ڈوپٹہ گلے سے نکال کر واش بیسن پر ہاتھ منہ دھونے میں مگن ہو گئی تھی یعنی اسے محلے کی آٹنی کی مدد کو جانا ہی جانا تھا۔ عطیہ بیگم بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر مزید بڑبڑاتے ہوئے کچن کی جانب آگئیں۔ سونیا کو باہر کھڑے بھی انکی بڑبڑاٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔

”اچھا بتائیں کیا کروں۔۔۔ کیا نا جاؤں ان کے گھر۔۔۔ فون پر انکار کر دیتی ہوں انہیں۔۔۔ بتائیں کیا کروں ایسا کہ آپ خوش ہو جائیں“ وہ بیچارگی سے کہتی ہوئی کچن کے دروازے پر آکھڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا پھر احساس ہوا کہ اس کا بھی کیا قصور۔۔۔ انہوں نے بلا وجہ ایک بات کا بے تکلف بنالیا تھا۔ دل ہی دل میں انہیں شرمندگی ہوئی۔

”میں نے یہ کب کہا۔۔۔ میں تو بس۔۔۔“ وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں پھر انہیں الفاظ ہی نا ملے۔ اپنے رویے کا افسوس ہوا تھا۔

”اچھا جاؤ تم۔۔۔ شاید بلد پریش رہائی ہے میرا۔۔۔ اسی لئے بولتی چلی جا رہی ہوں“ وہ بھی اپنی جگہ لاچار تھیں۔ آٹھ سال پہلے منجھلی بیٹی بیاہ

کر گھر سے رخصت کی تو اگلے ہی دن سے تیسری والی کا جہیز جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ بازار آتے جاتے کچھ بھی برتن کپڑا یا زیور پسند آیا، لا کر اسی بڑی سی خاندانی الماری میں لا کر رکھ دیا جس میں باقی دونوں بیٹیوں کا جہیز رکھا کرتی تھیں کہ کل کو سونیا کے کام آئیگا۔ وہ الماری بھرتی جا رہی تھی بلکہ بھرتے بھرتے اب سامان باہر اُگلنے لگی تھی لیکن سونیا کے نصیب روشن نا ہو کر دے رہے تھے اور جن سے امید تھی۔ انہوں نے بھی اشاروں اشاروں میں جتا دیا تھا کہ ہم پر تکیہ نہ کرنا۔

وہ ماں تھیں، پریشان ہو جایا کرتی تھیں تو کچھ نا کچھ بول دیتی تھیں جس پر بعد میں پچھتاتی بھی تھیں کہ ایسی بھی کیا جہالت ہوئی کہ دوسروں کی بیٹیوں کے کھلتے نصیب کی خبریں سن کر یوں پریشان ہونا۔ لیکن چند دن سکون کے گزرتے تھے تو پھر کوئی اس پڑوس سے خبر آجاتی تھی اور انکا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا تھا۔

”اچھا چھوڑیں سب۔ بتائیں نا۔ ممانی کا فون آیا تھا کیا؟“ سونیا نے تولنے سے منہ پونچھتے ہوئے خود ہی پوچھ لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بیٹی کو بھاج سے چند دن پہلے ہو نیوالی لنگھو کی تفصیل بتائیں۔ کیا فائدہ تھا اسکو بتا کر۔ سو وہ ناک چدھا کر بولیں۔

”ارے ان کے پاس بھی ہمارے لئے کونسا کوئی اچھی خبر ہے۔۔۔ ہر دو روز بعد فون کرتی ہیں۔ گھنٹہ بھر بات کرتی ہیں۔ تمہارے بارے میں اتنی محبت سے بات کریں گی، حال چال پوچھیں گی۔ تمہاری تعریفیں کرتی رہیں گی۔ لیکن مجال ہے کبھی کہا ہو کہ عطیہ پریشان نا ہوا کرو۔ تمہاری بیٹی میری ہی بیٹی ہے۔۔۔ اور اُتمش تمہارا ہی بیٹا ہے۔۔۔ تم فکرمِت کیا کرو۔ لیکن ناجی۔۔۔ وہ تو بس اس ایک معاملے پر گونگے کا گڑکھا کر بیٹھی ہیں۔۔۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ میرے کان ترس گئے ہیں یہ ایک جملہ سننے کو۔۔۔ جانے کب نصیب کھلے گا میری اس بیٹی کا۔۔۔“ وہ سر جھٹک جھٹک کر بات کر رہی تھیں۔

سونیا چند لمحے انکا چہرہ دیکھتی رہی۔ اپنے چہرے کے تاثرات کو بمشکل قابو کیا تھا اس نے۔۔۔ اسے سمجھ میں نا آیا تھا کہ کیا جواب دے، انہیں کیسے سمجھائے کہ امی یہ بات مت کیا کریں، میں ہرٹ ہوتی ہوں، میرے دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔ میری عزت نفس بہت زور سے مجروح ہوتی ہے۔۔۔ انہیں کس طرح بتائے کہ اس ایک شخص کا نام بار بار اس کے نام کے ساتھ مت لیا کریں۔ اگر اسے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو وہ بھی اسکا نام تک سننے کی روادار نہیں ہے لیکن جانے کیوں لحاظ اور مروت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اس میں۔۔۔ اسے اپنے جذبات کا کھلم کھلا اظہار نہیں کرنا آتا تھا۔

”اچھا اب کیا میری جانب دیکھتی جا رہی ہو۔۔۔ میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہی۔ تمہیں بھی احساس نہیں ہے کہ ذرا اپنی جانب توجہ ہی دے لو۔۔۔ اپنی طرف دھیان ہی دے لو۔۔۔ کوئی سچ سنو رہی جایا کرو۔۔۔ آج کل کی لڑکیاں کیا کیا نہیں کرتیں خود کو نمایاں کرنے کے لئے۔۔۔ اور ایک تم ہو۔۔۔ انہوں نے جتا کر کہا پھر چند لمحے کے لئے چُپ ہوئیں اور ناک چدھا کر بولیں۔

”ایسے دھلے ہوئے منہ کے ساتھ تو ضرور ہی کھل جائیگا نصیب“ انہوں نے طعنہ دیا تھا۔ سونیا چُپ ہی رہ گئی۔ امی کو احساس تو تھا کہ وہ

کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہیں لیکن ان سے بھی کنٹرول نہیں ہو رہا تھا۔ جس دن سے بھادرج سے بات ہوئی تھی بس ایک ہی جملہ کانوں میں گونجتا رہتا تھا۔

”کھوٹا بھی کونسا ہماری مرضی کا جنہیں گے۔۔۔ اپنی منشاء مرضی سے منتخب کریں گے کھوٹا۔“

وہ چڑ کر بولتی جا رہی تھیں۔ سونیا اپنی آخری بات سن کر جیسے ساکت رہ گئی تھی۔ کتنی تکلیف دہ بات کہہ گئیں تھیں وہ۔ اسکی آنکھیں ڈبڈبانے لگی تھیں جنہیں اس نے فوراً سنبھالا تھا۔

”اللہ ہی آپ کے حال پر رحم کرے امی۔۔۔ چلتی ہوں میں۔۔۔ آدھ گھنٹے میں آجاؤں گی“ اس نے اب کی بار بناء اپنی جانب دیکھے ڈوپٹہ سر پر جماتے ہوئے کہا تھا۔ امی کو مزید غصہ آگیا تھا۔

”آدھ گھنٹے میں بریانی کی وہ دلیغ نہیں پکنے والی۔۔۔ جو تم پکانے جا رہی ہو۔۔۔ پتا ہے مجھے کب آؤ گی تم“ عطیہ بیگم ناراض ہو گئی تھیں۔ سونیا چپ چاپ باہر نکل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ کاؤچ پر بیٹھی تھی۔ سامنے میز پر پھر کپ، رنگ اور برش بکھرے تھے۔ سٹینسلز اور مارکرز بھی موجود تھے، فیتے اور مختلف لیس کے بنڈل بھی پڑے تھے۔ وہ اتنی مشاق اور ماہر تھی کہ ایسی چیزیں بکھری دیکھ کر ہی دماغ اور ہاتھ چلنے لگتے تھے لیکن اب جانے کیوں اسکا دماغ سن ہوا ہوا تھا۔ ذہن میں بس امی کے ایک ہی جملے کی تکرار چل رہی تھی۔

”جانے کب نصیب کھلے گا میری اس بیٹی کا۔۔۔ اب ایسے دھلے ہوئے منہ کے ساتھ تو ضرور ہی کھلے گا نصیب۔۔۔“ امی یہ بات آجکل بے حد کثرت سے کرنے لگی تھیں۔

وہ جانتی تھی کہ اسکی امی اس کے لئے پریشان ہیں۔ اس کے لئے فکرمند ہیں تب ہی بلا وجہ کچھ بھی بول دیتیں ہیں، انکا مقصد اسے ہرٹ کرنا نہیں ہوتا لیکن پھر بھی کچھ عرصہ سے وہ ناچاہتے ہوئے بھی انکی باتوں پر کافی ہرٹ ہونے لگی تھی اگرچہ وہ ظاہر نا کرتی تھی، خود کو ضرورت سے زیادہ مصروف رکھتی تھی لیکن پھر بھی اسکی نسوانیت ہرٹ ہوتی تھی۔ بالخصوص اسے دکھ ہوتا تھا جب وہ اسکے لئے فکرمند ہوتے ہوئے آئینہ کا نام لیتی تھیں۔

آئینہ اس کے ماموں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ماموں شروع سے کراچی میں رہے تھے جبکہ وہ لوگ دس بارہ سال پہلے بابا کے کاروبار کی وجہ سے ماہیوال شفٹ ہو گئے تھے۔ وہ اکلوتا تھا اور یہ تین بہنیں تھیں۔ جب وہ لوگ کراچی میں رہتے تھے تو ان تینوں بہنوں کی آئینہ کے ساتھ اچھی دوستی ہوا کرتی تھی۔ بالخصوص اسکی دونوں بڑی بہنوں کی آئینہ سے خوب جمتی تھی۔ ایک دوسروں کے ساتھ کھلونے بھی شیر ہوتے تھے اور لہجہ کاسر بھی۔۔۔ باتیں بھی خوب ہوتی تھیں سب کے درمیان میں لیکن پھر بڑی آپنی کی شادی ہو گئی۔ وہ بیاہ کر کینیڈا چلی گئیں اور پھر منجھلی کی بھی

شادی ہوئی وہ لندن چلی گئیں تو ان کے درمیان خود بخود فاصلے بڑھنے لگے تھے۔ اور تین سال پہلے جانے کس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ التمش اور عرب کارشتہ کر دینا چاہیے بس تب سے سب کچھ بدل گیا تھا۔ التمش اس کے ساتھ کافی ریزرو ہو گیا۔ وہ لوگ کراچی جاتے تو بھی بس اسکا انداز لیا دیا ہی رہتا تھا۔ سونیا کو بھی اس میں دلچسپی نہیں تھی۔ وہ بھی اسکی بالکل پرواہ نہیں کرتی تھی اور التمش اپنے مغرور معبر اور جتاتے ہوئے انداز کی وجہ سے مزید اس کے دل سے اتر گیا تھا لیکن امی کی مسلسل اس کے متعلق باتیں اسے بہت پریشان بھی کرتی تھیں اور تکلیف بھی دیتی تھیں۔ اسے بچپن سے ہی اپنے جذباتِ شیر کرنے کی عادت نا تھی۔ وہ کیا سوچتی تھی، کیا چاہتی تھی یہ بتانے کا بھی مطلق شوق نا تھا اسے لیکن اب اس کے اعصاب جیسے تھکنے لگے تھے۔ ہر طرف سے ایک سوال، ایک ہی بات کی تکرار اسے جھنجھلانے پر مجبور کر دیتی تھی۔ وہ خود کو سنہالتے سنہالتے جیسے تھکتی جا رہی تھی۔۔۔ ایک رشتہ ہی تو تھا جس میں تاخیر ہو رہی تھی باقی سب کام جو اس کے اختیار میں تھے اس نے کر کے دکھا تو دے تھے۔ بڑھائی لکھائی، سلائی کڑھائی۔۔۔ پکانا پڑونا۔۔۔ اوڑھنا پہننا، اخلاق اطوار۔۔۔ سگھڑنا، سلیقہ طریقہ۔۔۔ سب تو کر لیا تھا اور بناء کسی کے کہے کر لیا تھا۔۔۔ کہیں بھی تو اسکی توانائی ماند پڑی تھی لیکن ایک یہ معاملہ تھا جس میں وہ بالکل بے اختیار تھی اور بس یہی معاملہ جیسے اسکی سب خوبیوں کو نگلتا چلا جا رہا تھا۔ رشتہ نا تھا بلکہ دھستی ہوئی داڑھی جوتی تھی نا بلکہ کے ساتھ جڑی رہ رہی تھی۔۔۔ بس تکلیف ہی تکلیف تھی۔ اسکی آنکھ سے آنسو ٹپکا تھا اور ہمکتا ہمکتا گال سے پھسل پھسل کر کہیں غائب ہو گیا تھا۔

”تم اب تک جاگ رہی ہو؟“ امی کی آواز نے جیسے اسے بیدار کر دیا تھا۔ اس نے چہرہ صاف کیا تھا نا مگر انکی جانب دیکھا تھا۔ انہوں نے اسکا بہت دل دکھایا تھا۔ عطیہ نیگم اندر چلی آئی تھیں۔ اس نے پھر بھی ان کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

”کیوں جاگ رہی ہو اب تک۔۔۔“ وہ اس کے قریب آئی تھیں۔ ان کی آواز میں پریشانی اور ندامت چھلک رہی تھی۔ وہ پھر بھی چُپ رہی۔

”میں نے کچھ پوچھا ہے عرب۔۔۔“ انہوں نے اس کے گود میں پڑے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ بہت دنوں بعد اسے اس کے نام سے پکارا تھا اور تولا ڈکانام ہی زبان پر چپکا ہوا تھا۔ وہ ملی تک نہیں۔

”کیا۔۔۔ کیا پوچھ رہی ہیں آپ“ ان کے چہرے پر پھیلی پریشانی دیکھ کر اس سے مزید چُپ نار ہوا گیا۔

”کیوں جاگ رہی ہو میری بچی۔۔۔“ وہ نادام لگ رہی تھیں جیسے انہیں احساس تھا کہ وہ کیوں اتنی ٹوٹی ہوئی لگ رہی ہے۔

”میں نے سوچا شاید میرے جاگنے سے میرا نصیب بھی جاگ جائے۔۔۔ یہی چاہتی ہیں نا آپ؟“ وہ اب انکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ سن رہی رہ گئیں۔ دل چاہا آگے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں چھپا لیں۔۔۔ کیسے دل دکھا دیتی تھیں وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کا۔۔۔

”ناز ہے مجھ سے۔۔۔؟“ وہ گلو گھر لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ اس کے ساکت وجود میں جیسے جنم پیدا ہوئی۔ وہ انکی جانب مڑی تھی پھر اس نے گہری سانس بھری۔

”نہیں امی۔۔ ماؤں سے کون ناراض ہوتا ہے لیکن تھک ضرور گئی ہوں۔۔۔ بہت تھک گئی ہوں“ وہ اپنی کیفیت کو چھپانے کی کوشش میں بالکل نڈھال ہوتے ہوئے بولی تھی۔ عطیہ بیگم نے اسے ایک دم خود کے قریب کرنا چاہا تھا لیکن اسنے انکا ہاتھ جھٹک دیا۔

”نہیں امی۔۔ ایک منٹ پلیز۔۔۔ آج ہم اس مسئلے پر کھل کر بات کر ہی لیں۔۔۔ کبھی کبھی بات کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔۔۔ اسکا لہجہ بے حد ٹوٹا ہوا تھا۔

”آپ بتائیں کیا کروں میں کہ یہ جو میرا سویا ہوا نصیب ہے یہ جاگ جائے۔۔۔ بتائیں کیسے جگاتے ہیں اسے۔۔۔ کوئی ویڈیو دستیاب ہے یوٹیوب پر۔۔۔ یا کوئی گوگل لنک۔۔۔ کیا کروں میں۔۔۔ کیسے کروں۔۔۔ آپ نے کہا نماز پڑھ کر دعا کیا کرو۔۔۔ نصیب کھل جائے۔۔۔ میں نے ہر نماز کے بعد یہ دعا کرنی شروع کر دی۔۔۔ آپ نے کہا یہ یہ سورۃ پڑھو۔۔۔ نصیب کھل جائے۔۔۔ میں نے وہی سورتیں کثرت سے پڑھنی شروع کر دیں۔۔۔ آپ نے کہا اس آیت کا ورد کیا کرو میں نے اٹھتے بیٹھتے آیات کا ورد شروع کر دیا۔۔۔ ہر وہ کام جو اس سوتے ہوئے نصیب کو جگانے کے لئے آپ نے کہا۔۔۔ میں نے کر کے دکھایا۔۔۔ لیکن بقول آپ کے میرا نصیب پھر بھی سو رہا ہے۔۔۔ بتائیں اب کوئی گنبد رکھی لا کر سونگھوں۔۔۔ کونا منتر پڑھوں۔۔۔ کونا تعویذ لے آؤں جو نماز قرآن سے بڑھ کر ہو۔۔۔ وہ کیا چیز ہے جو دعا سے بڑھ کر اللہ تک پہنچ سکتی ہے۔۔۔ آپ بتائیں میں کروں گی۔۔۔ آپ کی خاطر سب کروں گی“ وہ بناء کوئی آنسو بہائے بول رہی تھی لیکن آنکھیں جیسے شکوہ کنال ہوئی جا رہی تھیں۔ عطیہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ انہوں نے پھر اسکا ہاتھ پکڑنا چاہا جسے اس نے ایک بار پھر جھٹک دیا۔

”امی میں تو سب کرنے کو تیار ہوں۔۔۔ میں نے تو کبھی کسی کام کو ”نو“ نہیں بولا۔۔۔ اچھا بتائیں۔۔۔ التمش کی منت کروں جا کر۔۔۔ اس کے قدموں میں بیٹھ جاؤں۔۔۔ اس کے سامنے ہاتھ جوڑوں۔۔۔ اس کے پاؤں پکڑ کر درخواست کروں کہ مجھ سے شادی کر لے۔۔۔ آپ بتائیں کروں یہ سب۔۔۔ ایسے کھل جائیگا میرا نصیب۔۔۔ ایک وہ شخص مجھے قبول کر لے گا تو کیا میرا نصیب کھل جائیگا۔۔۔ تو پھر بتائیں اس کا دامن پکڑ کر بیٹھ جاتی ہوں۔۔۔ بھول جاتی ہوں کہ ضروری امر یہ ہے کہ میرا اللہ مجھے قبول کر لے۔۔۔ اس بات پر محنت کرتی ہوں کہ بس التمش قبول کر لے مجھے۔۔۔ اللہ کو راضی نہیں کرتی۔۔۔ بس التمش کو راضی کرتی ہوں۔۔۔ بتائیں کروں ایسے۔۔۔ کچھ تو بولیں امی۔۔۔ آپ کی خاطر یہ بھی کروں گی۔۔۔ ”وہ بس ایک ٹک انکی جانب دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ عطیہ بیگم مسلسل رو رہی تھیں۔ انہوں نے اب کی بار زبردستی اسے گلے سے لگایا۔

”بھاڑ میں جائے التمش۔۔۔ بھاڑ میں جائیں سب۔۔۔ میری ہیرے جیسی بیٹی۔۔۔ میں ہی جس کا دل دکھاتی رہتی ہوں۔۔۔ مجھے معاف کر دو میری بچی۔۔۔ میں تو بہت تکلیف دے دیتی ہوں تمہیں۔۔۔ ایسے تھوڑی ہوتا ہے۔۔۔ ایسے تو نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے۔۔۔ ”وہ روتی جا رہی تھیں۔ سونیا نے انہیں خود سے الگ کیا تھا۔

”تو پھر امی ایک بات سمجھ جائیں نا کہ میرا نصیب سویا ہوا نہیں ہے کیونکہ اگر سویا ہوا ہوتا تو اتنی دعاؤں کے بعد کھل چکا ہوتا۔۔۔ یہ

نصیب جسے آپ سویا ہوا سمجھتی ہیں نا۔۔۔ یہ سویا ہوا نہیں ہے۔۔۔ جاگ رہا ہے۔۔۔ مجھے دیکھیں ہاتھ پاؤں پورے ہیں۔۔۔ صحتمند ہوں۔۔۔ آنکھیں ناک بھی مکمل دیا ہے اللہ نے۔۔۔ دماغ کی بھی ناقص نہیں ہوں۔۔۔ اتنا کرم کر رکھا ہے رب کی ذات نے کہ تین چار ہنر عطا کر رکھے ہیں۔۔۔ ان کی وجہ سے کتنی دعامیں ملتی ہیں مجھے۔۔۔ دعاؤں کی اہمیت کا اندازہ ہے آپ کو اسی۔۔۔ اور آپ کہتی ہیں میرا نصیب سویا ہوا ہے۔۔۔ یہ میز دیکھ رہی ہیں نا جس پر یہ سب پھیلاوا ہڑا ہے۔۔۔" اس نے میز کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"پانچ ہزار میں خرید کر لائی ہوں اور ان سب سے جو چیز بناری ہوں نا اسکو جب ڈیلیور کروں گی تو پچکن ہزار ملیں گے۔۔۔ بتائیں پانچ ہزار سے پچکن ہزار بنانے والا ہنر کس می سوتے ہوئے نصیب والی کا ہو سکتا ہے۔۔۔ سوتے ہوئے نصیب والی ہوتی تو اللہ کھل کر ایسی ایسی بند راین کھول رہا ہوتا میرے لئے۔۔۔ نہیں ہے سویا ہوا نصیب میرا۔۔۔" اب کی بار وہ خود بدقاہو نارکھ کی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

"میرے ہر ہنر، میری ہر کامیابی، میری ہر صلاحیت کو اس ایک رشتے والے معاملے کی وجہ سے ذلیل کرنا چھوڑ دیں امی۔۔۔ اتمش کے انکار کی وجہ میرے نصیب کو کونا چھوڑ دیں۔۔۔ اتنا مت گرائیں مجھے میرے مقام سے۔۔۔ مجھے دکھ ہوتا ہے" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ عطیہ بیگم نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

"نہیں کہوں گی میری بچی۔۔۔ اب نہیں کہوں گی۔۔۔ کبھی نہیں کہوں گی" وہ اسے بھینچ بھینچ کر اپنے ساتھ لپٹائے چلی جا رہی تھیں۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ امی کے سیل فون کی سیپ بجنے لگی تھی۔ انہوں نے آنکھیں پونچھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ اپنا فون انہیں سونے کے کٹن کے نیچے دھنسا نظر آیا تھا۔

"جی بھائی جی۔۔۔ کیسے ہیں آپ۔۔۔ نہیں گلہ خراب ہے بس۔۔۔ کچھ سر میں درد تھا۔۔۔ اس لئے۔۔۔ روؤں گی کیوں بھائی" وہ بات بنارہی تھیں۔ سونیا نے آنکھیں صاف کی تھیں ماموں کا فون تھا۔ وہ جب بھی بات کرتے تھے ہمیشہ سب سے بات کرتے تھے۔ اس کی باری بھی آنے والی تھی۔

"اچھا۔۔۔ کب۔۔۔ اگلے سے اگلے ہفتے۔۔۔ ہاں ہاں ضرور آئیں۔۔۔ ہم تو منتظر ہی رہتے ہیں آپ لوگوں کی آمد کے۔۔۔ ضرور آئیں بھائی جی۔۔۔" عطیہ بیگم کی آواز میں جوش چھلکا تھا۔ سونیا نے بھیگی پلکوں کے عقب سے انہیں دیکھا اور بات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ماموں ممانی کی اچانک آمد۔۔۔ وہ بھی اتنی دور سے۔۔۔ اس کے حواس جیسے الٹ ہو گئے تھے۔

"بھائی جی اور مہناز لوگ آرہے ہیں۔۔۔ اتمش بھی آئیگا۔۔۔ سونیا میری بچی۔۔۔ مجھے یقین ہے۔۔۔ وہ اب کی بار رشتے کی بات کر کے ہی جائیں گے۔۔۔ یا اللہ۔۔۔ تُو نے سُن لی میری۔۔۔ شکر میرے مالک۔۔۔ شکر۔۔۔ میں تمہارے ابو کو بتا کر آتی ہوں۔۔۔" وہ خوشی خوشی باہر چلی گئی تھیں۔ انہیں بھول ہی گیا تھا کہ انہوں نے فقط چند لمحے پہلے بیٹی سے کیا وعدہ کیا تھا۔ سونیا نے چڑ کر پیشانی پر ہاتھ مارا تھا۔

لوجی دوستو! یہاں تک تو آپ نے دیکھ لیا کہ معاملہ کیا تھا۔۔۔ وہی پرانی عورتوں کی کشمکش میں آدمی پس رہے تھے اور پتے چلے جا رہے تھے۔ جبکہ باقی دنیا داویلا مچانے میں مگن تھی کہ مردوں کے حقوق عورتوں سے زیادہ ہیں۔

سونیا کی اپنی ماں سے ٹھنی تھی۔۔۔ التمش کی اپنی ماں سے۔۔۔ زمین بیچاری ریلوے کی بنی درمیان میں منتظر کھڑی تھی کہ حالات سازگار ہوں تو وہ اپنا کارڈ بھینکنے یعنی سارا معاملہ عورتوں کا ہی تھا۔ ہم مرد تو بس خاموش تماشا بنے منتظر تھے کہ دھول چھٹ جائے، ہمیں فیصلہ سنایا جائے تو ہم سر جھکا کر شادی ہال، کریکوں اور مہمانوں کی تعداد، شادی میں پیش کئے جانے والی ڈشز جیسے معاملات طے کر سکیں۔۔۔ ہمارے حصے میں تو بس ایسی ہی چیزیں آتی ہیں۔۔۔ خیر اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔۔۔ آپ چھوڑیں اس بات کو۔۔۔ میں آپکو بتا رہا تھا کہ پھر میری چھیتی بہو میرے گھر کی زینت کیسے بنی۔۔۔ چلیں ایسا کرتے ہیں باقی کی باتیں آپکو اگلے مہینے بتاتے ہیں۔۔۔ آپ بھی تب تک اپنے چیدہ چیدہ مسائل سلجھالیں۔۔۔ کیا خیال ہے۔۔۔؟



(غم ہے یا خوشی ہے تو ناول ابھی جاری ہے، بقیہ واقعات اگلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں)

رنگارنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجئے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

غم ہے یا خوشی ہے تو

قسط نمبر 2

دوستوں کے درمیاں --- دوستوں کے درمیاں ---
 وجہ دوستی ہے تو --- میری زندگی ہے تو
 غم ہے یا خوشی ہے تو --- میری زندگی ہے تو

نصرت فتح علی کی آواز اتنی بھلی لگ رہی ہے کہ میں اطمینان سے بس غزل کے اشعار میں گم ہو گیا۔ معذرت خواہ ہوں کہ وہ بات جو آپکو بتا رہا تھا، وہ ادھوری ہی رہ گئی۔ مجھے ذرا اطمینان سے نشت سنبھال لینے دیجئے پھر میں آپکو باقی کی تفصیل سے آگاہ کرتا ہوں۔۔۔
 ہاں جی تو میں آپکو اپنی بہو کی اس گھر میں آمد کے دلچسپ واقعہ کے متعلق بتا رہا تھا۔۔۔ آئیں وہاں سے ہی شروع کرتے ہیں جہاں سے گزشتہ بار سلسلہ ادھورا چھوڑا تھا۔

ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ ساری عزت ماب خواتین کے درمیان ایک رشتے کے معاملے پر ٹھن گئی تھی اور بات یہاں تک آ پہنچی تھی کہ اہلیہ کے اصرار بے شمار پر میں نے ساجیوال ہمیشہ کے گھر جانے کا ارادہ کر لیا تھا تا کہ بچوں کو ایک بار باضابطہ ایک دوسروں کو دیکھنے اور بات کرنے کا موقع مل سکے حالانکہ مجھے امید تھی کہ اسکا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلنے والا تھا لیکن پھر بھی آپکو پتا ہی ہے کہ بیگمات کے آگے کسی کی نہیں چلتی اگرچہ انکا ساجیوال جانے کا ایجنڈا کچھ اور تھا، میرا کچھ اور لیکن میں تو انکی خاطر خاموش ہی رہا مگر وہ جس کی وجہ سے یہ سارا کھڑاک شروع ہوا تھا وہ یہ بات سنتے ہی چلا نے لگا تھا۔۔۔ آئیں ذرا اسی جگہ سے دوبارہ شروع کرتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

”میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے آپکی نظر میں۔۔۔ زبانی کلامی اکلوتا بیٹا ہوں میں آپکا۔۔۔ اور ذرا وہ لوگ ملیں مجھے کسی دن جو کہتے ہیں کہ اکلوتی اولاد ماں باپ کی آنکھوں کا تارا ہوتی ہے۔۔۔ مجھے نہیں دیکھا انہوں نے ابھی تک۔۔۔ اونہہ آنکھوں کا تارا۔۔۔ یہاں صورتحال یہ ہے کہ لوگ سامان باندھ کر ادا کاڑے جارہے ہیں اور اکلوتے بیٹے عرف زبانی کلامی آنکھوں کے تارے کو کچھ اتا پتا ہی نہیں ہے وہ چڑکر بولا تھا۔ مہناز بیگم نے گھنٹہ بھر پہلے اسے اسٹور روم کی الماری کے اوپر پڑے سوٹ کیس اتارنے کا حکم دیا تھا اور تب اسے پتا چلا

کہ اس کے والدین اس کے سمیت پھپھو سے ملنے پنجاب جا رہے ہیں اور اس کو اعتماد میں لئے بناء ہی اسکی ایئر ٹکٹ بھی بک کر دیا گئی تھی۔ اس کا مزاج کافی برہم ہو گیا تھا کیونکہ اسے اندازہ تو تھا کہ یہ بیٹھے بٹھائے پھپھو کے گھر کی پلاننگ بلا وجہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے وہ ماں کے ہر سوال کا جواب چڑچڑ کر دے رہا تھا۔

”میں پوچھتا ہوں آخر میری کوئی اہمیت بھی ہے اس گھر میں یا نہیں؟“ اس نے مہناز بیگم کی مسلسل خاموشی سے چڑ کر دوبارہ کہا تھا، اب کی بار انہیں بھی غصہ آ گیا۔

”ارے تو اور اہمیت کسے کہتے ہیں۔۔۔ تمہاری ساری پیکنگ کر دی ہے۔۔۔ ہر جوڑا استری کر کے رکھا ہے۔۔۔ ٹائی اور موزے سمیت تمہارا شیمپو، پرفیوم اور ہیز جیل تک رکھ دیا ہے۔۔۔ حتیٰ کہ اس موزے موبائل کا چارج بھی۔۔۔ جبکہ میرا اور ماسٹر جی کا سارا سامان ابھی تک کھلا پڑا ہے۔۔۔ انکی شوگر اور بلڈ پریشر کی دوائیاں تک نہیں رکھیں۔۔۔ اور کیا چاہتے ہو تم۔۔۔ اب کیا کیجئے نکال کر سامنے رکھ دوں کہ تمہیں یقین آجائے کہ تم واقعی میرے اکلوتے بیٹے ہو۔“ انہوں نے سخت ناگواری بھرے انداز میں کہا تھا۔ انٹش نے مرکز انکی جانب دیکھا۔

”امی زیادہ اور اسماٹ نا بنیں۔۔۔ میں پیکنگ کی نہیں۔۔۔ اس پلاننگ کی بات کر رہا ہوں۔۔۔ یہ بیٹھے بٹھائے آپکو پھپھو کی یاد کیوں آنے لگ گئی؟“ وہ بچہ نہیں تھا، اسے اندازہ تھا کہ اس کے ماں باپ کس نہج پر سوچ رہے ہیں اور کیا کیا حکمت عملی اپنا رہے ہیں۔

”بیٹھے بٹھائے نہیں۔۔۔ کب سے ارادہ کر رہے ہیں ماسٹر جی۔۔۔ یہ تو بس بارہ بیچ والا دل کی چھٹی آگئی جمعہ کو۔۔۔ بس پھر انہوں نے سوچا کہ آگے تین چھٹیاں خود کر لیتے ہیں۔۔۔ پانچ دن کی تو بات ہے۔ جمعرات کی دوپہر کو نکلیں گے اور انشاء اللہ بدھ کی صبح اپنے گھر موجود ہونگے“ انہوں نے اسے تفصیل بتائی تھی۔ وہ کاؤچ پر نیم دراز تھا اور بیزاری اس کے ہر عضو سے ظاہر ہو رہی تھی۔

”اب بتانے کا فائدہ۔۔۔ یہی سب باتیں پہلے بھی بتائی جاسکتی تھیں۔۔۔ ٹکٹ لینے سے پہلے بھی تو مجھ سے پوچھا جاسکتا تھا نا“ وہ اسی انداز میں بولا۔ مہناز بیگم نے اسے ناقدانہ نگاہوں سے گھورا۔

”ارے اتنے بھی نواب نہیں ہو تم کہ ہر کام تم سے اجازت لے کر کیا جائے۔۔۔ اب کیا اتنا حق بھی نہیں ہے ہمارا تم پر کہ تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاسکیں۔۔۔“

”ہاں جی بس میری باری آپکو یہی جذباتی قسم کے ڈائلاگز یاد آجاتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ اہمیت اس گھر میں دودھ والے، اور بڑی والے کی ہے جسے آپ نے ایک سال پہلے ہی اپنے اس سر پرانڈرپ ٹو اوکاڑہ کے بارے میں بتا دیا ہو گا لیکن مجھ سے ایسے چھپایا جیسے میں آپکا شریکا ہوں“ وہ واقعی بہت ناراض تھا۔ مہناز بیگم کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے مسکراہٹ چمکی پھر غائب ہو گئی

”اوکاڑہ نہیں ساہیوال۔۔۔ ساہیوال رہتی ہیں وہ اور ان سب کو پہلے سے بتانا ضروری تھا نا۔۔۔ ورنہ وہ روز آ کر گھر کا دروازہ بجاتے رہتے۔۔۔ اور پھر جتانے کہ مہینے کے پورے پیسے دیکھو، ہم تو روز آتے رہیں ہیں۔۔۔“ انہوں نے محبت سے اسے سمجھایا تھا۔

”میں چاہے خوار ہو ہو کر بیمار ہو جاؤں۔۔۔ لیکن آپکو کیا پرواہ۔۔۔ آپ بس ادا کاڑے جائیں“ وہ پھر غرا کر بولا تھا۔ مہناز نے اسکی جانب گھور کر دیکھا۔

”نہیں ہوتے تم بیمار۔ اتنی محبت کرنے والی پھو کے گھر جا رہے ہو۔۔۔ دیکھنا کیسے جان نچھاؤ کریں گی تم پر۔۔۔ اور بار بار ادا کاڑہ ادا کاڑہ کیوں کر رہے ہو۔۔۔ جیسے جانتے نہیں کہ وہ سا بیہوال رہتی ہیں۔۔۔“

”ایک ہی بات ہے۔۔۔ ادا کاڑہ ہو یا سا بیہوال۔۔۔ ہمارا مسئلہ تو وہی ہے نا چارٹ دس انچ۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں ہے جیسے۔۔۔“ اس نے یہ جملہ دھیمی آواز میں کہا تھا پھر انکو دیکھ کر بلند آواز میں بولا۔

”میری ٹکٹ کیوں لی آپ لوگوں نے مجھے بتائے بناء۔۔۔ مجھے نہیں جانا۔ ہمارے ٹکٹ ہو رہے ہیں۔۔۔ میرا فاسٹل ٹرم کا ایگزام ہے سر پر۔۔۔ اور آپ لوگوں کو پھو صابہ کی یاد تانے لگ گئی ہے۔۔۔ میں نہیں جا رہا کہیں بھی۔۔۔“ وہ بچوں کے سے انداز میں بولا۔

”کیا بد تمیزی ہے یہ اتمش۔۔۔ کسی کی محبت کا جواب ایسے دیتے ہیں کیا۔۔۔ وہ تمہیں اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہتی ہیں، عزت دیتی ہیں اور تم۔۔۔“ مہناز نیگم نے زچ ہو کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

”اتمش ہوں میں۔۔۔ مجھے تو سب ہی چاہتے ہیں۔۔۔ جانے انجانے سب کو ہی محبت ہو جاتی ہے مجھ سے۔۔۔ تو اب کیا میں ہر ایک کی خاطر اپنی روٹین خراب کرتا رہوں“ وہ ناگواری بھرے انداز میں بولا تھا اور ابھی مزید کچھ کہنا بھی چاہتا تھا لیکن مہناز کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر مزید کچھ نہیں بولا۔

”ارے ارے۔۔۔ تو بہ تو بہ۔۔۔ اتنا خمرہ۔۔۔ خدا کو مانو اتمش۔۔۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے۔۔۔ اتنا خود پسند ہو گئے ہو تم۔۔۔ تم دو دن نہیں نکال سکتے رشتہ داروں کے لئے۔۔۔ کس بات کا غرور ہے تمہیں۔۔۔ غضب خدا کا کب سے سمجھاری ہوں مگر تم ہو کہ ایک ہی بات پر ٹھہر گئے ہو۔۔۔“ وہ سخت ناراض ہو رہی تھیں پھر اپنی جگہ سے اٹھیں اور کرسی اٹھانے کے لئے بڑھیں تاکہ خود ہی الماری پر پڑا سوٹ کیس اتار سکیں لیکن اس سے پہلے ہی اتمش نے کرسی ان کے ہاتھ سے کھینچی تھی اور الماری کی جانب بڑھا تھا۔ بڑا ہٹ الگ سے عروج پر تھی۔

”ہاں بس میں ٹھہر گیا ہوں ایک بات پر۔۔۔ آپ لوگ نہیں ٹھہرے ایک بات پر۔۔۔ میں چھوٹا بچہ ہوں نا۔۔۔ مجھے نظر نہیں آ رہا جیسے کہ بیٹھے بٹھائے یہ ایمر جنسی ٹپ کیوں پلان کیا گیا ہے۔۔۔ کل دو پہر تک تو ایسا کچھ نہیں تھا آج سورج نکلتے ہی ماسٹر جی کو پھو کی یاد تانے لگ گئی۔۔۔ یہ تو وہی بات ہو گئی کہ اکتیس دسمبر کی رات کو سوتے تو سب ٹھیک تھا۔۔۔ صبح اٹھے تو اگلا سال۔۔۔“ اس نے سوٹ کیس ان کے آگے رکھا تھا۔ انہوں نے ایک نظر بھی نا ڈالی۔ وہ چند لمحے اپنی جانب دیکھتا رہا۔۔۔

”اچھا بابا۔۔۔ کیوں ناراض ہو رہی ہیں۔۔۔ چل مرا جاؤ نگا۔۔۔ ادا کاڑے۔۔۔ خوش ہو جائیں بس۔۔۔“ اس نے اتنا کہا پھر دھپ دھپ کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

”اچھا بابا۔۔۔ کیوں ناراض ہو رہی ہیں۔۔۔ چل مرا جاؤ نگا۔۔۔ ادا کاڑے۔۔۔ خوش ہو جائیں بس۔۔۔“ اس نے اتنا کہا پھر دھپ دھپ کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

”اچھا بابا۔۔۔ کیوں ناراض ہو رہی ہیں۔۔۔ چل مرا جاؤ نگا۔۔۔ ادا کاڑے۔۔۔ خوش ہو جائیں بس۔۔۔“ اس نے اتنا کہا پھر دھپ دھپ کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

”اوکاڑے نہیں ساہیوال۔۔۔ بار بار غلط شہر کا نام لے کر یہ ثابت مت کرو کہ تم کو یہ بھی نہیں پتا کہ تمہاری پچھوکس شہر میں رہتی ہیں
”مہناز نے عقب سے جتا کر کہا تھا۔ اسکی مسلسل بڑبڑاہٹ عروج پر تھی۔

”آآآ۔۔۔ میں کیوں ہوں اتنا فرماں بردار۔۔۔ کیون مان جاتا ہوں آپ کی ہر بات۔۔۔ ایسی معصوم اولاد بھی ناہو کسی کی۔۔۔ رحم
یا اللہ۔۔۔ رحم۔۔۔ ماؤں کی بلیک میلنگ سے سب کو بچا یا رب۔۔۔ دشمن کو بھی کبھی اس مصیبت میں نا ڈال یا رب۔۔۔ سب کو محفوظ رکھ
مالک۔۔۔ اس کے کمرے سے بھی مسلسل بڑبڑانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ مہناز مسکراتے ہوئے سوٹ کیس کھول کر اس میں چیزیں رکھنے
لگ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

میں ہمیشہ سے ملنے ساہیوال جا رہا ہوں۔۔۔ میری غیر موجودگی میں سب دیکھ ریکھ تم ہی کو کرنی ہے۔ یہ سارے لڑکے بہت سر
چوڑھ گئے ہیں، انہی بہت شکایتیں آنے لگی ہیں۔۔۔ بہت باتیں کرنی آگئی ہیں انکو۔۔۔ آتے جاتے گچ کریں (تضحیک آمیز گفتگو) کرتے ہیں
لوگوں کو۔۔۔ ذرا کھینچ کر رکھنا ہے ان سب کو۔۔۔ زیادہ سر نہیں چوڑھ دینا اور نا ہی کسی کو شکایت کا موقع دینا ہے ”ماسٹر جی نے رب نواز کو نصیحت
کی تھی۔ وہ انکا دست راست تھا۔ انہی کی طرح ہر کام میں مہارت تھی اسے۔۔۔ بہت اچھے طریقے سے ہر ذمہ داری پوری کرتا تھا۔ کلاس کے
سب سے اچھے اور پورا اعتماد مانیٹر کی طرح وہ ان کی غیر موجودگی میں سب کو نبھال کر رکھتا تھا۔

”آپ فکرنا کریں ماسٹر جی۔۔۔ پہلے بھی تو میں ہی نبھاتا ہوں۔۔۔ آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں ”اس نے انہیں تسلی دی۔
”اچھا تو تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں بس چھک مارنے آتا ہوں یہاں۔۔۔ سب کچھ تم کرتے ہو۔۔۔ ماسٹر جی بس یہاں
ٹانگیں دبوانے آتا ہے ”انہوں نے اسے گھورا۔

”نہیں ماسٹر جی۔۔۔ یہ نہیں کہہ رہا۔۔۔ میرا مطلب تھا آپ اطمینان سے جائیں۔۔۔ میں ہوں نا یہاں۔۔۔ کاہے کی فکر“
”اوہ رب نواز اسی لئے تو فکر ہے کہ تُو ہے یہاں۔۔۔ تجھ سے نہیں سنبھلتے اب یہ چار بیروز۔۔۔ ان کو لگام دے کر رکھنا ہی نہیں آتا
تجھے۔۔۔ یاد ہے جب گزشتہ بار میں نے کسی وجہ سے چھٹی کی تھی تو تم لوگوں نے کتنا کھڑاک پھیلایا تھا۔۔۔ میڈم تہمینہ لاما (شکایت) لے کر
آگئیں تھیں کہ آپ کے لڑکے بد تمیزی کرتے ہیں۔۔۔ بات نہیں سنتے۔۔۔ کبھی دن انہوں نے شکل نہیں دیکھی تھی ہمارے اس غریب خانے کی
۔۔۔ تین بار فون کر کے معذرت کی تھی میں نے ”انہوں نے یاد دلایا۔

”ماسٹر جی میڈم تہمینہ سنتی بھی تو نہیں ہیں کسی کی۔۔۔ میں نے انکو سمجھایا تھا کہ وہ جو کہہ رہی ہیں ہمارے بس کاروگ نہیں ہے۔۔۔ انکو
ہمارا کام ہی پسند نہیں آتا۔۔۔ بس اپنی ہی بولتی جاتی ہیں، بولتی جاتی ہیں۔۔۔ کوئی مشورہ، کوئی تجویز۔۔۔ ہر چیز رد کر دیتی ہیں۔۔۔ اور جب کام مکمل
کر کے دو تو کیڑے نکالنے لگتی ہیں ”رب نواز نے شکایت کی تھی، ماسٹر جی نے اس کے کندھے پر ایک چپت رسید کی۔

”اوتے تو ہوتا کون ہے انہیں مشورے دینے والا۔۔۔ تیری اتنی اوقات ہے کہ تو انہیں مشورے دے۔۔۔ شکل دیکھی ہے اپنی۔۔۔ وہ میڈم تھمینہ ہیں۔۔۔ ہم سب ان جیلوں کے دم سے یہاں بیٹھے ہیں۔۔۔ آیاؤڈا مشورے دینے والا ”انہیں سخت برا لگا تھا جبکہ رب نواز کا منہ بھی لٹک گیا۔

”آپ کچھ بھی کہیں۔۔۔ مجھے انکی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔۔۔ پہلے خود ہی الٹی سیدھی اسٹیمینٹ بنواتی ہیں ہم سے پھر خود ہی ناراض ہو جاتی ہیں کہ تم لوگ بہت نالائق ہو۔۔۔ انکو کوئی عقل مت دینے کی کوشش کرو تو پھر آپکو ہماری جھوٹی سچی شکایتیں لگتی رہتی ہیں کہ لڑکے میرا مذاق اڑاتے ہیں۔۔۔ میں پوچھتا ہوں ماسٹر جی آخر۔۔۔ ”اس نے لمحہ بھر کے لئے رک کر ماسٹر جی کا چہرہ دیکھا، وہ جوابات کرنے والا تھا، وہ ماسٹر جی کو بڑی بھی لگ سکتی تھی۔

”وہ ایسے کپڑے کیوں پہنتی ہیں جو ان پر اچھے نہیں لگتے۔۔۔ انکو کون بتائے کہ ہر فیشن ان پر سجتا نہیں ہے اب۔۔۔ چھوٹی چھوٹی قمیضیں پہن کر وہ خود کو ماہ نور بلوچ سمجھ تو سکتی ہیں لیکن بن نہیں سکتیں۔“

وہ چڑ کر بولا تھا۔ ماسٹر جی نے اسے ایسی نگاہ سے گھورا کہ وہ فناف دو قدم پیچھے ہٹ گیا کہ جانتا تھا اب کی بار صحیح تھپڑ پڑے گا۔

”بے ہدایتیہ یہ کیسی بات کی ہے۔۔۔ خبردار دوبارہ ناسنوں میں۔۔۔ بہت زبان چلنے لگی ہے تیری۔۔۔ یہ بچھلی گلی کے لونڈے لپاڑوں سے دوستی رنگ لارہی ہے۔۔۔ ایسے بات کرتے ہیں کسی کے بارے میں۔۔۔ دوبارہ ایسی بات ناسنوں میں تیرے منہ سے۔۔۔ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔۔۔ ہمارا کام سب کی عورت کے ساتھ خدمت ہے۔۔۔ عورت کے ساتھ خدمت۔۔۔ وہ میڈم تھمینہ ہیں۔۔۔ ہمارے لئے ماہ نور بلوچ سے بڑھ کر ہیں ”انہوں نے آخری دو الفاظ پر زور دے کر کہا تھا۔ رب نواز کے چہرے کے تاثرات طنزیہ ہوئے تھے لیکن وہ چپ رہا

”یاد رہے یہ بات۔۔۔ میں دو ہزاروں گانہیں ”ماسٹر جی نے انتہائی سخت لہجے میں دوبارہ کہا تھا۔ رب نواز نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”معافی ماسٹر جی۔۔۔ معافی۔۔۔“ وہ کہتے ہوئے دو قدم مزید پیچھے ہٹا تھا پھر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا کہ فرار میں آسانی ہو۔

”لیکن پھر بھی ایک بات ضرور کہوں گا ماسٹر جی۔۔۔ آپکی محبت اندھی ہو سکتی ہے۔۔۔ ہماری نہیں۔۔۔ اسلئے میڈم تھمینہ کو بھی سمجھائیں۔۔۔ ورنہ لڑکے اسی طرح ان پر ہنستے رہیں گے، انکا مذاق اڑاتے رہیں گے۔۔۔ اونہہ۔۔۔ شباب بچپن (55) والا۔۔۔ تے خواب بچپن والا

”وہ اتنا کہہ کر کانہیں تھا بلکہ باہر کی جانب دوڑ لگا دی تھی۔ ماسٹر جی بھاگ نہیں سکتے تھے لیکن انہوں نے کرسی کے نیچے پڑا اپنا جوتا اٹھا کر اسکی جانب پھینکا تھا جو دروازے سے ٹکرا کر نیچے گر گیا تھا۔

”کمینہ۔۔۔ رب نواز۔۔۔“ انہوں نے منہ بنا کر اس کے نام کو دودھرا یا تھا۔

”۔۔۔ ایسے تو ضروری نواز دے گا رب تجھے۔۔۔ ناہنجار۔۔۔“ وہ بڑبڑا رہے تھے۔

”یہ کیا ہے؟“ اس نے دیوار کی جانب دیکھتے ہوئے ان سے سوال کیا تھا۔ عطیہ بیگم نے بھی اسی جانب دیکھا جہاں وہ دیکھ رہی تھی پھر خوش ہو کر بولیں۔

”یہ میں نے یہاں لگائی ہیں۔۔۔ اچھی لگ رہی ہیں نا“

”ایک دم فضول لگ رہی ہیں امی۔۔۔ آپ نے ساری دیوار بھر دی ہے کالی پٹی تصویروں سے۔۔۔ یہ تو ایک بھی اچھی نہیں لگتی اور آپ نے سارا سٹاک ہی سجا دیا۔۔۔“ اس نے دیوار پر سے وہ سب تصاویر اتارنا شروع کر دیں۔ دو سال پہلے اس نے کینوس پر فیرک گلز کے ساتھ اپنے کسی کسٹمر کے کہنے پر تصاویر کی ایک سیریز بنائی تھی جو کہ انکو بعد میں پسند نہیں آئی تھی تو سونیا نے انکی ایڈوانس اداہنگی کے طور پر ادائیگی ساری رقم واپس کر دی تھی۔ یہ تصاویر تب سے اسٹور میں ہی پڑی تھیں۔ عطیہ بیگم نے وہ سب نکال کر لاؤنچ میں صوفے کے پیچھے والی دیوار پر لگا دی تھیں۔ وہ تصاویر بری نہیں تھیں، لاؤنچ بھی سچ سا گھیا تھا لیکن سونیا کو جھنجھلاہٹ ہونے لگی تھی۔ امی کا بس نہیں چلا رہا تھا کہ جو بھی اس نے بنانا کر رکھا ہوا ہے وہ سب نکال کر گھر میں سجا دیں۔ پہلے انہوں نے اس کے بنائے ہوئے نیٹ کے پھولوں سے ڈرائیو روم سجا یا تھا پھر چھوٹی بڑی وہ سب وال ٹینگز جو وہ کسٹمرز کے آرڈرز مکمل ہو جانے کے بعد لیفٹ اوورز سے بناتی تھی۔ وہ سب عطیہ بیگم نے نکال کر جگہ جگہ بھیل کر رکھ دیا تھا۔ وہ سب گملے جس کو اس نے پینٹ کیا ہوا تھا، وہ سب پورے صحن میں نمایاں جگہوں پر مزید نمایاں کر کے رکھ دئے تھے۔ ڈائنگ ٹیبل پر اس کا کریشیا سے بنایا گھیا ٹیبل کلاہ نمایاں تھا، چاروں کمروں میں اسکی ایپلک ورک کی بیڈ شیٹس بچھائی تھیں۔ اس بات کی کسر رہ گئی تھی کہ وہ ان سب چیزوں کے نیچے بڑا بڑا کر کے ”عرب“ لکھ دیتیں جبکہ ”عرب“ عرف سونیا کو سب سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی ہیں۔ وہ انکی حرکتوں پر جھنجھلائی پٹی جا رہی تھی۔

”یہ ایک ہی کافی ہے یہاں۔۔۔ باقی سب اتار دی ہیں میں نے۔۔۔ اور پلیز امی اب دوبارہ مت لگائیے گا۔۔۔ آپ نے اتنا کچھ نکال کر یہاں وہاں پھیلا دیا ہے کہ ہمارا گھر، گھر کم اور میوزیم زیادہ لگ رہا ہے“ اس نے بدقت اپنی ناگواری چھپائی تھی۔

”اچھا۔۔۔ یہاں مت لگاؤ۔ ایک اپنے کمرے میں لگالو۔۔۔ اور یہ والی ہمارے بیڈ روم میں لگا دو۔۔۔ اتنی محنت سے بنائی ہوئی ہیں۔ تمہاری ممانی کو پتا چلنا چاہیے کہ میری بیٹی کتنی ٹیلنٹڈ ہے“ وہ ہرجوش سے انداز میں بولی تھیں۔ سونیا نے سر جھٹکا۔

”ان کو سب کچھ پہلے سے پتا ہے امی۔۔۔ جسے نہیں پتا۔۔۔ اور آپ جس کو بتانا چاہ رہی ہیں نا۔ اس کو ان سب چیزوں سے فرق نہیں پڑنے والا۔۔۔ پورا انڈیا بازار بنالیا ہے گھر کو۔۔۔“ اس نے جل کر کہا تھا۔

”خوامواہ میں۔۔۔ اور ایویں نہیں پڑے گا فرق۔۔۔ لڑکے بہت متاثر ہوتے ہیں ایسی باتوں سے۔۔۔ تم دیکھ لینا وہ ہر چیز کی تعریف کرے گا اور میری بات کان کھول کر سن لو تم۔۔۔ خبردار جو تم نے پرانے زمانے کی میری باتوں کی طرح سر جھکا جھکا کر اسکی تعریفوں کو وصول کیا تو۔۔۔ فخر کے ساتھ خمرے کے ساتھ کہنا کہ یہ تو میرے بایں ہاتھ کا کھیل ہے۔۔۔ میں تو اس سے بھی زیادہ بڑے بڑے کام کرتی ہوں

۔۔ اسکو اپنے سب پراجیکٹس کی تفصیل بتانا۔۔۔ وہ برتوں کی الماری سے برتن نکال کر صاف کرنے کے ساتھ ساتھ اسے نصیحتیں بھی کئے چلی جا رہی تھیں۔

”مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے ایسی سستی مائیکنگ کی۔۔۔ اور اگر آپ نے بھی فلموں والی ماؤں کی طرح پانی کے گلاس، تندور سے آئی روٹیوں اور کوئلہ ڈرنک کی بوتل تک کو میری محنت کا صلہ قرار دیتے ہوئے ایسا کچھ کیا تو یاد رکھئے گا۔۔۔ ان کے سامنے ہی میرا اور آپکا جھگڑا ہو جائیگا۔“ اسکا موڈ بالکل خراب تھا اور اسے انتہائی بیزاری ہو رہی تھی لیکن وہ انہی ہدایات کے مطابق کاموں میں لگی ہوئی تھی۔ ایک دن بعد ماموں ممانی اپنے ہونہار پھوت کے ساتھ تشریف لانے والے تھے۔ عطیہ بیگم نے گھرا لیے چکایا تھا جیسے کسی سلطنت کا بادشاہ تشریف لانے والا ہو۔ اب کی بار بھائی بھابھی تین سال بعد آ رہے تھے لیکن انہیں ان سے کہیں زیادہ بھتیجے کی فکر تھی۔ انہوں نے ہر چیز اس کے شایان شان سجانے بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ مینو کا فیصلہ تین دن پہلے ہی کر لیا تھا، ہر دیسی ڈش کے ساتھ ایک عدد چائینیز ڈش تیار ہوئی تھی جس کی مستند ترکیب یوٹیوب سے تلاش کی گئی تھی۔ الٹمش نے جس کمرے کو پانچ دن استعمال کرنا تھا، اس میں خاص طور پر منجھلی آپنی کی شادی کی تصاویر کا کولاج جس میں منجھلی آپنی کم اور عراب زیادہ نمایاں تھی بنا کر لگا دیا تھا۔ اس کمرے کے اے سی کی سروس دوبارہ سے کروائی گئی تھی۔ عطیہ بیگم نے اپنے تینوں وہ سب کر لیا تھا جس سے وہ الٹمش سے اپنی محبت بتا کر اس پر ثابت کر سکتی تھیں کہ وہ بہترین ساس ثابت ہو سکتی ہیں لیکن مسئلہ تھا تو سونیا کا جس کے چہرے پر پھیلی بیزاری انہیں ہولائے دے رہی تھی۔

”ایسے کیوں کہہ رہی ہو۔۔۔ جھگڑا کیوں ہوگا تمہارا میرا۔۔۔ یہاں آؤ ذرا۔۔۔ میرے پاس بیٹھو۔۔۔“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی صافی سائیڈ پر رکھی اور برتوں والی الماری بند کر کے اسکی جانب توجہ مبذول کر لی۔

”تم سمجھتی ہو میں جو بھی کر رہی ہوں۔۔۔ وہ کوئی غیر اخلاقی حرکت ہے۔۔۔ کیا تمہیں بھروسہ نہیں ہے اپنی ماں پر؟“ انہوں نے کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔ سونیا نے ان کی جانب دیکھا پھر ناک چدھا کر بولی۔

”نہیں۔۔۔“ عطیہ بیگم نے اس کے دو ٹوک جواب پر بڑا سامنہ بنا کر اسے دیکھا۔

”ہا۔۔۔ ہائے۔۔۔ ایسی بے دید اولاد دی ہے اللہ نے مجھے۔۔۔“

”اس ایک معاملے میں بالکل بھی بھروسہ نہیں ہے مجھے آپ پر امی۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے ڈی گریڈ کروا کر ہی دم لیں گی“ اس نے انہی ناراضی کے ڈر سے فوراً کہا تھا۔ عطیہ بیگم نے گہری سانس بھری تھی۔

”سونیا۔۔۔ اتنی بے اعتباری۔۔۔ بھلا ڈی گریڈ کیوں کرواؤ گی تمہیں۔۔۔ میری بیٹی ہو تم، میرا کل اثاثہ۔۔۔ پاگل۔۔۔ میں جو بھی کر رہی ہوں نا۔۔۔ وہ اپنی بیٹی کی بہتری کے لئے کر رہی ہوں۔۔۔ اسے تم ایک ادنیٰ سی کوشش بھی کہہ سکتی ہو۔۔۔ آخر تم بھی تو یہی کرتی ہونا۔۔۔ تمہیں جب اپنا کوئی نیا پراجیکٹ کرنا ہوتا ہے تو کسٹمرز کو تلاش کرنے کے لئے اپنی بہترین چیزیں ہی ان کے سامنے رکھتی ہو۔۔۔ انکو بتاتی

ہو کہ تم انکا کام کتنے اچھے طریقے سے کر سکتی ہو، انکو بتاتی ہو کہ تم مارکیٹ میں موجود باقی سب لوگوں سے بہتر ان کے لئے کام کر سکتی ہو۔۔۔ ان سے بحث بھی کرتی ہو، بعض اوقات اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے ضد بھی کرتی ہو اور انکو رضامند کرنے کے لئے اپنی ہر ممکن کوشش کرتی ہونا۔۔۔ میں بھی بس یہ کر رہی ہوں۔۔۔ بحیثیت انسان آخر ہم اپنا بہترین ہی سامنے کی جانب رکھتے ہیں نا تو بس میں یہی کر رہی ہوں۔۔۔ مجھے وہ لڑکا اپنی بیٹی کے لئے پسند ہے۔۔۔ میں اس پر ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ میری ہیرے جیسی بیٹی اس کے حق میں بہترین جیون ساتھی ثابت ہو سکتی ہے۔۔۔ یہ میرا حق ہے۔۔۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ میرا مذہب یا یہ معاشرہ مجھے میرے اس حق کو استعمال کرنے سے روک سکتا ہے۔۔۔ میں کسی کی حق تلفی سے تو نہیں کر رہی، کسی کا دل تو نہیں دکھا رہی۔۔۔ بس اپنی بیٹی کے اچھے مستقبل کے لئے کچھ اچھی ہوئی ڈوریاں سلجھا رہی ہوں۔۔۔ کچھ راستے میدھے کر رہی ہوں۔۔۔ اس میں بڑائی کیا ہے۔۔۔ میرے پاس ہیرا ہے۔۔۔ میں تو اسے پرموٹ کروا رہی ہوں۔۔۔ وہ دل ہی دل میں بیٹی کی بیزاری سے ناراض تو تھیں لیکن پھر بھی اسے سمجھاتے ہوئے محل کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ سونیا نے ان کے مدلل انداز پر ایک لمحے کے لئے سراٹھا کر انہیں دیکھا پھر سر جھٹکا۔

”امی۔۔۔ اتنا ہی ہیرا ہوتی اگر آپکی بیٹی تو پہلے ہی چمکتی دمکتی نظر آچکی ہوتی اسے۔۔۔ آپکو اس ہیرے کو بار بار گرگر کر چکانا پڑ رہا ہو تا تراش تراش کر اس ہیرے کا تراہ نا نکالنا پڑ رہا ہوتا آپکو۔۔۔“ اس کے الفاظ امی کے دل میں جیسے گڑ سے گئے تھے۔ وہ کتنی کجھی ہوئی لگتی تھی۔ انہوں نے اسے مزید کچھ نصیحت کرنی چاہی لیکن انہیں الفاظ ہی نا ملے تھے۔ انہوں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔

”اوہو میں بھی کن باتوں میں پڑ گئی ہوں۔۔۔ وہاں قیہ ابا نے چڑھایا تھا کو فتوں کے لئے۔۔۔ چلو تم کپڑے وغیرہ نکالو اپنے۔۔۔ میں ذرا کو فتنے بنا لوں“ وہ کچن کی جانب چل دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”اوہو۔۔۔ ایک ہفتے کے لئے نہیں جا رہا۔۔۔ صرف پانچ دن کے لئے جا رہا ہوں۔۔۔ اور اپنی پچھو کے گھر جا رہا ہوں۔۔۔ افغانستان جہاد کے لئے نہیں جا رہا جو تم نے بوجھا لیا ہے“ اتمش نے چوکر زرمین سے کہا تھا۔ وہ اپنے بیڈروم میں لیٹا ویڈیو کال پر اس سے بات کر رہا تھا۔ اس نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ ایک ہفتے کے لئے پچھو کے یہاں ساہیوال جا رہا ہے۔ زرمین اسکے سمجھانے کے باجود یہ ماننے کو تیار تھی کہ اس کے والدین زبردستی اسے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔

”اس سے بہتر تھا کہ تم واقعی افغانستان جہاد کے لئے چلے جاتے۔۔۔ کم از کم مجھے یہ بے چینی تو نا ہوتی کہ تم اپنی چار فٹ دس انچ کی کزن کے سات ایک ہفتہ گزارنے گئے ہوئے ہو۔۔۔ تمہیں احساس بھی ہے کہ میں کیسے گزاروں گی یہ ایک ہفتہ۔۔۔ مجھے تو رات کو نیند بھی نہیں آئیگی پورا ایک ہفتہ۔۔۔ پنجاب میں تو ویسے بھی آجکل بارشیں ہو رہی ہیں۔۔۔“ کہیں اس نے ”رم جھم رم جھم پڑے پھو۔۔۔ تیرا میرا انت کا پیاز“ گا کر تمہارا دل جیت لیا تو میں کیا کروں گی۔۔۔ میں نے تو خالہ کے دیور کو بھی تمہاری وجہ سے انکار کر دیا ہوا ہے۔۔۔ میں تو پھنس گئی نا

مشکل میں۔۔۔ تمہیں کچھ احساس بھی ہے" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی تھی لیکن اسکے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ اسے چڑا رہی ہے۔
 -التمش کو اسکی یہ شوخیاں ایک آنکھ نہ بھائی تھیں۔

"اوہ بھائی میرے کندھے پر رکھ یہ بندوقیں نا چلاؤ۔۔۔ مجھے اپنے خاندانی معاملات سے دور ہی رکھو۔۔۔ خالہ کے دیور کو تم نے خود ہی انکار کیا تھا۔۔۔ اور اگر پچھتا رہی ہو تو ابھی وقت گزرا تو نہیں ہے۔۔۔ کال کر کے اس سے معذرت کر لو۔۔۔ اگر میری پچھو کی بیٹی گانے گا کر میرا دل جیت سکتی ہے تو کیا پتا تمہاری خالہ کے دیور کو بھی دوسرے سواد والے گانے آتے ہی ہوں۔۔۔ بلالو واپس اسے۔۔۔ کیا پتا آتی جائے وہ غریب کافیاں گاتا ہوا۔۔۔ اب ہر شخص التمش کی طرح گزرا وقت بھی نہیں ہوتا کہ واپس پلٹ کر نا آسکے اور جس کے لئے عورت نفس ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔" وہ سابقہ انداز میں مزید طنز شامل کر کے بولا تھا۔ زمین کو اس کا مغرور انداز بھی شاید برا لگا۔ وہ لمحہ بھر کے لئے چپ سی ہو گئی۔ التمش نے چند ساعتیں اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر سنل کو اٹھی چیک کی تھی جو کہ ٹھیک تھی۔

"اچھا تمہیں مزید طنز نہیں کرنا تو میں بند کر رہا ہوں اب فون۔۔۔ مہارانی جو دھابائی آگئیں تو ناراض ہو گئی کہ میں اب تک تیار کیوں نہیں ہوا" وہ جانتا تھا فون بند کرنے کی دھمکی ہی اس وقت زمین کو بولنے پر مجبور کرے گی۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ یعنی پچھو کے گھر جانے کے لئے تم ایک دن پہلے سے تیار ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔۔۔ صحیح کہا ہے بزرگوں نے بھائی کے شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ التمش نے اسکی بات کاٹ دی۔

"اوہ بی بی۔۔۔ ابھی گھنٹہ بھر بعد کی فلاٹ ہے۔۔۔ انیر پورٹ کے لئے نکلنے لگے ہیں ہم۔۔۔ پہلا لاہور جائیں گے۔۔۔ پھر وہاں سے بانی روڈ ساہیوال۔۔۔ زمین کا چہرہ مزید تنگ ہوتا تھا۔

"واقعی۔۔۔" اس نے حیرانی سے پوچھا پھر چڑ کر بولی۔

"تو پھر یہ بات تم مجھے وہاں پہنچ کر ہی بتا دیتے نا۔۔۔ فلاٹ سے ایک گھنٹہ پہلے بتا کر احسان کرنے کی ضرورت تھی۔" زمین سخت ناراض ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر التمش مزید میزا ہو رہا تھا۔

"اس لئے کہ التمش نام ہے میرا۔۔۔ احسان کرنا عادت ہے میری" وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ زمین نے فون کی سکرین سے ہی اسے ایسے گھور کر دیکھا جیسے کچا کھا جائیگی۔

"بڑی مہربانی کہ تم نے بتا دیا مجھے کہ یہ عادت ہے تمہاری۔۔۔ میں خواہ مخواہ اسے تمہاری محبت سمجھتی رہی۔۔۔ جاؤ بھاڑ میں تم۔۔۔ سلجھاؤ اپنی پچھمی کا مسئلہ چارٹ دس انچ۔۔۔ کڈ بائے" اس نے فون بند کر دیا تھا۔ التمش نے ایک ساعت کے لئے موبائل کو دیکھا پھر غصے سے اٹھا اسے بستر پر پھینک دیا تھا۔

”ہمارے سارے محلے میں سونیا سے اچھی بریائی کوئی نہیں بناتا۔ سب ہی پسند کرتے ہیں اس کے ہاتھ کی بریائی۔۔۔ مصالحہ ایسا بناتی ہے کہ ہر چیز کا ذائقہ الگ الگ محسوس ہوتا ہے۔۔۔ اور چاول ایسے ذم دیتی ہے کہ ہر دانہ الگ الگ نظر آتا ہے۔“ عطیہ بیگم نے بہت محبت سے بریائی والی ڈش میں سے چمچ بھر کر مہناز بیگم کی پلیٹ میں ڈالے تھے لیکن سنایا التمش کو تھا جو بنا کسی کی جانب دیکھے بس کھانا کھانے میں مگن تھا۔ انہی بات سن کر اس نے اپنی پلیٹ میں بڑے چاولوں کو دیکھا۔

”اتنی الگ تھلک بریائی واقعی پہلی بار کھائی ہے ہم نے۔۔۔ ایک چاول دوسرے چاول سے اتنا الگ ہے کہ لگتا ہے آپس میں کوئی غامدانی لڑائی ہے“ التمش کے چہرے پر بظاہر مسکراہٹ تھی اور وہ پلیٹ میں بڑے چاولوں کو چمچ سے ادھر ادھر کرنے میں مگن کہہ رہا تھا لیکن سونیا کو احساس تھا کہ وہ طنز کر رہا ہے۔ آج چاول اس سے ذرا سخت رہ گئے تھے۔ امی بار بار آ کر اتنی نصیحتیں کرتی جا رہی تھیں کہ وہ اعتماد سے کام ہی نہیں کر پانی تھی۔ مہناز بیگم نے مسکراتے ہوئے سونیا کو دیکھا کہ جیسے بتا رہی ہوں کہ دیکھا میں نے کہا تھا وہ متاثر ہو جائیگا۔

”سارے محلے میں دھوم ہے سونیا کے ہاتھ کی بریائی کی۔“ مہناز نے عطیہ بیگم کو دیکھ کر کہا تھا۔ انکا چہرہ کھل سا گیا تھا۔

”اچھا۔۔۔ تو پھر گیزر بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اسکا نام آیا کہ نہیں۔۔۔ جتنی تعریف آپ کر رہی ہیں۔۔۔ آئی ایم شنیدو ضرور ہی آچکا ہوگا“ اس نے پھپھو کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ لوگ حمیارہ بچے کے قریب پہنچے تھے اور جہاز میں کھانا نہیں ملا تھا سو بھوک تو سب ہی کو لگی تھی۔ سب ہی رغبت سے کھا رہے تھے۔ ایک واحد سونیا تھی جس کے چہرے پر ناچا ہنسنے بھی بیزاری چھائی ہوئی تھی۔ سونیا کو اس کی باتوں پر دم لیکن اپنی امی کی باتوں اور حرکتوں پر زیادہ غصہ آ رہا تھا۔

”ارے میری جان تم مذاق سمجھ رہے ہو لیکن یہ بات سچ ہی ہے۔۔۔ سونیا کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔۔۔ یاد ہے میزباب (سونیا کی منجھلی بہن) کی شادی پر بھی اس نے یہ دلیخ جتنا بڑا پیتلا بھر کر سارے غامدان کے لئے بریائی بنائی تھی اور سب ہی انگلیاں چاٹتے رہ گئے تھے۔۔۔ حالانکہ تب یہ بہت چھوٹی سی تھی لیکن تب ہی سے بہت اچھا کھانا بنا لیتی ہے“ عطیہ بیگم نے اس کی جانب شفقت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا اور ساتھ ہی آنکھوں ہی آنکھوں میں پیٹے کو تنبیہ کی تھی کہ زبان کو کنٹرول میں رکھو۔

”دلیخ جتنا بڑا پیتلا۔۔۔؟“ التمش نے ماں کی نصیحت آموز گھوری کے بعد مصنوعی حیرانی سے کہتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

”آرام سے چمچ چلا لیتی ہو تم اتنے بڑے دیکچے میں۔۔۔ میرا مطلب سیرھی ویڑھی کی مدد تو لینی پڑتی ہوگی۔۔۔ اکیلے تمہارے بس کاروگ تو ہے نہیں یہ“ وہ اب کھل کر مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مہناز کے چہرے کے تاثرات سن سے گئے تھے۔ سب سے پہلے سونیا کے ابا مسکرائے تھے۔

”یہ بات تو ہم سب کو بھی حیران کرتی ہے کہ آخر میری یہ چھوٹی سی بیٹی، اتنے بڑے بڑے کام اتنی آسانی سے کیسے کر لیتی ہے۔۔۔ لیکن کر لیتی ہے۔۔۔ میں تو خود اس سے پوچھتا رہتا ہوں کہ پیتا جی کو نسا منتر پڑھتی رہتی ہو۔۔۔ لوگوں کے پیٹے نکلے ادھر ادھر آوارہ

گردیاں کرتے پھرتے ہیں اور ہماری یہ بیٹی بیٹوں سے بڑھ کر کام کر رہی ہے۔ گھر بیٹھے اپنا لاکھوں کا بزنس چلا رہی ہے" وہ اپنی بیٹی کی جانب دیکھتے ہوئے غمزہ انداز میں بولے تھے۔ انہوں نے بتایا نہیں تھا لیکن اتمش کو محسوس ہوا کہ پھچکا جی کا یہ جملہ اس کے لئے شٹ اپ کال تھی۔ وہ چُپ سا ہو گیا۔

"بہت خوب۔۔۔ اچھی بات ہے۔۔۔ زمانہ ویسے بھی بہت بدل گیا ہے۔۔۔ لڑکیوں کو بھی سب کام کرنے چاہئیں" مہناز بیگم نے اپنی رائے دی تھی۔

"فیس بک پر کہیں شیپو بیچنے کو بھی بزنس کہنے لگے ہیں لوگ۔۔۔ زمانہ تو واقعی بدل گیا ہے" اتمش نے دھیمی سی آواز میں کہا تاکہ ساتھ بیٹھی مہناز ہی سُن پائیں پھر پھپھو کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا کر ذرا اونچی آواز میں بولا۔

"واہ بھی واہ۔۔۔ بہت متاثر ہوئے ہم سب سونیا کے کارنامے سُن کر۔۔۔ پھپھو کچھ اور بھی بتائیں نا۔۔۔ بہت مزا آرہا ہے" عطیہ نے اس کے انداز پر قہقہہ لگایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں سونیا بولی۔

"نہیں۔۔۔ اب ہماری باری ہے۔۔۔ ہمیں بھی تو مزا آنا چاہیے نا۔۔۔ اب تم اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔۔۔ کوئی جاب واب بھی تلاش کی ہے یا ویلے نکلے ہی ہوا بھی تک۔۔۔ تین سال سے تو یہی سُن رہے ہیں کہ اتمش یونیورسٹی جاتا ہے۔۔۔ یہ تم ڈگری لے رہے ہو یا بیمہ پالیسی۔۔۔" اتمش کو امید نہیں تھی کہ وہ بھی سی لڑکی منہ میں لمبی زبان بھی رکھتی ہوگی۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ اس طعنے پر چُپ سا ہو گیا پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی۔

"اتمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ ڈگری ہو یا بیمہ پالیسی۔۔۔ سب سجتا ہے مجھ پر" سونیا نے استہزاء میں اسے دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا لیکن پھر عطیہ پر نگاہ پڑ گئی جن کا پورا وجود "درخواست خاموشی" بنا کھڑا تھا۔ سونیا چُپ رہ گئی۔ اتمش کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی کہ جیسے اس نے اس لڑکی کو شکست دے ڈالی ہو۔

☆.....☆.....☆

"بہت ڈبلی ہو گئی ہو عطیہ۔۔۔ اپنا خیال نہیں رکھتی نا؟" ماسٹر جی نے محبت سے بہن کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اصغر صاحب (سونیا کے والد) کھانا کھا کر واپس آفس چلے گئے تھے جبکہ مہناز جان بوجھ کر ٹھکن کا بہانہ کر کے لیٹ گئی تھیں تاکہ عطیہ اور ماسٹر جی کو تنہائی میں بیٹھ کر بات کرنے کا موقع مل سکے۔ تین سال بعد بہن بھائی کی ملاقات ہو رہی تھی۔ انہیں اندازہ تھا کہ سوڈ کھٹک جمع ہوتے ہیں جو بہنوں کا دل چاہتا ہے کہ بھائی ہی سُنیں۔ مہناز چاہتی تھیں کہ عطیہ اپنے منہ سے بھی بھائی کو بتائیں کہ وہ بیٹی کی شادی کے لئے پریشان ہیں اسی لئے وہ حُپ چاپ سونے چل دی تھیں۔

"کہاں بھائی جی۔۔۔ ہٹی کبھی ہوں۔۔۔ بس عمر کا تقاضا ہے۔۔۔ بوڑھی ہو گئی ہوں" انہوں نے چائے کے کپ میں کیتلی سے چائے

انڈیلتے ہوئے محبت سے بھائی کی بات کا جواب دیا تھا۔ چائے کی کینٹی پرنٹی کو زی مکی تھی جو کروٹیاں سے سونیا نے بنائی تھی۔ سونیا نے تو چائے ڈال کر معمول کے مطابق مک میں انڈیل کر ڈے میں سجاد نے تھے کیونکہ وہ لوگ چائے کے لئے مک ہی استعمال کرتے تھے۔ ٹی سیٹ کے ساتھ والے کپ چھوٹے ہوتے تھے اور ان کی چائے کی طلب کو پورا کرنے میں ناکام رہتے تھے لیکن عطیہ نے ضد کر کے دوبارہ سے چائے ٹی پاٹ میں ڈلوائی تھی۔ ساسرز کے ساتھ کپ رکھوائے تھے اور دودھ دانی اور چینی دانی بھی بلا ضرورت ڈے میں رکھ دی تھی۔ سونیا نے برتن دھوتے ہوئے اور چائے بناتے ہوئے ان سے ایک بات بھی نہیں تھی۔ وہ سخت ناراض تھی جبکہ فی الوقت عطیہ کی ساری توجہ صرف مہمانوں پر مرکوز تھی۔

”ارے ابھی تو میں بوڑھا نہیں ہوا۔ تم کیسے اتنی جلدی بوڑھی ہو گئی۔ تم تو چھ سال چھوٹی ہو مجھ سے۔“ ماسٹر جی نے اطمینان سے دیوان پر ٹانگیں چڑھا کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کی بیٹیاں نہیں نا بھائی جی۔۔۔ آپ تو بوڑھے ہو گئے بھی نہیں۔۔۔ میں بیٹیوں کی ماں وہ بھی تین تین بیٹیوں کی۔۔۔ میرا آپکا کوئی مقابلہ ہی نہیں“ عطیہ کے منہ سے بالا آخر وہ بات نکل ہی آئی جو وہ کب سے بھائی کو جتنا چاہ رہی تھیں۔ ماسٹر جی نے سر جھٹکا۔

”کیسی باتیں کرتی ہو عطیہ۔۔۔ آجکل تو بیٹیاں بیٹوں سے بڑھ کر ہو گئی ہیں۔ تم ہمارے اپنے گھر کا ہی حال دیکھ لو۔۔۔ میرے نکلے پیٹے کے مقابلے میں تمہاری تینوں بیٹیاں ماشاء اللہ زیادہ قابل ہیں۔۔۔ سیماب تھیں تو ماسٹر زان کیمسٹری اور گولڈ میڈلسٹ۔۔۔ میزاب نے فارمیسی میں آنرز کر کے سلور میڈل لیا اور پھر یہ سب سے چھوٹی تو سب سے قابل ہے۔۔۔ ایسی قابل بچیوں کی ماں کو تو یہ بات کہنی ہی نہیں چاہیے جو تم کہہ رہی ہو۔“ انہوں نے یہ بات واقعی دل سے کہی تھی۔ انہیں بہن کی تینوں بیٹیوں پر ہمیشہ ہی فخر محسوس ہوتا تھا۔

”آپکی بات تو ٹھیک ہے بھائی جی۔۔۔ بس کبھی کبھی پریشان ہو جاتی ہوں تو نکل جاتا ہے منہ سے۔۔۔ بیٹیاں تو واقعی قابل دی ہیں اللہ نے۔۔۔ لیکن بس یہ سونیا کا رشتہ میرے لئے بہت پریشانی بن گیا ہے۔۔۔ کہیں سلسلہ بنتا ہی نہیں ہے۔۔۔ اتنی منتیں مرادیں مانگ رکھی ہیں اس کے بر کے لئے۔ لیکن جانے کیا مسئلہ ہے کہ تاخیر ہوئی پٹی جا رہی ہے۔ کسی سے پوچھوایا ہے ہم نے۔۔۔ کہتے بندش ہے۔۔۔ رب ہی جانے“ انہوں نے بہت دھکی دل سے یہ باتیں بھائی کے سامنے کہی تھیں۔ ماسٹر جی کے چہرے کے تاثرات یکدم بدلے۔

”لا حول ولا۔۔۔ یہ بندش وندش کچھ نہیں ہوتی۔۔۔ اللہ کی مرضی ہے۔۔۔ تاخیر بھی اسکی جانب سے۔۔۔ تعجیل بھی اسکی جانب سے۔۔۔ بندے کی تو مرضی ہی نہیں ہوتی ایسے معاملات میں۔۔۔ مجھے یہ بتاؤ یہ کہیں لکھا ہے کہ اللہ نے اپنی مرضی کی بجائے ”گن“ بندے کی مرضی سے کہنا ہے۔۔۔ کیا وہ کسی سے پوچھ کر ”گن“ کہتا ہے۔۔۔ یہ بندش والی بات کہہ کر تم یہی ثابت کرنا چاہ رہی ہو نا کہ رب سوہنا تو ”گن“ کہنے کا ارادہ کیئے بیٹھا تھا لیکن یہاں زمین سے کسی بابے نے چھڑی گھما کر نعوذ باللہ رب کو روک دیا۔۔۔ بتاؤ ہے کسی کی اتنی اوقات کہ وہ رب کی ”گن“ میں رخنہ ڈالے“ ماسٹر جی کو بہن کی بات ذرا اچھی نالگی۔ عطیہ بھی لمحہ بھر کو چپ سی ہوئیں۔

”نعوذ باللہ۔۔۔ میں یہ تو نہیں کہہ رہی بھائی جی۔۔۔ اللہ معاف کرے مجھے۔۔۔ بے شک اسکی ”گن“ کو کون روک سکتا ہے۔۔۔ لیکن بیٹی کی ماں ہوں نا بھائی جی۔۔۔ ڈھکوسلوں میں جلدی آجاتی ہوں لوگوں کے۔۔۔ کیا بتاؤں لوگ کسی کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی جی۔۔۔ لڑکی کا رشتہ آجکل سب سے مشکل کام بن کر رہ گیا ہے ماں باپ کے لئے۔۔۔ ایسے ایسے سوال سننے کو ملتے ہیں اللہ کی پناہ۔۔۔ اب تو یہاں تک سننے کو ملنے لگا ہے کہ شاید بچی کماؤ ہوگئی ہے اسی لئے ماں باپ بیابانے کا اردہ ہی نہیں رکھتے۔۔۔ بہت باتیں کرتے ہیں لوگ بھائی جی ”وہ گلو گھیر سی ہوگئی تھیں۔۔۔ انہیں بڑی شرمندگی ہوئی تھی کہ وہ جذباتی ہوگئی تھیں۔۔۔ دوسری جانب ماسٹر جی کا دل بھی بہن کا چہرہ دیکھ کر بڑا ہی بے چین ہوا۔ مہناز بیگم درست ہی کہتی تھیں کہ عطیہ جب آس امید بھرے انداز میں ان سے یہ ذکر کرتی ہیں تو انکا دل چاہتا ہے فوراً سے پیشتر بیٹے کا رشتہ دے ڈالیں۔ ماسٹر جی کا بھی دل بہت زور سے چاہنے لگا کہ انکو کوئی تسلی اس ضمن میں دے ڈالیں لیکن بیٹے کی ضدی طبیعت سے بھی واقف تھے۔ وہ چند لمحے سوچتے رہے۔

کہ ایسا کیا کہیں کہ بہن کے دل کو چین آجائے مگر وہ خود بھی مجبور تھے۔

”لوگوں کی باتوں پر کان مت دھرا کرو میری بہن۔۔۔ لوگ تو بہانے ڈھونڈتے ہیں باتیں کرنے کے۔۔۔ وہ کریں بھی کیا بچارے۔۔۔ یہ ہماری قوی تفریح ہے۔۔۔ ہمارا قومی مشغلہ۔۔۔ پرواہ نا کرو۔۔۔ معاف کر دیا کرو لوگوں کو۔۔۔“ وہ بس اتنا ہی کہہ پائے۔ عطیہ بیگم کا دل ہی ٹوٹ گیا۔ انکا خیال تھا کہ ایسی جذباتی باتیں کر کے وہ بھائی کو مجبور کر دیں گی کہ وہ آج کے آج ہی بیٹے کا رشتہ دے ڈالیں لیکن وہ اس طرف آہی نہیں رہے تھے۔

”کیوں بھئی۔۔۔ کیوں معاف کرنا ہے کسی کو۔۔۔ ہم انسان ہیں کوئی فرشتہ تو ہیں نہیں۔۔۔ جو ہمارا دل دکھائے گا۔۔۔ ہم سے بھی منہ کی کھائے گا۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں لوگوں کی ہر الٹی سیدھی بات سننے کی۔۔۔ جو بھی کوئی الٹی سیدھی بات کرے۔۔۔ اس کو منہ توڑ جواب دیا کرو ”مہناز نے نکرے میں داخل ہوتے ہوئے شاید آخری بات ہی سنی تھی اس لئے چڑ کر بولی تھیں۔

”ایسی اچھی بیٹی ہے تمہاری۔۔۔ اسکو تو کوئی بھی خوشی خوشی اپنی بہو بنا کر لے جائے۔۔۔ جس گھر میں جائیگی چر اغاں کر دے گی۔۔۔ ایسی بچی کے لئے تو کوئی بھی خوشی خوشی جوتیاں گھسائے اپنی۔۔۔ کیوں ماسٹر جی۔۔۔“ وہ مکمل طور پر اسی گفتگو کو طول دینے کے موڈ میں تھیں لیکن عطیہ کو سمجھ ہی نا آئی۔

”ارے چھوڑو تم لوگوں کو۔۔۔ مجھے سنبھالنا آتا ہے سب کو۔۔۔ اتنی بھی معصوم نہیں ہوں میں اب۔۔۔ آؤ بیٹھو۔۔۔ تمہارے لئے چائے گرم کرواتی ہوں۔“ وہ ڈرے لے کر اٹھی تھیں اور باہر نکل گئی تھیں۔ مہناز کو ان پر جی بھر کر غصہ آیا۔

”ستیانا س ہو عطیہ تیرا۔۔۔ کیا جاتا اگر ایسی دو مزید جذباتی کر لیتیں بھائی کے سامنے۔۔۔ ویسے تو سارا دن ”میرا سلطان“ دیکھتی رہتی ہو۔۔۔ سیکھا خاک نہیں۔۔۔ وہاں ملائیں کیسے ایک پیا سا سلطان منٹ میں قابو کر لیتی ہیں تم سے۔۔۔ ایک بھائی نہیں قابو کیا جاتا

--- احمق --- مائیں بیٹیوں کے لئے کیا کیا نہیں کرتیں۔۔۔ تم دو ڈائلاگ نہیں بول سکتی تھیں۔۔۔ کیا جاتا اگر بھائی کے سامنے بیٹھ کر دو ڈکھڑے رو لیتی۔۔۔ شاید انکا دل پیسج جاتا۔۔۔ لیکن نہیں بھئی۔۔۔ نے تم کو یہ چائے سی والی مہمان نوازیاں۔۔۔ ضرور ہی منڈھے چڑھے گی یہ بیل اس طرح۔۔۔ "وہ دل ہی دل میں ہلکتی بھنتی ماسٹر جی کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ یہ ان ہی کی ضد اور اصرار کا نتیجہ تھا کہ ماسٹر جی نے اس طرح اچانک سا ہیوال آنے کا قصد کیا تھا۔ مہناز کا خیال تھا کہ ماسٹر جی اور بالخصوص التمش کو ایک دفعہ سو نیا کو ضرور دیکھنا چاہیے، اس سے بات کرنی چاہیے تاکہ وہ عقلمندی سے فیصلہ کر سکے لیکن انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ انکا یہ فیصلہ ان کے حق میں مزید خراب ثابت ہونے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

"یہ تم لوگوں کے پنڈ (گاؤں) میں کوئی نیٹ ورک ٹھیک نہیں آتا کیا۔۔۔ میں کب سے کبھی اس کارز، کبھی اس کارز سگنلز تلاش کرتا پھر رہا ہوں لیکن مجال ہے کہ کہیں کوئی سراہا تھ لگا ہو۔۔۔ اسی لئے مجھے یہ چھوٹے چھوٹے شہر پر بند ہی نہیں ہیں" التمش اپنے کمرے سے نکلتا ہوا لاؤنج میں آیا تھا۔ سو نیا کو بیٹھے دیکھا تو اسی سے پوچھ لیا ورنہ ارادہ تھا کہ پچھو سے اس مشکل کا حل دریافت کرے گا۔ کبھی گھنٹے ہو چلے تھے، اس نے زمین کو کوئی واٹس ایپ میسج نہیں کیا تھا اور اسے غصہ بھی تھا کہ زمین نے اتنی ناراضی دل میں رکھ لی تھی کہ ابھی تک میسج کر کے اسکا حال نا پوچھا تھا۔ اسے بہت بے چینی بھی ہو رہی تھی اور غصہ الگ آ رہا تھا اور غصے میں وہ ویسے بھی کافی بد لحاظ ہو جاتا تھا۔ سو نیا چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اسے اپنی امی سے شکوہ تھا۔ التمش سے اسکی کوئی ناراضی نہیں تھی۔ اس کے نزدیک ناراضی کا مطلب کسی پر حق جتنا ہوتا ہے، وہ التمش پر حق جمانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ وہ اس کے لئے اتنا اہم نہیں تھا لیکن شہروں کے متعلق اس کے طعنے اسے اچھے نہیں لگے تھے۔

"انتا تردد کرنے سے پہلے پوچھ لیتے کسی سے۔۔۔ قیمتی وقت بچ جاتا تھا۔۔۔ ویسے بھی تھک گئے ہو گے تم۔۔۔ بستر پر بیٹھ کر روٹیاں توڑنا آسان کام تو نہیں ہوتا۔ اچھی خاصی توانائی لگتی ہے بھئی۔۔۔ بڑے شہر کے بڑے سارے نواب صاحب "سو نیا نے ناک چڑھاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ آواز اتنی مدہم تھی کہ التمش تک مکمل طور پر پہنچی نہیں تھی لیکن سو نیا کے چہرے کے تاثرات ایسے ضرور تھے کہ وہ سمجھ ضرور گیا تھا کہ اس نے کوئی جملہ ہی گستا تھا۔

"ہیلو۔۔۔ کچھ پوچھا ہے بھئی میں نے۔۔۔" وہ چلا کر بولا تھا۔ سو نیا نے ناگواری بھرے انداز میں اسے دیکھا پھر بدقت خود پر قابو رکھتے ہوئے حمل سے بولی۔

"سگنلز نہیں آئیں گے۔۔۔ ابھی کوشش مت کرو۔"

"کیوں جی۔۔۔ کیا یہاں سگنلز بھی نایاب ہیں۔۔۔ سو نیا بی بی کی طرح۔۔۔ الگ تھلک "اس نے پرانے زمانے کے کسی چالیس سالہ ہیرو کی طرح" الگ تھلک "پر زور دیتے ہوئے گردن کو ہلکا کر تمسخرانہ مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا تھا۔ یہ کھلا طنز تھا۔ سو نیا کو بہت حیرت ہوئی۔ وہ اتنا طنز کیوں کرتا تھا۔ وہ دونوں ہی آپس میں زیادہ بات نہیں کرتے تھے لیکن معاملہ یہاں تک بھی کبھی نہیں پہنچا تھا کہ ان

کے درمیان اس طرح کی احمقانہ نوک جھونک ہوتی رہی ہو۔ پہلے کبھی انکی باضابطہ کوئی لڑائی جھگڑے والی نوبت آئی تو نہیں تھی لیکن اس دفعہ تو وہ طنز کرنے کا کوئی موقع جانے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔

”آج بارہ ربیع الاول ہے نا۔۔۔ لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال کی وجہ سے سکنز نہیں آئیں گے۔۔۔ ہو سکتا ہے ایک آدھ گھنٹے تک آجائیں“ اس نے اب کی بار واقعی تحمل اپنایا۔ وہ ان کے گھر مہمان تھا اور وہ بلا وجہ اسکو بے توقیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ اسکی تربیت نہیں تھی مگر وہ اسے غصہ دلا رہا تھا۔

”ایک آدھ گھنٹہ۔۔۔ اب اتنا صبر کون کرے۔۔۔“ وہ جل کر بولا۔ سونیا کو مزید برا لگا۔

”تمہیں ہی کرنا پڑے گا۔ ہم جیسی لوکل پبلک تو نہیں کرے گی نا کیونکہ بقول تمہارے تمہیں ہی سمجنا ہے سب کچھ۔۔۔“ وہ کندھے اچکا کر بولی تھی۔ التمش نے اسکی بات پر غور سے اسکی جانب دیکھا۔ کاؤچ کے اوپر وہ ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں موبائل تھا جبکہ ٹی وی پر کوئی کوئنگ پدو گرام لگا رکھا تھا۔ التمش کے دل میں جانے کیا سمجائی کہ اس کے سامنے والے سنگل کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

”بڑی معلومات ہیں میرے بارے میں آپ کو عرب عرف سونیا۔۔۔“ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر تمسخرانہ سی مسکراہٹ تھی۔ سونیا کو اسکا انداز بے حد برا لگا جیسے کوئی چھچھور اس شخص آپکو نیچا دکھانے کے لئے چیلنج کر رہا ہو۔

”یہ سمجھتا کیا ہے خود کو۔۔۔؟ میرا ہو گا تو اپنے گھر میں ہو گا۔۔۔ ہمیں کس لئے اتنا ایٹی ٹیوڈ دکھانا ہے“ اس نے جل کر سوچا تھا لیکن چہرے پر اسی کے جیسی تمسخرانہ مسکراہٹ سجائی تھی۔

”ہاں نا۔۔۔ میں تو سہی۔۔۔ کیوں۔۔۔ اس میں کوئی بری بات ہے کیا۔۔۔ کیا تم خود کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ تمہارے بارے میں کوئی معلومات رکھی جائیں“ وہ اتنا کہہ کر لچر بھر کے لئے رکی پھر دوبارہ اسی انداز میں بولی۔

”آئی ایم سوری۔۔۔ یہ بات مجھے پتا نہیں تھی۔۔۔ اب تو رکھ لیں میں نے تمہارے بارے میں معلومات۔۔۔ لیکن میں آئندہ احتیاط کر دوں گی“ یہ ایک انتہائی تلخ جملہ تھا۔ التمش کی مردانہ انا کو ٹھیس تو بہت پہنچی کیونکہ وہ توقع کر رہا تھا کہ جیسی دھان پان سی وہ نظر آتی ہے، گفتگو بھی ایسی ہی کرتی ہوگی لیکن اس کے کاری دار نے التمش کو سمجھا دیا تھا کہ اس کی توقعات بالکل غلط ہیں۔

”سوال یہ نہیں ہے کہ میں کس قابل ہوں۔۔۔ سوال یہ ہے کہ تم میرے بارے میں معلومات رکھ کیوں رہی ہو۔۔۔ کوئی آپیشل ریزن۔۔۔ کچھ انٹرسٹ ہے تمہارا مجھ میں۔۔۔؟“ اس نے پھر اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا اور اپنی جانب سے سارا بدلہ لے لیا تھا۔

سونیا کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا۔ اس کے سرے بدن میں خون کی روانی تیز ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اسکے چہرے کا رنگ سرخ ہونے لگا تھا۔ اسکا دل چاہا اس شخص کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ دے مارے۔ وہ خود کو سمجھتا کیا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک دم سے اس بدتمیزی کا کیا جواب دے اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی۔ التمش کے موبائل کی پیپ تین چار بار مسلسل بجی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ارے سنگتو تو آرہے ہیں۔۔۔ اچھا ڈیئر کزن۔۔۔ تم سے ذرا بعد میں بات کرتا ہوں۔۔۔ ابھی ذرا کچھ ضروری، انتہائی ضروری کام بنالوں۔۔۔ تب تک تم بھی کوئی نئی قسم کی بریانی سیکھ لو۔۔۔ وہ الگ تھلک والی تو بھائی فلاپ کر دی ہم نے۔۔۔ اب ہمیں متاثر کرنا ہے تو کچھ اپیش کرنا پڑے گا۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ عام سی بیکار چیزیں مجھے بالکل نہیں بھاتیں“ وہ ایک ایک لفظ کو بتانے والے انداز میں کہہ کر، طنزیہ ہنسی ہنستا باہر نکل گیا تھا۔ سونیا کے سارے چہرے سے جیسے آگ نکلنے لگی تھی۔ وہ بہت دھیے مزاج کی لڑکی تھی لیکن اس لمحے اسے جانے کہاں سے بس غصہ آئے چلا جا رہا تھا۔ ٹی وی پر کوئنگ شو میں ”دم پخت بریانی“ تیار ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میزاب کیسی ہے۔۔۔ اس نے دوبارہ کوئی خوشخبری دینی ہے کہ نہیں؟۔۔۔ وہیں سات سالوں سے اسی سکور پر کھڑی ہے۔۔۔“ وہ دونوں فراغت سے کام بننا کر سب کو کھانا وغیرہ کھلا کر بیٹھی تھیں۔ اب یہ وقت تھا کہ وہ دونوں پرانی باتیں یاد کرتیں، ایک دوسرے کو بچپن کی باتیں یاد دلاتیں۔۔۔ عہد رفتہ کی کوئی یاد تازہ کرتیں۔

”اسکو تو بہت سمجھاتی ہوں میں کہ یہی وقت ہے ایک اور بے بی لے لے۔۔۔ سیماب کے ماشاء اللہ تین بچے ہو گئے ہیں اسکا ایک ہی بیٹا ہے۔۔۔ سات سال کا ہو چکا ہے ماشاء اللہ۔۔۔ مگر۔۔۔“ وہ حُپ سی ہوئیں تو مہناز نے استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

”کہتی ہے اب کی بار میں یہ غلطی نہیں کروں گی۔۔۔ پہلی بار میں حشر ہو گیا تھا میرا۔۔۔ کہتی ہے اکیلے مجھ سے نہیں سنبھالا جاتا چھوٹا سا بچہ۔۔۔ اور فرماتی ہے اگر آپ وعدہ کریں کہ آپ کینیڈا آئیں گی میرے پاس تو پھر کچھ سوچ سکتی ہوں۔۔۔ ورنہ تو یہ ایک ہی بہت ہے۔۔۔ اب تو جاب بھی کر رہی ہے۔۔۔ بیٹے اور شوہر کے ساتھ ہی نکل جاتی۔۔۔ شام کو بیٹے کو اسکول سے لے کر گھر آ جاتی ہے۔۔۔ شکر ہے رب کا خوش باش میں بڑی دونوں اپنے گھر میں۔۔۔ (گہری لمبی سانس) مسئلہ تو بس اس چھوٹی والی کا ہے۔۔۔ اس کے لئے ہلان ہوئی جارہی ہوں بس۔۔۔“ انہوں نے مہناز کی جانب دیکھا پھر نظریں سی پڑا لیں کہ وہ کہیں آنکھوں میں چھپی غرض کو خود غرضی نا سمجھ لیں۔ مہناز بس حُپ چاپ انکا چہرہ دیکھتی رہیں، کچھ سوچتی رہیں۔

”تو تم چلی جاؤ نا اس کے پاس چھ ماہ سال کے لئے۔۔۔“ انہوں نے مشورہ دیا تھا۔

”ارادہ تو کیا ہے۔۔۔ اور اب تو ویزہ بھی مل سکتا ہے۔۔۔ وہ آرام سے نکلوا سکتی ہے۔۔۔ ان کو پاپیورٹ مل چکا ہوا ہے نا۔۔۔ وہ تو کہتی ہے آپ ایک بار ہاں نہیں تو آپ کو اور ابو دونوں کو بلوالیتی ہوں۔۔۔ لیکن وہی بات۔۔۔ سونیا کا کہیں سلسلہ بنے تو یہ ہامی بھروں نا۔۔۔ اسے کہاں چھوڑ دوں گی۔ اب اپنی ایک بچی کی خاطر دوسری کو تو یہاں نہیں چھوڑ سکتی نا۔۔۔ دعا کرو مہناز اس کا کوئی جلد سلسلہ بنے تو میری جان کو سکون ہو جائے۔۔۔ بڑی پریشانی ہے مجھے“ وہ بیچارگی سے بولی تھیں یعنی اگر التمش کی زبان پر بھروسہ کیا جاتا تو مسئلہ واقعی ”چارفٹ دس انچ“ کا تھا۔ مہناز حُپ چاپ انکا چہرہ دیکھتی رہیں۔ وہ اپنی بیٹی کی بار بار اس طرح بات کرتی کتنی معصوم لگتی تھیں۔ وہ باتیں جو وہ بھائی کے سامنے

کرتے جھجھک جاتی تھیں، سہیلی ہونے کے ناطے ان کے سامنے کتنے آرام سے کر رہی تھیں۔ یہ انکا بھروسہ ہی تو تھا۔ مہناز کا دل پہنچ سا گیا اور یہی وہ موقع تھا جب انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا اور خطرناک فیصلہ کر ڈالا تھا۔

”عطیہ۔۔ دیکھو۔۔ گھما پھرا کر بات اس کے سامنے کرے انسان جو غیر ہو۔۔۔ تم سے بڑھ کر تو اس سارے خاندان میں کوئی نہیں ہے میرا۔ تم میری بہن پہلے ہو۔۔۔ سہیلی بعد میں اور سہیل تو کہیں بہت بعد میں ہوتی ہو۔۔۔ تم سے تو میں بناؤ کوئی بھید بھاؤ رکھے ہر بات کر سکتی ہوں“ وہ تمہید باندھ رہی تھیں۔ ان کے ہر جملے پر عطیہ کا دل ہچکولے لینے لگا۔ وہ انہی مرضی کی بات کریں گی یا نہیں، یہ سوچ سوچ کر انہیں خفیت سے جھٹکے لگنے لگے تھے۔

”عطیہ۔۔۔ مہناز نے انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ عطیہ کو لگا اب کی بار تو وہ ضرور ہی ان کے دل کی مراد زبان پر لے آئیں گی“ پریشان مت ہوا کرو۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائیگا۔۔۔ اللہ نے سب کا جوڑ بنا رکھا ہوتا ہے۔۔۔ جلد یا بدیر۔۔۔ تم دیکھنا سو نیا کے لئے کوئی بہت ہی بہترین شخص مل جائیگا انشاء اللہ“ عطیہ کا منہ تک کڑوا ہو گیا یعنی وہ ان کے دل کی بات ابھی بھی نہیں کرنے والی تھیں۔

”ہاں جی ضرور۔۔۔ اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے مجھے“ انہوں نے دل ہی دل میں جلنے بھننے کے باوجود تحمل سے ہی کہا تھا۔ بیٹیوں کی ماں تھیں، اتنا تجربہ تو ہو چکا تھا کہ تحمل کیسے برقرار رکھتے ہیں۔ مہناز مسکرائیں۔

”لیکن اگر تم کو بہترین شخص نہیں چاہیے۔۔۔ اور تمہارا معیار ذرا گر چکا ہے تو۔۔۔“ وہ پھر لمحہ بھر کو رکیں۔

”میرا نکما بیٹا حاضر ہے۔۔۔ ویسے تو اس میں کوئی بھی قابلِ فخر بات نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ میرا بیٹا ہے۔۔۔ لیکن تم اپنے بھائی کا لحاظ رکھتے ہوئے اسکو اپنی فرزندگی میں قبول کر لو تو میں اسے ساری زندگی کے لئے تمہارا احسان سمجھوں گی۔“ مہناز نے آنکھیں منکارتے ہوئے کہا تھا۔ عطیہ کی جیسے سانس میں سانس آگئی۔ انکا دل چاہا مہناز کے سامنے رو ہی پڑیں۔

”مہناز۔۔۔ تم سچ کہہ رہی ہونا۔۔۔“ انہوں نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ ان سے پوچھا تھا۔

”ہاں۔۔۔“ وہ مصنوعی جھلاہٹ سے بولیں۔

”اگر تم نے تمہیہ کر ہی لیا کہ ہے تمہیں اپنی بیٹی کی بھلائی عزیز نہیں ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔۔۔ تم خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا چاہتی ہو تو میں کیا کر سکتی ہوں“ وہ شرارتی ہو رہی تھیں۔ عطیہ نے انکو گلے لگایا اور دوسرے بھینچتے ہوئے بولیں۔

”تمہیں کیا پتا تم نے کیسے مجھے سکون پہنچایا ہے۔۔۔ میری دیرینہ خواہش پوری کر دی ہے تم نے مہناز۔۔۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ آتش کتنا عزیز ہے مجھے۔۔۔ میرے لئے تو وہ شہزادے سے بڑھ کر ہے۔۔۔ تم خواغخواہ میرے بچے میں کیڑے مت نکالو۔۔۔ ایسا اچھا بچہ ہے وہ کہ جس لڑکی کا نصیب بنے گا، وہ ملکہ بن جائیگی۔۔۔ میری بیٹی کے تو بھاگ جاگ اٹھیں ہیں مہناز۔۔۔“ عطیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کو گود میں اٹھا کر گول گول گھما ڈالیں۔ مہناز نے ان کی گرجوشی کو پورے غلوں سے محسوس کیا تھا۔

”اچھا میری بات سنو۔۔۔ دیکھو یہ بات فی الحال تمہارے اور میرے درمیان ہی رہے گی۔۔۔ میں اتمش کی پڑھائی اور پھر جاب ہو جانے سے پہلے سے یہ قصہ نہیں چھیڑنا چاہتی تھی۔ سونیا اتنی اچھی بچی ہے۔۔۔ اس کے اعتماد کے لئے ضروری ہے کہ جس شخص سے وہ شادی کر رہی ہے وہ ایک قابل فخر جاب تو کرتا ہو۔۔۔ اور میرا بیٹا تو فی الحال ویلا نکمبا بے روزگار ہے۔۔۔ اس لئے میں ابھی تک چپ تھی کہ ذرا یہ مسئلہ مجھے تو تم سے کوئی بات کروں لیکن تمہاری پریشانی بھی مجھ سے دیکھی نہیں گئی۔۔۔ تو میں خود کو روک نہیں پائی لیکن جب تک میں نہیں کہو گی۔۔۔ وعدہ کرو کہ تب تک یہ بات کسی سے نہیں کرو گی۔۔۔ مناسب وقت پر ہم یہ بات سب کو بتا دیں گے لیکن اس سے پہلے یہ ہم دونوں سہیلیوں کے درمیان راز رہے گی“ وہ سہیلی کو تسلی دیتے ہوئے بولی تھیں۔ عطیہ ان کے موافق اور رائے پر مطمئن ہو گئی تھیں اسی لئے سر ہلایا۔

”اچھا۔۔۔ اب ذرا ایک بات اور سن لو۔۔۔ ذرا تسلی سے سننا اور پریشان مت ہونا“ انہوں نے ان کے قریب ہوتے ہوئے کہا تھا عطیہ خاموشی سے انکی بات کو سننے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”آگئیں آپ۔۔۔ کرلیں میری اور میرے بیٹے کی چغلیاں اپنی سہیلی سے۔۔۔“ مہناز نے کمرے میں قدم رکھا تو ماسٹر جی نے انہیں چڑاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ کھلا ہوا چہرہ لئے ان کے پاس بستر پر آئی تھیں۔ عطیہ سے بات کر کے وہ کافی مطمئن ہو گئی تھیں اگرچہ جانتی تھیں کہ یہ مسئلہ کافی گھمبیر ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی انہوں نے بیٹے کا پرو پوزل دے ڈالا تھا۔

”آپکی چغلیاں کیوں کرو گی۔۔۔ میں تو بس حقیقت ہی بتا رہی تھی آپکی بہن کو کہ ماسٹر جی اور انکا بیٹا کس قدر تنگ کرتے ہیں مجھے۔۔۔ اسکو سمجھا رہی تھی کہ پریشان نا ہوا کرے۔۔۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد سونیا کے لئے کوئی بہترین سہیل بنا دیں گے انشاء اللہ۔۔۔“ وہ تفصیل بتا رہی تھیں۔ ماسٹر جی کو بھی بہن کا سمجھا سمجھا ہوا چہرہ یاد آ گیا تھا۔

”عطیہ تو سٹھیا گئی ہے۔۔۔ ایسے تھوڑی پریشان ہوتے ہیں کسی بھی بات کے لئے۔۔۔ مل جائیگا رشتہ بھی۔۔۔“ ماسٹر جی کے موقف میں ذرا تبدیلی نہیں آئی تھی۔

”جان بوجھ کر تو کوئی بھی پریشان نہیں ہوتا ماسٹر جی۔۔۔ وہ ماں ہے۔۔۔ مائیں ایسے معاملات میں جلدی پریشان ہو جایا کرتی ہیں۔۔۔ مسئلہ یہ بھی ہے کی میز اب اسے اور اصغر بھائی کو کینیڈا بلوانا چاہ رہی ہے۔۔۔ عطیہ اس لئے بھی کچھ محنت دکھا رہی ہے کہ جانے سے پہلے محراب کا مسئلہ حل کر لے۔۔۔ تاکہ سکون سے وہاں سال چھ مہینے رہ سکے“ مہناز انہیں تفصیل بتاتے چلی جاتی تھیں۔ ماسٹر جی سر ہلارہے تھے لیکن انہیں اس سارے قصے میں ابھی تک کوئی بات غور طلب لگی نا تھی۔ وہ مرد تھے ان کے لئے بچوں کے رشتے میں دیو سوار ایک بہت عام سام مسئلہ تھی۔ ہر گھر میں یہ سب ہی ہو رہا تھا۔ جوان ہوتے سب ہی بچوں کے والدین اس قسم کے مسائل کی وجہ سے ہلکان ہوئے جا رہے تھے۔ وہ اپنی اہلیہ اور بہن کی طرح اس ذرا سی بات پر پریشان نہیں ہو سکتے تھے۔

”مجھ سے نہیں دیکھی جاتی عطیہ کی یہ پریشانی۔۔۔ دل چاہتا ہے کہ فوراً سے پیش تر اس کا یہ مسئلہ حل کر دوں۔۔۔ بھلا اپنے ہی اپنوں کے کام نا آئیں گے تو فائدہ بہن بھائیوں کا۔۔۔ اور ویسے بھی ہم یہاں صرف بریائی کو فتنے کھانے تو آئے نہیں ہیں۔۔۔ ہم تو ایک خاص مقصد کے لئے آئے ہیں۔۔۔ ہیں ناماسٹر جی۔۔۔ آپ ہی بتائیں میں کوئی غلط کہہ رہی ہوں۔۔۔“ انہوں نے کہتے ہوئے ماسٹر جی کا چہرہ بھی دیکھا تھا۔

”نہیں جی۔۔۔ آپ نے آج تک کبھی کوئی غلط بات کی بھی ہے۔۔۔ یہ تو ہمارے خاندان کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا کہ کسی بیوی نے کوئی غلط بات کی ہو۔۔۔ یہ صرف شوہروں کے نصیب میں لکھا ہے“ وہ انکی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے شرارتی انداز میں بولے تھے

مہنازا ان کی جانب مڑتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

”ہاں جی۔۔۔ مجھے پتا تھا آپ یہی کہیں گے۔۔۔ اسی لئے میں نے آپکی منشاء و مرضی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عطیہ کی بیٹی کو اپنے بیٹے کے لئے مانگ لیا ہے۔۔۔“ انہوں نے انکشاف کر ڈالا تھا۔ ماسٹر جی کو خیف سا جھٹکا لگا۔ وہ سمجھے مہنازا مذاق کر رہی ہیں۔

”اب اتنی بیوقوفی کی امید بھی نہیں ہے مجھے آپ سے۔۔۔ یہ غلطی نہیں کر سکتیں آپ۔۔۔“ وہ مسکرائے تھے لیکن اندر سے انکا دل جھکولے لینے لگا تھا۔

”اس میں غلطی والی کیا بات ہے ماسٹر جی۔۔۔ بحیثیت ماں کیا میرا حق نہیں ہے کہ میں اپنے بیٹے کے لئے بہترین کا انتخاب کروں۔۔۔ سو میں نے یہی کیا ہے۔۔۔ میں تو اسے غلطی اور بیوقوفی نہیں مانتی۔۔۔“ وہ اطمینان سے بولی تھیں اگرچہ انکو پتا تھا کہ اتمش کو منانا ان کے لئے ایک بہت مشکل کام ثابت ہونے والا تھا اور انکی پچھائی بساط الٹی بھی پڑ سکتی تھی لیکن وہ جو کر آئی تھیں فی الوقت اس پر مطمئن اور فاتحانہ انداز میں شوہر کو بتانا اپنا فرض سمجھ رہی تھیں۔ انکا حق و دق چہرہ دیکھ کر وہ مزید بولیں۔

”بحیثیت ماں یہ میرا فرض تھا ماسٹر جی۔۔۔ سو میں نے عطیہ کو تسلی دے دی ہے کہ فکر نا کرے۔۔۔ میرا بیٹا اس کا ہی ہے“ مہنازا کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا جیسے اپنی چال چل کر اب جیت کے لئے بالکل پُر عزم ہو چکی تھیں۔ ماسٹر جی سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

”یہ کیا کر دیا آپ نے بی بی۔۔۔ آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آپکو میری بہن کو جھوٹی تسلی دینے کی ضرورت تھی۔۔۔“ مہنازا نے انکی بات کاٹ دی۔

”جھوٹی تسلی کیوں دوں گی۔۔۔ آپ جانتے ہیں میں جھوٹ نہیں بولتی۔۔۔ یہ میری عادت نہیں ہے“ اب کی بار ان کے چہرے پر جھلکنے والے عزم نے ماسٹر جی کو باور کروادیا تھا کہ انکی اہلیہ وہی کر بیٹھی ہیں جس کا خدشہ تاتا رہا تھا انہیں۔

”بی بی۔۔۔ آپکو یہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ جانتی ہیں یہ کوئی جھوٹی سی بات نہیں ہے۔۔۔ یہ آپ کے بیٹے کی زندگی بھر کا مسئلہ ہے۔۔۔“

”اسی لئے تو میں اتنی پرسکون ہو گئی ہوں ماسٹر جی۔۔۔ میں نے اپنے بیٹے کے لئے ایک بہترین فیصلہ کیا ہے۔۔۔ ساری زندگی ا

حسان مندر ہے گامیرا" وہ واقعی بدسکون ہو گئی تھیں۔ ماسٹر جی نے سمجھتی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔

"وہ تو احسان مندر ہے گا۔ لیکن اسکے بارے میں سوچا ہے جو ساری زندگی آپکو کستی رہے گی۔ کسی کی بچی سے دشمنی لینے کا فائدہ۔۔۔ کہاں کا جوڑ کہاں ملانے کی بات کر رہی ہیں آپ۔۔۔ زمین آسمان جتنا فرق ہے دونوں کی طبیعتوں میں۔۔۔ وہ بچی کیسے گزارا کرے گی آپکے پیٹے کے ساتھ۔۔۔ یہی سوچ لیتیں آپ۔۔۔ وہ سخت ناراض تھے۔

"سب سوچ لیا ہے میں نے ماسٹر جی۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائیگا ماسٹر جی۔۔۔ دیکھئے گا دونوں بچے ایک دوسرے کے ساتھ بہترین زندگی گزاریں گے" مہناز نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"جب سب سوچ لیا ہے تو کیجئے گا بھی خود۔۔۔ مجھ سے یہ امید مت رکھئے گا کہ میں اس معاملے میں آپکی کوئی مدد کرونگا" ماسٹر جی سخت بڑا منکر بولے تھے۔ مہناز نے چند لمحے انکی شکل دیکھی پھر اطمینان سے سر ہانہ میدھا کیا، بستر پر دراز ہوئیں اور لحاف اوپر تک چڑھا لیا۔

"آپ سے امید نا ہوتی تو یہ قدم کبھی نا اٹھاتی۔۔۔ آپ کس نفسی سے کام مت لیجئے۔۔۔ میں جانتی ہوں آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔۔۔ اور آپکو ہی کرنا ہے۔۔۔" لحاف کے عقب سے وہ بولی تھیں۔ ماسٹر جی کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ انہیں بے حد غصہ آنے لگا تھا اور غصے میں وہ ہمیشہ خاموش ہو جایا کرتے تھے۔ وہ کچھ دیر اسی طرح لحاف میں چھپی اپنی اہلیہ کی جانب دیکھتے رہے پھر کچھ سمجھ میں نہیں آئی تو بستر سے قدم نیچے رکھے تھے اور بڑبڑاتے ہوئے باہر چل دئے تھے۔

"میں کیا کر سکتا ہوں۔۔۔ سمجھانا آپکو مشکل ہے تو سمجھانا آپ کے پیٹے کو بھی آسان نہیں ہے بی بی۔۔۔ جیسی ضدی ماں ویسا ضدی بیٹا۔۔۔ یہ غریب ماسٹر کیا کر سکتا ہے۔۔۔ اونہہ بتاؤ جب اسکی مرضی ہی نہیں ہے تو کسی کی بیٹی کو مشکل میں ڈالنے کا فائدہ۔"

☆.....☆.....☆

"سونیا۔۔۔ میری بچی۔۔۔" عطیہ اس کے کمرے کے اندر داخل ہوئی تھیں اور اسے بانہوں میں بھر لیا تھا۔ وہ اسکا منہ اور ماتھا چوم رہی تھیں۔ انہوں نے بالکل دھیان نہیں دیا تھا کہ انکی بیٹی کی آنکھیں نم اور چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔

"مجھے تو خوشی کے مارے نیند نہیں آرہی۔۔۔ تم کیوں جاگ رہی ہو اب تک۔۔۔ کیا کر رہی ہو یہاں بیٹھی۔" انہوں نے اسی طرح اسے بانہوں میں قید کئے ہوئے سوال کیا تھا۔ سونیا نے اپنا آپ چھڑوا کر انکی جانب دیکھا اور چڑ کر بولی۔

"رورہی ہوں" عطیہ نیگم نے اس کے چلتے ہوئے جملے کو بالکل بھی اہمیت نہیں دی تھی۔

"ارے میری چندا۔۔۔ رونے کے دن چلے گئے۔۔۔ اب خوش ہونے کے دن شروع ہو گئے ہیں۔۔۔ اب بس تم اپنی قسمت پر ناز کیا کرنا۔۔۔ فخر کیا کرنا اپنے نصیب پر" وہ بے پناہ خوش تھیں۔

"کیوں۔۔۔ اب ایسا کیا ہو گیا ہے۔۔۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔ عطیہ نے کچھ کہنا چاہا پھر جانے کیسے خود پر ضبط کر لیا تھا۔

”وہ تو میں تمہیں وقت آنے پر بتا دوں گی۔۔۔ ابھی ذرا میں نوافل پڑھ لوں۔۔۔ بیانے کہتے ہیں جب بہت زیادہ خوشی ملے تو شکرانے کے نوافل ضرور ادا کرنے چاہئیں۔۔۔ بس میں یہ کام کراؤں۔۔۔ پھر اپنی بچی کا صدقہ اتارتی ہوں“ وہ جیسے آٹا فانا آئی تھیں ویسے ہی باہر نکل گئیں۔ سونیا نے ان کے آنے کی پرواہ کی تھی نا جانے کی۔۔۔ اس کا دل بس بے حد بچھا ہوا تھا۔ اسے ہر شخص پر، ہر چیز پر غصہ آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ناراض ہو گئی ہو۔۔۔“ وہ بہت ہی دھیمی آواز میں بولا تھا۔ سگنلز کے ٹھیک ہوتے ہی وہ باہر لان میں آگیا تھا کیونکہ نیٹ ورک آ تو گیا تھا لیکن سگنلز ابھی بھی ویک تھے۔ اس کا خیال تھا کہ باہر کھلی فضا میں کال کوالٹی کسی قدر بہتر ہوگی۔ زمین نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ آتش خاموشی سے اس کی خاموشی کو محسوس کرتا رہا پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی۔ اس نے اس کا فون تو اٹھا لیا تھا لیکن ناراضی کے اظہار کے طور پر کچھ بول نہیں رہی تھی۔

”اوہم آئی ایم سوری۔۔۔ مجھے سمجھ میں آگیا کہ تم خاموش کیوں ہو۔۔۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ تم نماز پڑھ رہی ہو۔۔۔ چلو ایسا کرو تم نماز پڑھ لو۔۔۔ میں دوبارہ فون کر لوں گا“ اس نے اتنا کہا اور فون ٹھک سے بند کر دیا۔ ایک لمحہ بھی نہیں گزر رہا تھا کہ زمین کا نام اور اس کا نمبر اس کے فون کی اسکرین پر چمکنے لگا تھا۔

”میں نماز نہیں پڑھ رہی تھی۔۔۔“ وہ اس کے فون اٹھاتے ہی چلا کر بولی تھی۔

”اوہو۔۔۔ تو اس میں ایسی کوئی فخر کی بات ہے کہ اتنا چلا کر اظہار کیا جائے۔۔۔ نماز تو پڑھنی چاہیے تمہیں۔۔۔ کچھ نہیں سکھایا تمہیں تمہاری اماں نے۔۔۔ سب مجھے ہی سکھانا پڑے گا کیا“ وہ شریر سے انداز میں بولا تھا۔

”تم اتنے بدتمیز کیوں ہو آتش۔۔۔“ وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

”آتش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ بدتمیزی سمجھتی ہے مجھ پر۔۔۔ کتنی بار تو بتا چکا ہوں۔۔۔ بار بار کیوں پوچھتی ہو۔۔۔“ وہ ہنستا تھا۔ وہ ایک بار پھر حُب سی ہو گئی۔

”اچھا اب دوبارہ نماز کی نیت باندھ لی ہے کیا۔۔۔ دیکھو پہلے مجھ سے بات کر لو۔۔۔ پھر اطمینان سے نماز پڑھ لینا۔۔۔ ویسے بھی میں کوئی فارغ تھوڑی ہوں۔۔۔ اپنی متوقع سسرال آیا ہوا ہوں۔۔۔ اتنی آؤ بھگت ہو رہی ہے میری۔۔۔ میرے پاس ہر ایرے غیرے سے بات کرنے کا وقت نہیں ہے“ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا تھا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ تم کرواؤ آؤ بھگت۔۔۔ بند کر دیتی ہوں میں فون۔۔۔“ اس نے مجھے ہوئے انداز میں اتنا ہی کہا تھا کہ آتش نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اوہو۔۔۔ اب بس بھی کرو زمین۔۔۔ کیوں ناراض ہو رہی ہو۔۔۔ اچھا بتاؤ۔۔۔ کیا چاہتی ہو۔۔۔ کیا آجاول ابھی واپس۔۔۔؟“ وہ

زنج سا ہو کر بولا تھا۔

”ہاں آجاؤ۔۔۔“ زرین نے کہا۔ اتمش ہنسا تھا۔

”ہیں۔۔۔ فلموں میں تو ہیروئن ایسی بات کے جواب میں فوراً سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چپ کر جاتی ہے لیکن تم چپڑ چپڑ باتیں ہی کتنے جارہی ہو“ وہ ہنس کر بولا لیکن زرین کچھ نہیں بولی تھی۔

”اچھا تم کہتی ہو تو آجاتا ہوں لیکن یاد رکھنا ماسٹر جی نے پوچھا تو یہی کہوں گا کہ تم نے بلایا ہے۔۔۔ وہ خواہ مخواہ تمہارے بارے میں غلط ملاحظہ سوچتے رہیں گے کہ شاید انکی بہو کو پھپھو کے گھر آنا جانا پسند نہیں ہے۔۔۔ تمہارا امپریشن ہی خراب ہوگا۔۔۔“ وہ اسے ڈرا رہا تھا۔ زرین نے اسکی بات سن کر تاسف سے ٹھنڈی لمبی آہ بھری تھی۔

”میرا امپریشن تو پہلے ہی خراب ہے۔۔۔ وہ مجھے پسند ہی نہیں کرتے۔۔۔ اگر کرتے ہوتے تو اپنی بھتیجی سے ملنے اس طرح آنا فانا نا گئے ہوتے۔۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ میری دال کبھی گلنے والی ہے۔۔۔ تمہارے پیرٹس مجھے اچھا نہیں سمجھتے۔۔۔ مجھے پتا ہے“ وہ بہت زود ورنج ہو رہی تھی۔ اتمش کا دل اس کے انداز بد تڑپ اٹھا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے زرین۔۔۔ وہ تمہیں کیوں اچھا نہیں سمجھیں گے۔۔۔ تمہیں خود پر اعتماد نہیں ہے۔۔۔ بہت کرنے والے پیرٹس ہیں میرے۔۔۔ وہ بہت محبت کرنے والے ساس۔۔۔ سر ثابت ہو گئے۔۔۔ تم دیکھ لینا۔۔۔ بالخصوص ماسٹر جی۔۔۔ وہ تمہیں تمہارے فادر سے زیادہ چاہیں گے۔۔۔“ وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

”اتمش۔۔۔ مجھے جھوٹی تسلیاں مت دو۔۔۔ بس یہ بتادو۔۔۔ تم لوگ اس طرح اچانک کیوں گئے ہو اپنی پھپھو کے گھر۔۔۔ کہیں تمہاری امی پروپوزل لے کر تو نہیں گئیں۔۔۔ دیکھو اگر ایسا کچھ ہے تو مجھے بتادو پلیز۔۔۔ میرا دل اتنا ڈرا ہوا ہے نا۔۔۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔۔۔ مجھ سے چھپاؤ مت“ اس کے لہجے میں جوئی تھی وہ اتنی دور بیٹھے اتمش نے اپنی آنکھوں میں محسوس کی تھی۔

”ارے۔۔۔ خواہ مخواہ پروپوزل لانی ہوئی امی۔۔۔ میں راضی ہی نہیں جب اس بات پر۔۔۔ مجھے پسند ہی نہیں انکی پسند تو میری مرضی کے بناء کیوں پروپوزل دیں گی وہ۔۔۔“ وہ ناصحانہ انداز میں بولا تھا۔

”مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تمہاری امی تمہیں پریش آتو نا کر لیں۔۔۔ کہیں تمہیں فلموں والی امیوں کی طرح دودھ نا بخشنے والے قسم کے طعنے دے کر اپنی بات منوانا لیں۔۔۔“ زرین نے اتنا ہی کہا تھا کہ اتمش نے اسکی بات کاٹ دی۔

”اوہ۔۔۔ ہیلو۔۔۔ بی بی۔۔۔ اتنی فلمی امی نہیں ہیں میری۔۔۔ ہم نے بس انکا نام ہی جو دھا بانی رکھا ہوا ہے۔۔۔ وہ سچ مج کی جو دھا بانی نہیں ہیں۔۔۔ اسلئے یہ اسٹوڈ باتیں دل سے نکال دو کہ امی مجھے طعنے دیں گی۔۔۔ یا ماسٹر جی گن پوائنٹ پر مجھ سے کسی کانفڈ پر سکنچر کروالیں گے“ وہ اپنے مخصوص انداز میں چڑ کر بولا تھا۔

”مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔۔۔ چلتے پھرتے میرے ذہن میں بس ایسے ہی سین آرہے ہیں۔۔۔ جس میں تمہاری حسین و جمیل کزن دہن بنی فخریہ جلانے والے انداز میں مجھے گھور رہی ہے۔۔۔ اور تم بس اسکو دیکھ دیکھ کر مسکراتے جا رہے ہو“ زرمین نے اپنا خندہ بیان کر ہی ڈالا تھا۔

”واہ بھائی۔۔۔ تمہارے خوابوں کی کیمرو کوریج تو بڑی زبردست ہے۔۔۔ وہ سب بھی دیکھا رہے ہیں تمہیں جس کا ہم نے دور دور تک گمان بھی نہیں کیا۔۔۔ یعنی یہاں تک کھسک گیا ہے تمہارا دماغ“ اتمش اسے چڑاہی رہا تھا۔ لان میں موسم بہت اچھا تھا۔ اسے کراچی کی نسبت وہاں کا موسم پسند آیا تھا۔ اوائل مئی کے دن تھے لیکن ہوا میں ملائم سی خشکی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دوڑکھیں بارش برستی رہی تھی۔ اسکا موڈ خوشگوار سا ہو گیا تھا۔ زرمین کی بے چینی تڑپ اور استحقاق اسے عجیب سا حوصلہ بخش رہا تھا۔ سارے دن کی کسمندی جیسے غائب ہو گئی تھی۔

”مجھے تم بس یہی جلی پٹی سنا تے رہنا۔۔۔ اور وہاں حسین و جمیل کزن کے ساتھ بیٹھ کر مستقبل کی پلاننگ کر رہے ہو گے“ وہ جل کر بولی تھی۔

”ہاں۔۔۔ یہی بات ہے۔۔۔ ایسا ہی کر رہا ہوں۔۔۔ بلکہ ہم نے شادی ہال کی بنگلہ بھی کروالی ہے۔۔۔ ہنی مون کے لئے بس موریشس کے ٹکس بنگلہ کروانے رہ گئے ہیں۔۔۔ تم سے بات کر کے بعد اگلا کام یہی کرونگا۔۔۔ خوش۔۔۔ یا اور کچھ بتاؤں“ وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولا تھا۔

”اتمش مذاق نہیں کرو۔۔۔ بتاؤ نا مجھے اس کے بارے میں۔۔۔ کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔۔۔“ اس نے آس بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔ اتمش نے قہقہہ لگایا پھر دھیمی سی آواز میں پوچھا۔

”کیا تم خوبصورت ہو۔۔۔ اچھا واقعی۔۔۔ میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں غور سے؟“ وہ ایک بار پھر شرارتی انداز میں کہہ رہا تھا

”ہاں تمہیں اپنی پھپھو کی بیٹی سے فرصت ملے تو کسی اور کو دیکھو۔۔۔“ زرمین نے طعنہ دیا تھا۔ وہ ہنستا ہی رہا پھر اسکی خاموشی کو محسوس کر کے بولا۔

”یار۔۔۔ تمہیں خود پر اعتماد نہیں ہے۔۔۔ تم جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔۔۔ اور اس دل میں تمہارا جو مقام ہے نا۔۔۔ وہ کوئی نہیں لے سکتا۔۔۔ اتمش ہوں میں۔۔۔ تم سے محبت بھرتی ہے مجھے۔۔۔ صرف تم سے محبت۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے کوئی بھی ایویس شیویس سی لڑکی میرے دل میں تمہاری محبت کو نہیں نہس کر ڈالے گی۔۔۔ اتنا ہی گمراہ ہوں میں۔۔۔ کہ کسی بھی عام سی لڑکی کی زلفوں کا اسیر ہو جاؤں گا۔۔۔ اس دل نے تمہیں اپنا مان لیا ہے۔۔۔ اور تمہارے علاوہ یہ اعزاز کسی کو نہیں بخش سکتا میں۔۔۔ اور اس چارٹ دس انچ کو تو بالکل نہیں۔۔۔ کہاں تم۔۔۔ کہاں وہ۔۔۔ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے تم دونوں کا۔۔۔ کیوں پریشان ہوتی ہو تم۔۔۔ مت سوچو اس کے بارے میں۔۔۔ وہ بہت عام سی لڑکی ہے۔۔۔ اتنی عام سی کہ میرے ساتھ کھڑی ہو تو نظر بھی نہیں آتی۔۔۔ گردن نیچے کر کے دیکھنا پڑتا ہے اسے۔۔۔ ایک دم بریانی فورم ٹائپ۔۔۔ جو بس ٹیبل پر موجود کھانے کے متعلق ہی بات کر سکتی ہے۔۔۔ جس کا کوئی ایکسپوژر نہیں ہوتا۔۔۔ ایسی لڑکی کو لائف پارٹنر بناؤں گا میں۔۔۔ میرا

اسٹینڈرڈ اتنا گھبراہٹا بھی نہیں ہے مائی ڈیر۔۔۔ میں تو کسی ایسی لڑکی کو لائف پارٹنر بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتا جسے میرے کندھے سے کندھا ملانے کے لئے بھی میڑھی کی ضرورت پڑے۔۔۔ جو میرے ساتھ چلے تو آٹھ انچ کی ہیل بھی اسے میرے برابر لانے کے لئے ناکافی ہو۔۔۔ اور جو گھنگو کرے تو بس دارچینی سفید زیرہ سے آگے نا بڑھ سکے۔۔۔ ایسی ہے وہ۔۔۔ کیوں دل جلارہی ہو اپنا۔۔۔ جب میں اس چار فٹ دس انچ کے مسئلے کو زیرو پد سینٹ اہمیت بھی نہیں دے رہا تو تم کیوں خود کو خوار کر رہی ہو۔۔۔ "وہ اسے سمجھا رہا تھا، محبت سے ملاحت سے۔۔۔ وہ واقعی اس سے محبت کرتا تھا اور محبت بعض اوقات کس قدر خود غرض ہو جاتی ہے۔ وہ نہایت دھیمی آواز میں باتیں کر رہا تھا لیکن اس کو بالکل احساس نہیں ہوا تھا کہ کسی نے اسکی ساری باتیں سن لی تھیں۔



"لودوستوں۔۔۔ بس یہاں تک آپہنچی تھی۔۔۔ یعنی جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں براجمان تھی۔۔۔ مجھ سے تو یہ معاملہ سلجھ ہی نہیں رہا تھا۔ میری ہر تدبیر الٹی پڑ گئی تھی۔ میں تو کچھ اور سوچ کر وہاں گیا تھا لیکن وہاں میری اہلیہ کی مہربانی سے کچھ اور ہی پیچھا پڑ گیا تھا۔ میرے سمجھانے بھگانے کے باوجود انہوں نے ایک سنگین غلطی کر ڈالی تھی اور اب مجھ سے توقع کر رہی تھیں کہ میں انکی غلطی پر پردہ ڈال لوں گا۔۔۔ اور مجھے انکی اس توقع پر پورا اترنا ہی تھا کیونکہ بیوی کو انکار کرنے کی ہمت تو کسی مائی کے لال میں نہیں ہوتی لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ اس معاملے کو اب اپنے طریقے سے سلجھانا پڑے گا مگر اب یہ قصہ میں آپکو اگلی قسط میں سناؤں گا۔ آپ بھی کوئی نماز روزے کی فکر کیجئے یا بس ڈائجسٹ کی کہانیوں میں ہی گم رہنے کا ارادہ ہے۔۔۔ چلیں اٹھیں۔۔۔ شاباش۔۔۔ اب اگلے شمارے میں ملیے گا مجھ سے۔۔۔



(تنزیلہ ریاض کا یہ خوبصورت ناول ابھی جاری ہے، بقیہ واقعات اگلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں)

غم ہے یا خوشی ہے تو

قسط نمبر 3

”ارے پھر آگئے آپ میرا قصہ سننے۔ میرے بیٹے اور بہو کی کہانی میں کتنی دلچسپی ہے آپکو۔۔۔ دوسروں کی سُن گُن لینے والی عادتیں کب ختم ہونگی آپ لوگوں میں۔۔۔ چلیں اب آگئے ہیں تو۔۔۔ آجائیں بیٹھیں۔۔۔ آپکو بتاتا ہوں کہ پھر کیا ہوا۔۔۔ ہم کچھ روز قیام کے بعد سایہ وال سے تو آگئے تھے لیکن ہر شخص اپنے دل میں ایک نیا عزم لے کر بیٹھ گیا تھا۔ میری اہلیہ اپنی جانب سے رشتہ طے کر چکی تھیں اور چُپ چُپتے (خاموشی سے) اگلے مرحلوں کی منصوبہ بندی کرنے لگی تھیں۔۔۔ ہمیشہ صاحبہ نے خاموشی کا چولہا پہن لیا تھا کیونکہ ان کی سہیلی نے انکو ایسا کرنے کو بولا تھا یعنی بات تو وہیں تھیں جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ بزرگ الگ سمت میں چل رہے تھے جبکہ دونوں بچے بالکل ہی الگ سمت میں۔۔۔ یہ دو دریاؤں کے کنارے تھے اور میری اہلیہ اور ہمیشہ انہیں ریل کی پٹریاں سمجھے بیٹھی تھیں جو مختلف سمت میں چلتے رہنے کے بعد بالآخر کسی مقام پر ایک ہو جاتی ہیں۔۔۔ حالانکہ اس کا دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ میں اس مسئلے کا ایک اور ہی حل نکال آیا تھا لیکن وہ میں آپکو ابھی نہیں بتاؤں گا۔۔۔ ابھی آپ وہاں سے ہی قصے سمجھنے کی کوشش کریں جہاں سے ہم سایہ وال سے واپس آئے تھے۔

آجائیں۔۔۔ آپکو آگے کی کہانی بتاتا ہوں

☆.....☆.....☆

’کیا بات ہے۔۔۔ کیا سوچ رہی ہیں؟۔۔۔ کچھ چُپ چُپ سی ہیں آپ۔۔۔‘ ماسٹر جی نے مہناز بیگم سے پوچھا تھا۔ انہوں نے کچن کے ٹیبل سے سر اٹھائی انکی جانب دیکھا پھر بولیں۔

”آج عطیہ کو فون کیا تھا۔۔۔ بہت بھیجی ہوئی سی تھی۔۔۔ حالانکہ اب تو میں تسلی بھی دے آئی ہوں۔۔۔ پھر بھی۔۔۔ ٹھیک سے بات بھی نہیں کی۔ ایک منٹ بعد ہی فون بند کر دیا۔ کہتی ہیں مصروف ہوں۔۔۔ بہت عجیب لگا مجھے“ انہوں نے کنبنٹ سے جا رہا ہر نکالتے ہوئے کہا تھا

”اوہ تو ہوئی نامصروف۔۔۔ آپ بدگمان کیوں ہوتی ہیں۔۔۔ آپ اپنی خاموشی کو میری بہن کے سر نامنڈھیں۔۔۔ بلکہ اصل وجہ بتائیں کیوں حُپ ہیں۔۔۔ کیا پڑ و ن پھر وہ سوٹ بارہ سو کالے آئی ہیں جو آپ دو ہفتے پہلے تین ہزار کالائی تھیں“ ماسٹر جی نے اہلیہ کو خاموش

دیکھتے ہوئے چڑانے کے لئے کہا تھا۔ وہ ناشہ کر چکے تھے لیکن ابھی بھی گھر ہی تھے۔ آج طبیعت کچھ سست تھی اس لئے ذرا تاخیر سے جانا چاہ رہے تھے۔ مہناز بیگم نے نفی میں سر ہلایا پھر ہاتھ میں پکڑے نمک کے جاکو صافی سے رگڑتے ہوئے بولیں

”میں چُپ ہوں ناہی پڑو سن نے کوئی ایسا دل جلانے والا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔“ وہ لوگ ساہیوال سے گزشتہ روز واپس آئے تھے تب ذارات ہو گئی تھی اس لئے مہناز بیگم نے گھر کی صفائی ستھرائی کی مہم شروع نہیں کی تھی لیکن آج وہ آرام سے بیٹھنے والی نہیں تھیں۔ ماسٹر جی جانتے تھے کہ کچن سے لے کر باتھ روم تک، دیواروں سے لے کر ان پداویزاں آرائشی چیزوں تک اب ہر چیز کی دھلائی کا وقت ہو چلا تھا۔ انکے خاندان کی عورتوں کو صفائی ستھرائی کا خط تھا اور اس معاملے میں وہ سب ہی کافی تھیں۔

”اسکی وجہ کیا ہے۔۔۔ آپ سمجھ رہی ہیں یا پڑو سن کو مرشد مان لیا ہے؟“ ماسٹر جی کو انہیں چڑانے میں مزا آتا تھا

”پڑو سن کو مرشد مانتی ہے میری جوتی۔۔۔ میں تو خود بھی ایک کی مرشد ہوں۔۔۔ آپ کے منہ سے ایسی بات اچھی نہیں لگتی ماسٹر جی۔۔۔ میرے مریدوں کی فہرست میں سب سے اوپر تو آپکا نام ہی لکھا ہے“ وہ اب صاف کی گئی بوتلوں کو ترتیب سے کینبٹ میں رکھنے لگی تھیں۔ ماسٹر جی کے چہرے پر انکا جواب سُن کر طلیعت سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”آپ مجھے مرید کہہ کر کسر نفسی سے کام لے رہی ہیں بی بی۔۔۔ آپ تو مجھے مجنوں بھی کہہ سکتی ہیں۔۔۔ آپ کو تو مرشد ہی نہیں، محبوب بھی مانتا ہے یہ ماسٹر انہوں نے انکی جانب دیکھتے ہوئے اتنا ہی کہا تھا کہ مہناز انکی جانب مڑیں اور تنبیہ کرنے والے انداز میں بولیں۔

”آپکا پٹنا خیر سے گھر میں ہی ہے۔۔۔“ ماسٹر جی نے مصنوعی حیرت چہرے پر پھیلانی اور بولے

”میں نے کوئی غیر اخلاقی بات تو نہیں کر دی ہے بی بی۔۔۔ میں تو اپنی اہلیہ سے ہی چہلیں شہلیں کرنے کی کوشش کر رہا ہوں

”مہناز بیگم نے شلیٹ رگڑنے شروع کر دئے تھے۔ انکی بات سُن کر بولیں۔

ان چہلوں شہلوں میں یہ یاد رہے کہ آپ ایک عدد جوان بیٹے کے باپ ہیں۔ کوئی لحاظ ہوتا ہے۔۔۔ کوئی مروت ہوتی ہے

”مہناز بیگم کے چہرے پر بھی مسکراہٹ چمکنے لگی تھی جبکہ ماسٹر جی نے گہری سانس بھری

لحاظ اور مروت تو اپنے بیٹے کو سکھائیں۔۔۔ وہ ہی کچھ زیادہ بے لگام ہو رہا ہے۔۔۔ اسے سکھائیں سلیقہ قرینہ مرد کو بھی آنا چاہیے۔۔۔ اسے بتائیں بی بی کہ گھر کی خواتین کو کیسے ڈیٹ کرتے ہیں۔۔۔ میں تو اس کے لئے پریشان بیٹھا ہوں۔۔۔“

”ارے میں کیوں سکھاؤں۔۔۔ آپ ہی سکھائیں نا۔۔۔ دنیا آپکو ماسٹر جی کہتی ہے۔۔۔ یہ تو آپکا ڈیپارٹمنٹ ہے ماسٹر جی“ وہ ہنس رہی تھیں۔ ماسٹر جی نے سر جھٹکا

”آپکو تو جیسے پتا نہیں کہ میرا ڈیپارٹمنٹ کیا ہے بی بی۔۔۔ تین دہائیاں تو گزاردی ہیں آپ نے میرے ساتھ۔۔۔ بلکہ اس سے بھی تھوڑا زیادہ وقت۔۔۔ شادی کے تئیس سال میں مزید وہ تین سال بھی جمع کر لیں جن میں آپ مجھے آتے جاتے دیکھا کرتی تھیں اور آپیں بھر بھر کر اللہ سے مجھے مانگا کرتی تھیں تو پورے تیس بتیس سال بن جاتے ہیں“

”ماسٹر جی آپ اتنا وقت ان بے سرو پا باتوں میں ضائع کرتے ہیں نا۔ اتنا اپنے پیٹے کو سمجھانے میں کرتے تو بہتوں کو بھلا ہو جاتا

-- مہناز نے کہا تھا

”معاف کیجئے گا بی لیکن بھلا اور بھلائی تو مجھے دور دور تک نظر نہیں آرہے، مجھے تو یہ خدشہ ہے کہ یہ جو فیصلہ آپ دو سہیلیاں کر بیٹھی ہیں اس کے نتائج نہایت خطرناک نکلنے والے ہیں“ ان دونوں کے درمیان اس موضوع پر دوبارہ اب ہی بات ہو رہی تھی۔ مہناز بیگم کا یہ پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ صافی کو ہاتھ میں ہی لئے ان کے پاس آ بیٹھیں اور دھیمی سی آواز میں بولیں

”بد فال بیوں نکالتے ہیں ماسٹر جی۔۔۔ آپ دیکھئے گا سب ٹھیک ہو جائیگا۔۔۔ آپ نے غور نہیں کیا اتمش سو نیا سے کافی امپریس لگتا ہے۔۔۔ اچھا کیا جو آپ نے سایہ وال کا چکر لگوا دیا ہمیں۔۔۔ آپ کی تدبیر کامیاب رہی۔۔۔ ستر فیصد معاملہ تو سلجھ گیا ہے۔۔۔ باقی کا تیس فیصد بھی کر لیں گے آپ۔۔۔ میں جانتی ہوں۔۔۔ آپ کو پتا ہے اتمش پوچھ رہا تھا مجھ سے وہاں بھی کہ یہ سب جو پھپھو نے دیواروں پر سجا رکھا ہے۔۔۔ یہ سب واقعی سو نیا نے بنایا ہے۔۔۔ تعریف کر رہا تھا۔۔۔ پہلے کبھی اس نے ایسے تعریف نہیں کی۔۔۔ میں بہت پر امید ہوں ماسٹر جی آپ سمجھالیں گے اسے۔۔۔ میں جانتی ہوں“ وہ بہت مطمئن تھیں۔ ماسٹر جی کے چہرے کے تاثرات طنزیہ سے ہو گئے

”آپ کو تو کچھ نہیں سمجھا نہیں پایا میں۔۔۔ آپ کے پیٹے کو کیا سمجھاؤں گا“ مہناز بیگم دوبارہ اٹھ کر شیفٹ کی جانب متوجہ ہو گئیں

”مایوسی گناہ ہے ماسٹر جی۔۔۔ آپ کو اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ ہو یا نہیں۔۔۔ لیکن مجھے بے حد ہے۔۔۔ آپ سب کچھ سلجھا سکتے ہیں۔۔۔ صرف آپ“ وہ با آواز بلند بولی تھیں

”اوائے پڑا تر جائے ایسے بھروسے کا۔۔۔ ماسٹر و چارڈ مشکل میں پڑ گیا ہے۔۔۔ بھلا بتاؤ جب بیوی ایسے مان سمان سے کافی کام کہتی ہے تو کس کافر سے انکار کیا جاتا ہے۔۔۔ اور وہ بھی من چاہی بیوی، جس سے عشق کا دعویٰ ہو مرد کو۔۔۔ حق ہا۔۔۔ یہ عشق بھی نہ ایسا پا ہے۔۔۔ کج نعت لنگڑے کو بھی بھنگڑے پر لگا دیتا ہے۔۔۔ اونہہ“ وہ بڑبڑا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

”مجھے مس کیا تھا؟“ زرین نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اتمش نے نظر بھر کر اسے دیکھا پھر منہ بنا کر اور ناک چڑھا کر بولا

”جی نہیں۔۔۔ میں سایہ وال پھپھو کے گھر گیا تھا۔۔۔ عالم بالا نہیں۔۔۔ سنا ہے بڑا وقت تو وہیں یاد آتا ہے“

”بڑا وقت ہوگی وہ تمہاری پھپھو کی بیٹی۔۔۔ میں تو نہیں ہوں“ زرین نے بڑا منائے بغیر کہا تھا۔ اتمش نے جواباً کچھ نہیں کہا بلکہ اس کے ہاتھ میں پکڑے پیس کے پیکیٹ سے پیس لے کر کھانے لگا تھا۔

”تم کب ملو گے میرے پیرنٹس سے۔۔۔ یہ بتاؤ مجھے۔۔۔“ زرین نے پیس کا ٹکڑا دانتوں سے کترتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر

اپنا مطالبہ دوہرایا تھا

”ابھی۔۔ اسی وقت۔۔ آؤ۔۔ کلاس بعد میں لیں گے۔۔۔ پہلے تمہارے پرنس سے مل آتے ہیں۔۔ یہ مرحلہ تو سر ہو“ اس نے ہاتھ میں پکڑا چیل کا نصف ٹکڑا ابھی منہ میں ڈالا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ زرین نے حیرت سے اسے دیکھا

”سچ کہہ رہے ہو۔۔ یا پچھو کے گھر سے سوار کھا کر آگئے ہو“ وہ حیران ہوئی تھی۔ چہرے پر بے یقینی تھی

”بالکل سچ کہہ رہا ہوں بھائی۔۔ اتنا شکی کیوں ہو تم۔۔۔ اتمش کہتے ہیں مجھے۔۔ جھوٹ نہیں بولتا میں۔۔۔ اسی لئے بتا رہا ہوں کہ تمہارے پرنس نے پوچھا کہ برخوردار کرتے کیا ہو۔ تو صاف بتا دوں گا کہ ابھی تو بس گوگل سے اسائنمنٹس کا پانی پیسٹ کرتا ہوں۔ سناپ چاٹ پر پچھو کی بیٹی کے پنڈ کی تصویریں لگاتے ہوئے اسکی چغلیاں کرتا ہوں یا پھر فیس بک پر گھنٹیا شعر ابلوڈ کر کے آپ کی بیٹی سے فیلنگ لوڈ کرتا ہوں۔۔“ وہ طنزیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ زرین کے چہرے پر ہنسی پھیل گئی

”بکومت۔۔ ایسے تو وہ کبھی تمہارا پروڈر قبول نہیں کریں۔۔ بلکہ مجھے بھی جائیداد سے عاق کر دیں گے“ وہ ہنستے ہوئے اسے چڑا رہی تھی۔ اتمش دوبارہ سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا

”صحیح ہے۔۔ پھر ہم مل جل کر کوئی گولہ گنڈا کی ریڑھی لگالیں گے۔۔ اور سکون سے زندگی بسر کریں گے“ وہ طنزیہ انداز میں بولا

تھا۔ زرین پھر بھی ہنستی رہی

”ویسے اتمش تمہارا مجھے پتا نہیں لیکن میں تو تمہارے ساتھ گولہ گنڈا گول لگے اور چنا چاٹ کی ریڑھی لگانے کو بھی تیار ہوں۔۔۔ مجھے تمہارے سوا کچھ نہیں چاہیے“ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ چہرے پر عجیب سا استحکام اور استحقاق تھا۔ اتمش چند لمحے اسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر اس نے گہری سانس بھری تھی

”اتمش کہتے ہیں مجھے۔۔ اب تم مجھ سے ایسے کام کرواؤ گی۔۔ اچھا لگوں گا اتنا بینڈزم ہو کر گولا گنڈا اپنتا ہوا۔۔۔“ زرین نے ناک چڑھائی۔

”یہی تو بد اہلم ہے۔۔ تم مجھے ہر حال میں اچھے لگتے ہو۔۔۔ اتنے اچھے کہ تم عیسا دوسرا کوئی اور نظر ہی نہیں آتا۔۔ اتنا خمرہ ہوتا تھا میرا۔۔۔ کالج سکول میں، فیکلٹی میں۔۔۔ آج تک کسی کو اس قابل نہیں سمجھا میں نے کہ اسے یہ جملہ بول سکوں لیکن تمہیں کہہ رہی ہوں اتمش۔۔۔ پلیز کچھ کرو۔۔ تم نہیں ملے تو مر جائیگی زرین۔۔ دیکھ لو کیا نوبت آگئی ہے۔۔ اسے کہتے ہیں نصیب کے ہاتھوں شکست۔۔“ وہ سنجیدہ بھی تھی اور مسلسل اسے چڑا رہی تھی

”شکست نہیں۔۔۔ اسے کہتے ہیں جیک پاٹ۔۔۔ میں تمہارا لکی اسٹروک ہوں بھائی۔۔۔ جو تم سے جانے انجانے لگ گیا ہے ورنہ ہمیں تو پچھو کی بیٹی بھی وظیفوں میں مانگتی پھرتی ہے۔۔“ وہ مصنوعی انداز میں ناک چڑھا کر بولا تھا

”کتنے مغرور ہو نا تم۔۔۔“ زرین نے چپس کے پیکٹ سے مزید چپس لیتے ہوئے کہا تھا

”ارے کبھی بتتا ہے مجھ پر۔۔۔“ وہ بخیدہ نہیں ہوا تھا

”اچھا تو پھر جب اتنا کچھ بتتا ہے تو کیوں نہیں مل لیتے میرے پیرٹس سے۔۔۔ ڈرتے کیوں ہو۔۔۔ ایک ملاقات تو کرلو پلیز۔۔۔ کچھ تو سلسلہ آگے بڑھے۔۔۔ ان کو بھی تسلی ہو اور مجھے بھی۔۔۔ ورنہ ابھی تو ایسا لگتا ہے جیسے میں تو صرف فٹبال لے کر بھاگ رہی ہوں۔۔۔ مگر آخر میں گول پھسکی بیٹی کر جائیگی“

”کیا یاد۔۔۔ ہر دو دن بعد ایک ہی بات دوہرانے لگتی ہوتی۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔ پھسکی بیٹی کا دل اتنا توڑ آیا ہوں میں کہ اب وہ میرا نام بھی سنا گوارا نہیں کرے گی۔۔۔ خود ہی انکار کر دے گی۔۔۔ تم فکر مت کرو“ وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔ زمین کو اس ٹاپک میں پہلے والے ٹاپک سے بھی زیادہ دلچسپی تھی

”اچھا۔۔۔ کیسے کیا صاف انکار کر دیا اسے۔۔۔ آئی ہیٹ یو بول دیا نا۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔“ وہ خوش ہوئی تھی۔ اتمش نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”کچھ بھی بولا ہو۔۔۔ دیٹس نان آف یور بزنس۔۔۔ بس تم فائنل پر دھیان دو۔۔۔ تاکہ میں بھی اپنے اماں باوا کے سامنے فخریہ انداز میں کہہ سکوں کہ یہ ہے زمین شہریار۔۔۔ نام تو سنا ہوگا“ وہ بخیدہ سے انداز میں بولا تھا

”فائنل تو ہو ہی جائیں گے۔۔۔ لیکن پلیز تم ایک بار میرے پیرٹس سے مل لو۔۔۔ بالخصوص میری ماما سے۔۔۔ وہ بہت خوش ہوگی تم سے مل کر۔۔۔ انہیں بتا تو رکھا ہے میں نے۔۔۔ لیکن یونو۔۔۔ ماں تو ماں ہی ہوتی ہے۔۔۔ انہیں اس بات کا بھی پتا ہے کہ تمہارے پیرٹس خاندان میں ہی تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ وہ سمجھتی ہیں تم بخیدہ نہیں ہو میرے معاملے میں۔۔۔ اسی لئے میں چاہتی ہوں تم ایک بار مل لو ان سے۔۔۔ وہ ایک بار تمہیں دیکھ لیں گی تو پھر باقی کے مرحلے آسان ہو جائیں گے“ وہ اسے آمادہ کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اتمش چند لمحے کچھ نہیں بولا پھر اس نے ہونٹ بھینچے تھے

”اور اگر ایسا ناہوا؟۔۔۔ تو؟۔۔۔ پھر؟“ وہ ایک ہی جملوں کو تین حصوں میں بانٹ کر بولا تھا۔ زمین نے اس کا چہرہ دیکھا

”کیا مطلب۔۔۔؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ اتمش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا

”کچھ نہیں زمین۔۔۔ بس اتنا یاد رکھو کہ اتمش پھسکی بیٹی کا مر کر بھی نہیں ہو سکتا۔۔۔ وہ تمہارا تھا اور تمہارا ہی رہے گا لیکن پھر بھی اگر تمہیں تسلی نہیں ہو رہی تو چلو مل لیتے ہیں تمہاری می سے۔۔۔ بتاؤ کب ملنا ہے؟۔۔۔؟“ وہ رضامند ہو گیا تھا۔ زمین بے تحاشا خوش ہو گئی تھی

”میں ان سے پوچھ کر بتاؤں گی تمہیں۔۔۔؟“ وہ پر جوش ہو رہی تھی۔ چہرے پر اتنی خوشی اور اطمینان تھا کہ اتمش اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہ گیا۔ وہ اسی بات پر خوش ہو گئی تھی کہ وہ اسکے والدین سے ملنے کے لئے تیار تھا۔

☆.....☆.....☆

”کیا واقعی؟“ عطیہ نیگم نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

”پہلے نہیں بتایا تم نے۔“ وہ مزید کہہ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر اشتیاق اور حیرانی ایک ساتھ چمکنے لگی تھی۔ سونیا نے لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں ہٹا کر انکی جانب دیکھا۔ وہ جانے کس سے بات کر رہی تھیں۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان سے دریافت کیا تھا لیکن انکی توجہ سونیا کی جانب نہ تھی

”لیکن پھر بھی۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔“ وہ کچھ تذبذب میں گھری محسوس ہونے لگی تھیں۔

”ارے نہیں بھئی۔۔۔ خوشی تو ہوئی ہے۔۔۔ خوشی کی بات ہے ماشاء اللہ۔۔۔ اللہ کریم مبارک وقت لائے“ انہوں نے کہا تو سونیا کے کان مزید کھڑے ہو گئے۔ اسکی نگاہیں امی کے چہرے پر ہی تھیں جہاں سوج اور کشمکش کے رنگ ایک ساتھ نمایاں ہونے لگے تھے۔ اسکا دل سنگنزدینے لگا تھا کہ یقیناً کچھ ایسا ہے جو اچھا تو ہے مگر نہیں ہے۔ اسکا دل چاہا ایک لمحے کے لئے وہاں سے اٹھ جائے اور اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ جائے کم از کم امی کی نگاہوں سے تو دور رہے گی لیکن پھر بھی وہ بیٹھی رہی۔ امی ویسے بھی اپنے بھائی اور بھانج کی واپسی کے بعد سے بہت چُپ رہنے لگی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے یا تو کشتی پار لگ گئی ہے یا بالکل ڈوب گئی ہے۔ دونوں صورتوں میں مشکل یہ تھی کہ امی کی خاموشی اسے غلجیان میں مبتلا کرنے لگتی تھی۔ گھر میں تین ہی تو افراد تھے اور ان میں بھی بات کرنے والی دو خواتین۔۔۔ التمش کے رویے نے اس کا دل ہی نہیں بلایا تھا، اس کے سامنے سوج کے کبھی نئے ذرا کر دئے تھے۔ اب وہ ایک الگ سمت میں سوج رہی تھی لیکن امی کا سوج رہی تھیں اسکی اسے خبر نہیں ہو پارہی تھی کیونکہ انہوں نے تو خاموشی کا روزہ ہی رکھ لیا تھا۔ وہ خود بھی ایک مشکل دور سے گزر رہی تھی۔ التمش نے اسے اسکی کم مائیگی کا جو احساس دلایا تھا وہ اس کے دل میں گھر کر رہ گیا تھا لیکن وہ بہت پر یکٹیکل سوج والی لڑکی تھی۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اسے کبھی کسی مسئلے کا حل نہیں لگا تھا۔ وہ جانتی تھی اسے مسئلے کا حل تو نکالنا تھا لیکن چُپ رہ کر نہیں جبکہ امی جانے کیوں چُپ ہو گئی تھیں اور سناٹے اسے اچھے نہیں لگتے تھے لیکن وہ امی کے پسندیدہ موضوع سے بھی غارتھا تھی سوانحی خاموشی کو وقتی طور پر برداشت کر رہی تھی۔ ایک دو بار اس نے اگوانے کی کوشش بھی کی لیکن زیادہ کامیابی ناممکن تھی۔ امی نے فون بند کیا تو ناچا ہتے ہوئے بھی وہ سوا لیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی تھی

”اچھی خبر ہے؟“ انہوں نے اس کے چہرے کی جانب بس ایک ہی نظر ڈال کر کہا تھا

”اللہ خیر۔۔۔ یقیناً کسی کی بیٹی کی شادی کی خبر آگئی ہے“ اس نے دل ہی دل میں اپنی سلامتی کی دعا مانگی تھی۔

”تمہاری منجھلی آپنی کے یہاں کرم ہونے والا ہے اللہ کا۔۔۔“ وہ عام سے انداز میں بتا رہی تھیں۔ سونیا نے خوش ہوتے ہوئے بھی ان کے انداز کو محسوس کیا۔ وہ منجھلی بیٹی کی اولاد کے لئے کتنی دعائیں تو کرتی رہتی تھیں۔۔۔ امی کو تو خوش ہی ہونا چاہیے تھا لیکن وہ تو سپاٹ چہرہ لئے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”آپ خوش نہیں ہوئیں۔۔۔“ اس نے حیرانی سے پوچھا تھا

”خوش تو ہوں لیکن۔۔۔“ انہوں ایک ساعت کے لئے سوچا پھر بولیں

”میرا اور تمہارے ابو کا ویزا اپلائی کر دیا ہے۔۔۔ کہتی ہے اس صورتحال میں ویزا نکل آئیگا جلدی۔۔۔“ انہوں نے سادہ سے انداز میں کہا۔ یہ ان سب کے لئے نئی بات نہیں تھی۔ منجھلی آپنی نے ایک سال پہلے بھی ویزا اپلائی کر رکھا تھا لیکن مسترد ہو گیا تھا لیکن اب حاملہ ہونے کی صورت میں پالیسی ایسی تھی کہ ویزا آسانی سے مل سکتا تھا اور یہ بات انہوں نے پہلے سے بتا رکھی تھی کہ اللہ جب بھی انہیں خوشی کی خبر دکھائیگا وہ امی ابو کو بلوائیں گی

”اچھی بات ہے نا۔۔۔ آپ کینیڈا گھوم سکتی ہیں۔۔۔ لوگ تو کینیڈا جانے کے خواب دیکھتے ہیں۔۔۔ آپکو بیٹھے بٹھائے موقع مل رہا ہے“ اسے انکا موڈ اچھا کرنے کے لئے کہا تھا

”اور اپنا سوچا ہے۔؟ تمہیں کس کے حوالے کر جاؤ گی؟۔۔۔“ انہوں نے بیزاری بھرے لہجے میں کہا تھا۔ سو نیا کو جھٹکا سا لگا ”کسی کے حوالے کیوں کریں گی۔۔۔ میں کوئی گھر میں کھڑی سائیکل یا پانی والی موٹر نہیں ہوں کہ کوئی اور آکر ذمہ داری سنبھالے گا۔ میں اپنے گھر میں ہی رہو گی“ اس نے ناک چڑھا کر کہا۔ اس ضمن میں اس نے نہیں سوچا تھا کہ اسکا بھی کوئی مسئلہ ہو سکتا ہے۔ ”دماغ خراب ہے تمہارا۔۔۔ اکیلی لڑکی کو اکیلے گھر میں چھوڑ کر چلی جاؤں۔۔۔ اتنا شوق بھی نہیں ہے مجھے اب دوسرے ملک دیکھنے کا“ انہوں نے چڑ کر کہا تھا۔

”اکیلی لڑکی کے لئے اسکا گھر ہی بہتر ہو سکتا ہے۔۔۔ یا پھر اکیلی لڑکی کو بھرے ہوئے قبرستان میں چھوڑ آئیں“ اس نے چڑ کر کہا پھر چونکہ جانتی تھیں کہ اسکی بات انکو ناراض کر سکتی ہیں اس لئے فوراً بولی۔

”امی آپ عجیب سی باتیں یوں کرنے لگتی ہیں۔۔۔ یہ بات تو دو سالوں سے ہم سب سن رہے ہیں کہ آپنی نے آپکو کینیڈا بلوانا ہے۔۔۔ آپ تیار بھی تھیں۔۔۔ دو سال سے تو کبھی انکار نہیں کیا آپ نے۔۔۔ میرا مسئلہ تو تب بھی موجود تھا نا۔۔۔ میں اپنے ہی گھر میں رہو گی“ وہ بھی انہی کی طرح بیزار ہوئی تھی۔ سارا زور لفظ ”مسئلہ“ پر تھا۔ امی نے اسکی جانب دیکھا پھر نظریں پڑا سی لیں

”تب ایک امید بندھی تھی۔۔۔ نظر آ رہا تھا کہ سامنے ہی رشتہ موجود ہے۔۔۔ آج یا کل ہو ہی جائیگا۔ لیکن اب۔۔۔“ وہ کچھ کہتے کہتے چپ سی ہو گئیں۔ سو نیا نے ان کے الفاظ پر غور کیا۔ ایسے ناامیدی سے تو کبھی انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔

”یعنی اب امید ختم ہو گئی ہے کیا۔۔۔“ اسکا لہجہ پرجوش سا تھا

”اللہ نا کرے۔۔۔ کیوں میرا دل جلا رہی ہو“ وہ بہت ہی ڈکھی ہوئی تھیں

”آپکی امید ختم ہو گئی۔۔۔ مطلب۔۔۔ اچھی خبر ہے۔۔۔ چلیں اچھا ہے۔۔۔ یہ تو اچھی خبر سنائی آپ نے۔۔۔ تم سے کم بختیجے سے ملنے کا یہ فائدہ تو ہوا آپکو۔۔۔ اب سمجھ میں آیا بادشاہوں والا نام رکھ لینے سے کوئی بادشاہ نہیں ہو جایا کرتا“ وہ خوش ہوئی تھی

”تمہیں تو بس اللہ موقع دے الٹش کی برائی کا۔۔۔“ وہ چڑ کر بولی تھیں۔ سونیا انکا انداز دیکھ کر پُپ سی ہو گئی

”تمہارے ابو سے مشورہ کرتی ہوں کہ کیا کرنا چاہئے۔۔۔ بہتر ہے انکار کر دیتے ہیں۔۔۔“ وہ سوچ رہی تھیں اور بول بھی رہی تھیں

”ارے انکار کیوں کرتی ہیں۔۔۔ آپنی کا دل کیوں دکھانا چاہتی ہیں۔۔۔ کیا سوچیں گی وہ۔۔۔ اتنے عرصے بعد اگر کوئی اچھی خبر ملی ہے

تو خوش تو ہو لینے دیں۔۔۔ میں تو سوچ رہی تھی رس کُے والا زردہ بنا کر بانٹتی ہوں سارے محلے میں۔۔۔ آپ نے تو مجھے بھی پریشان کر دیا“ وہ ناک چڑھا کر بولی تھی

”تمہیں زردے بریانی سے ہٹ کر کوئی بات آتی ہے۔۔۔ آجکل کی لڑکیاں جانے کیا کیا کر رہی ہیں۔۔۔ اور تم بس زردے دم

دیتی رہو۔۔۔“ وہ ناراض ہو رہی تھیں۔ سونیا نے زوج ہو کر ان کے پاس سے اٹھ جانے کو ترجیح دی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ماموں ممانی باتوں باتوں

میں باور کروا گئے ہیں کہ یہ رشتہ نہیں ہو سکتا اس لئے امی اتنی بیزار ہو رہی ہیں۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ مسئلہ کچھ اور ہی تھا

☆.....☆.....☆

”آگئے آپ ساہیوال سے۔۔۔؟ ملاقات ہو گئی اپنے رشتہ داروں سے“ وہ ہمیشہ کی طرح اسٹول پر ٹانگیں ٹکائے کرسی پر بیٹھے جب

میڈیم تھمینہ کی کھنکھناتی ہوئی آواز سماعتوں سے بگرائی۔ انہوں نے میٹھی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر انکی جانب دیکھا پھر فٹ ٹانگیں

اسٹول سے اتار کر تمیز سے پیٹھ گئے۔

”ہاں جی۔۔۔ دو دن ہو چلے اب تو۔۔۔ ہمیشہ رہتی ہیں نا وہاں۔۔۔ ان ہی سے ملاقات کی غرض سے گئے تھے۔۔۔ سہ روزہ قیام

تھا بس۔۔۔“ انہوں نے جواب دیا تھا اور ساتھ ہی انہیں بیٹھنے کی پیچکیش کی تھی

”آئے ہائے ماسٹر جی۔۔۔ آپ سادہ سادہ آسان آسان الفاظ کیوں نہیں استعمال کرتے۔۔۔ ہمیشہ۔۔۔ ملاقات کی غرض۔۔۔ سہ

روزہ قیام۔۔۔ آپ یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی بہن سے ملنے گئے تھے تین دن کے لئے۔۔۔“ وہ چڑ کر بولی تھیں اور ساتھ ہی ادھر ادھر

نگاہ ڈالی تھی

”عادت سی پڑ چکی ہے اب تو شستہ زبان استعمال کرنے کی۔۔۔ لیکن اگر آپکی طبیعت پر گراں گزرتا ہے تو۔۔۔ میرا مطلب اگر

آپکو اچھا نہیں لگتا تو آئندہ احتیاط کرونگا“ وہ وضاحت دینے لگے تھے۔ یہ رعایت بھی بس میڈیم تھمینہ کو ہی حاصل تھی کہ انکی بات کا برا کم ہی

مناتے تھے ماسٹر جی

”آپ تو مجھے اچھے ہی لگتے ہیں۔۔۔ برا لگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ماسٹر جی۔۔۔ لیکن یہ آپ کے شاگردز ہر لگتے ہیں مجھے۔۔۔

بڑے ہی ڈھیلے ہو گئے ہیں ماسٹر جی۔۔۔ نکلے۔۔۔ منحوس مارے کام کم اور مخول زیادہ کرنے لگے ہیں“ وہ اپنے مخصوص انداز میں ان کے

شاگردوں کو ٹوک رہی تھیں۔ ماسٹر جی نے انکی بات سُن کر دل ہی دل میں رُب نواز کو کو سا تھا۔ کتنا سمجھا کر گئے تھے اس کو۔۔۔

”میڈم جی۔۔۔ آجکل کے جوان بچے ہیں۔۔۔ یہ بیس جمع ایک اکیسویں صدی ہے۔۔۔ کہتے ہیں قیامت اسی صدی میں آنے کا ذکر کیا کرتے تھے بزرگ۔۔۔ لحاظ مروت تو خونی رشتوں میں ختم ہو کر رہ گیا ہے۔۔۔ یہ تو پھر میرے شاگرد ہیں۔۔۔ اچھے لڑکے ہیں میڈم جی۔۔۔ بس ذرا لاپرواہ ہیں۔۔۔ لیکن بخدا ہنرمند اور قابل ہیں۔۔۔ ذرا زبان کے کڑوے ہیں۔۔۔ ورنہ دل سے آپکی عزت کرتے ہیں۔۔۔ آپ جانتی ہی ہیں کہ آپکی اسائنمنٹس پر کتنی محنت کرتے ہیں“ ماسٹر جی نے وضاحت کی تھی

اوہ رہن دیو ماسٹر جی۔۔۔ میری اسائنمنٹوں کا تو حشر کر دیتے ہیں۔۔۔ سب الٹ پلٹ کر کے مجھے مار دیتے ہیں میرے۔۔۔ پانی کہوں تو آگ بناتے ہیں اور آسمان کہوں تو زمین تیار کر دیتے ہیں وہ بھی بنجر زمین۔۔۔۔۔ قسمے میں بڑی مایوس ہو گئی ہوں ان سے۔۔۔ ”وہ ناراضی کا اظہار کر رہی تھیں

”اوہ میڈم جی اتنا ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔۔۔ بچے ہی تو ہیں۔۔۔ آپکو پتا ہی ہے آجکل کے بچے تو سنتے نہیں کسی کی۔۔۔ ہمارے اپنے بچے بھی تو ایسے ہیں۔۔۔ لاپرواہ۔۔۔ اور منہ پھٹ“ وہ شرمندگی سے کہہ رہے تھے۔

”خواخواہ ایسے ہیں ہمارے بچے۔۔۔ تانگیں نا توڑ دیں ہم اپنے بچوں کی جو ایسی بد تمیزیاں کریں تو۔۔۔ یہ تو غریب غرباء کی اولادیں اٹھی کی ہوئی ہیں آپ نے۔۔۔ ذات کے کئی کئین۔۔۔ انکو کہاں عزت کرنی آتی ہے کسی کی۔۔۔ ہم ذات کے پنجابی ہیں ماسٹر جی۔۔۔ خاندانی پنجابی۔۔۔ یہ دو نمبر تو بی (دھوبی) اور کہہ رہیں ہم۔۔۔ وہاں امرتسر میں کروڑوں کا کاروبار چھوڑ کر ہجرت کر کے لہور آئے تھے۔۔۔ یہ کوٹ لکھپت تک پھیلی زمینیں ملی تھیں یہاں۔۔۔ ہمارے بزرگ اتنے وضعدار تھے کہ سونے کے گلاسوں میں پانی کیا کرتے تھے۔۔۔ دس دس نوکر تو میرے دادا کا حقہ پکڑ کر پیچھے پیچھے آتے تھے۔۔۔ ادھر کراچی میں بھی کسی سے ماڑے (کمزور) نہیں ہیں ہم۔۔۔ سیٹھ حشمت کے خاندان کا نام سن کر تو بڑے بڑے لوگ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔۔۔ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔۔۔ یہ آپ کے منحوس شاگرد کیا چیز ہیں۔۔۔ یہ آپ کے لڑکوں کو صرف آپکی وجہ سے رعایت دیتی ہوں ورنہ تو ان جیسوں کو منہ نالگوں کبھی۔۔۔ آپکا لحاظ مار دیتا ہے مجھے۔۔۔ بڑا ہرانا ساتھ ہے آپکا ہمارا۔۔۔ آپ کی وجہ سے اس چوکھٹ سے بندھی ہوں۔۔۔ ورنہ مڑ کر نادیکھوں“ وہ کافی بھپری ہوئی تھیں۔۔۔ ماسٹر جی کو بہت برا لگا۔۔۔ اپنی جانب سے تو وہ رُب نواز کو نصیحت کر کے ہی گئے تھے لیکن انہوں نے پھر میڈم کو ناراض کر دیا تھا

”بڑی مہربانی آپکی میڈم لیکن۔۔۔“ انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ میڈم تمہینہ نے انکی بات کاٹ دی

”لیکن شیکن کچھ نہیں ماسٹر جی۔۔۔ سچ کہہ رہی ہوں آپکو۔۔۔ قسمے آپ ہی کی وجہ سے مجبور ہوں۔۔۔ آپ دیکھ لینا کل کلاں کو آپ نا رہے تو تالا لگ جائے گا اس جگہ کو۔۔۔“ انہوں نے بے دھڑک کہہ ڈالا تھا

”استغفر اللہ۔۔۔“ ماسٹر جی نے دہل کر کہا تھا پھر انکی جانب دیکھ کر تحمل سے بولے

”آپ کیوں ناراض ہیں اتنا۔۔۔ مجھے بتائیں کس نے آپکی شان میں گستاخی کی ہے۔۔۔ میں آپ کے سامنے سرزنش کرتا ہوں اسے

---"وہ پوچھ رہے تھے

"آپ نے پھر گولے کناری والی اردو بولنی شروع کر دی۔۔۔ سرزنش۔۔۔ شان میں گستاخی۔۔۔" میڈم تھمینہ نے منہ بگاڑ کر ان کے جملے کو دوہرایا پھر ناک چڑھا کر مزید بولیں

"اب پتا نہیں آپکو یہ شان میں گستاخی لگے گی یا جان ریہو میں لیکن آپ کے یہ مرجانے بخت مارے شاگرد مجھے دیکھتے ہی کہتے ہیں فٹبال کو جس طرف سے مرضی من لو (ماپ لو)۔۔۔ ایک ہی جیسا ساڑ آتا ہے۔۔۔" وہ سابقہ انداز میں بولی تھیں۔ ماسٹر جی چپ کے چپ رہ گئے۔ اس قسم کی شکایتیں انہیں پہلے کبھی سنے کو نہیں ملی تھیں۔ انہیں بے حد برا لگا

"میں بات کرونگا ان سب سے۔۔۔ ان سب کے کان کھینچوں گا۔۔۔ آپ فکر نا کریں۔۔۔" انہوں نے معذرت خواہانہ انداز اپنایا تھا "اودہ جی فکر کس بات کی۔۔۔ میرے کونسا مامے کے پتر ہیں یہ۔۔۔ کہہ تو رہی ہوں کہ آپکا لحاظ ہے۔۔۔ ورنہ ان جیسوں کو تو میں منہ نا لگاؤں۔۔۔" میڈم تھمینہ ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں بولی تھیں

"اچھا چھوڑیں ان سب کو۔۔۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا غصہ مت کروں آپکی۔۔۔ ٹھنڈی پیپسی منگواؤں۔۔۔ پسند ہے نا آپکو" ماسٹر جی کو انکی دلجوئی بڑی عزیز تھی

"منگوا لیں پیپسی۔۔۔ لیکن وہ شیشے کی پرانی زمانے والی بوتل نا منگوانا۔۔۔ وہ کوئی نہیں پیتا اب۔۔۔ میرے لئے تو ایک کین منگوا دیں۔۔۔ میڈم تھمینہ کا بھی ایک اسٹینڈرڈ ہے۔۔۔ یہ کہہ روں والی کالی پیلی شیشے کی بوتلیں چھتی نہیں میرے ہاتھ میں" وہ ناک چڑھا کر بولی تھیں۔ ماسٹر جی سر ہلاتے ہوئے رب نواز کو آواز دی تھی

"اس حرام خورد کو کیوں بلارہے ہیں۔ اسکی تو شکل دیکھنے کو دل نہیں کرتا میرا۔۔۔" میڈم تھمینہ کچھ زیادہ ہی مغرور ہوئی جا رہی تھیں اس اثناء میں رب نواز وہاں آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بھی بخت سے تھے

"میڈم کو سلام نہیں کیا تم نے۔۔۔" ماسٹر جی گھرکنے والے انداز میں کہا تھا "سلام۔۔۔" رب نواز نے انکے چہرے کی جانب دیکھے بنا سلام کیا تھا "اونہ۔۔۔ دفع۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں مجھے سلامتی کی دعائیں دینے کی۔۔۔" وہ ناک چڑھا کر بولیں۔ ماسٹر جی کو ان دونوں کے انداز اچھے نا لگے۔ یہ معاملہ کچھ گھمبیر ہوا جا رہا تھا۔ انہوں نے رب نواز کو کوڈ رنگ لینے بھیج دیا تھا لیکن دل ہی دل میں تہیہ کیا تھا کہ وہ اب اس معاملے کو سلجھا کر دم لیں گے۔

☆.....☆.....☆

"امی حضور۔۔۔ کیا کر رہی ہیں آپ۔۔۔ آپکو اندازہ بھی ہے کہ میں کتنا مس کر رہا ہوں آپکو؟۔۔۔ اور آپ ہیں کہ میری طرف دیکھتیں

بھی نہیں" اتمش نے بہت لاڈ سے انہیں پکارا تھا۔ انہوں نے اخبار جہاں سے سراٹھا کر اسے دیکھا پھر ناک چدھا کر بولیں "کام کی بات کرو۔۔۔ کیا کام ہے۔۔۔ میں اب عمر کے اس حصے میں نہیں ہوں کہ مکھن لگانے سے بھلائی جاسکوں۔۔۔" انہوں نے

اسی انداز میں کہا تھا۔ سارا دھیان تین عورتیں تین کہانیوں والے صفحے کی جانب مبذول تھا۔ اتمش نے چڑ کر انہیں دیکھا

"آپ تو کبھی بھی عمر کے اس حصے میں نہیں تھیں۔۔۔ جب بھی پیار سے بات کرو آپ کو مکھن کی خوشبو آنے لگتی ہے۔۔۔ خدا جانے وہ

کونسی کرموں والی اولاد میں ہوتی ہیں جن کے ماں باپ ان سے پیار سے بات کرتے ہیں۔۔۔ آپ تو ہمیشہ ہی مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتی

ہیں" اس نے مصنوعی ناراضی سے کہا تھا۔ مہناز بیگم نے جذباتی بلیک مینگ کا ذرا بھی خیال ناک کیا تھا۔ انکی تو ساری دلچسپی اس مظلوم عورت میں

تھی جس کی کہانی وہ اخبار جہاں میں پڑھ رہی تھیں

"دوڑ سکتی ہوں بھلا اس عمر میں۔۔۔ خواخواہ کے بلبلے نابناؤ۔۔۔ اصل بات بتاؤ۔۔۔" انہوں نے اسکی جانب دیکھے بنا کہہا تھا

"تو بہ ہے امی۔۔۔ کس قدر مغرور ہیں آپ۔۔۔ اور کس وجہ سے مغرور ہیں یہ بھی سمجھ میں نہیں آتی۔۔۔ اللہ جانے ذرا سی حین ہوتیں تو کیا

کرتیں ابھی تو بس کرم ہی ہے اللہ کا۔۔۔" وہ ابھی انہیں چڑا ہی رہا تھا۔ مہناز بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی جسے انہوں نے میگزین کی

آڑ میں چھپایا تھا

"یہ جو تیس الفاظ کا ڈائیلاگ بولا ہے تم نے۔۔۔ یہ بھی مجھ پر اثر نہیں کرنے والا۔۔۔ مجھے بس وہ کام بتاؤ جس نے سر شام تمہیں

میرے سامنے کھڑا ہونے پر مجبور کیا ہے ورنہ تمہیں تو اپنے موبائل سے فرمت ہی نہیں ملتی" چہرے کے بالکل سامنے اخبار پھیلاتے ہوئے

وہ بولی تھیں۔ اتمش نے اخبار کے عقب سے بھی انکے اس شکوے کو محسوس کیا

"میرے موبائل سے تو آپ خواخواہ غار کھاتی رہتی ہیں۔۔۔ کچھ نہیں ہے اس میں۔۔۔ بس جاب تلاش کرتا رہتا ہوں اس پر۔۔۔ سی

وی بھیجتا ہوں۔۔۔ درخواستیں بھجواتا ہوں۔۔۔ آپ پتا نہیں کیا کیا سوچتی رہتی ہیں" اس نے ناک چدھا کر کہا تھا۔ مہناز بیگم نے فوراً اخبار

چہرے سے ہٹایا تھا

"تم نوکری تلاش کر رہے ہو؟" انہوں نے سوال کیا تھا۔ اتمش نے گردن ہلا کر اثبات میں جواب دیا

"یہ بیٹھے بٹھائے نوکری کا خیال کیسے آگیا۔۔۔؟" انہیں اچھا تو بہت لگا لیکن پھر بھی ذرا چہرہ اور لہجہ ک سخت کر کے پوچھا تھا۔ اتمش

نے بغور انہیں دیکھا پھر ناک چدھا کر بولا

"کتنا شرمندہ کیا ہے آپ سب لوگوں نے مل کر مجھے پچھو کے گھر۔۔۔ سب ایک ہی سوال کئے جا رہے تھے کہ کوئی نوکری بھی کرتے

ہو یا نہیں۔۔۔ تو بس میں نے سوچا کہ بہتر ہے جاب کر لوں۔۔۔ ویسے بھی فاسٹو تو سمجھو سر پر ہیں۔۔۔ پھر انٹرن شپ ایک طرح سے نوکری ہی

ہے" مہناز بیگم نے میگزین کو تہہ لگایا اور پھر پوری دلجمعی سے پیٹنے کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ انہیں جانے کیوں ایسا لگا کہ اتمش نے سونیا کی وجہ سے

جلد از جلد نو کری کا فیصلہ کیا ہے

”یہ تو بہت اچھا فیصلہ ہے۔۔۔ مجھے بہت خوشی ہوئی ہے سُن کر۔۔۔ اللہ تمہیں ضرور کامیابی دے گا“ وہ دعا دے رہی تھیں

”وہ تو ضرور دے گا اللہ۔۔۔ لیکن آپ بھی کچھ دیں گی یا نہیں۔۔۔ پیسے چاہیں مجھے تھوڑے سے۔۔۔“ اس نے وہ مقصد اُگل دیا تھا

جس نے اسے ان کے پاس اس وقت بیٹھنے پر مجبور کیا تھا

”ارے۔۔۔ وہ پانچ ہزار کہاں گئے جو کل دئے تھے“ مہناز بیگم نے سوال کیا تھا۔

”کل نہیں۔۔۔ ایک ہفتہ پہلے۔۔۔ یعنی سات دن اور آپ کو پتا بھی ہے پانچ ہزار کی قدر کیا ہے۔۔۔ کچھ نہیں آتا اب پانچ ہزار کا

ایک وقت ہینڈ آؤٹس لو۔۔۔ تو فوٹو سٹیٹ والا دو ہزار لے لیتا ہے۔۔۔ اور آپ سوال جواب کئے بناء اگر چند ہزار روپے دے بھی دیں گی تو

کونسا آپ کے خزانے میں کمی آجائے گی اور پھر کل کلاں کو جب میری جاب ہو جائے گی تو سب کچھ آپ کی ہتھیلی پر رکھا کروں گا۔۔۔“ وہ ایک ایک لفظ پر

زور دے کر بولا تھا

”ارے کہیں رکھ ہی نادو تم میری ہتھیلی پر۔۔۔ یہ بتاؤ کتنے پیسے چاہئیں“ انہوں نے اپنی جانب سے بحث ختم کی تھی

”بیس ہزار۔۔۔“ التمش نے کہا تھا۔ مہناز بیگم کا منہ کھل سا گیا

”بیس ہزار۔۔۔؟ اتنے سارے پیسوں کا کیا کرو گے۔۔۔؟“ وہ حیران ہوئی تھیں۔ ماسٹر جی اسے بیس ہزار پا کٹ منی دیتے

تھے۔ اس کے علاوہ وہ ان سے پیسے لیتا رہتا تھا لیکن بات دو ہزار پانچ ہزار سے آگے کبھی نا گئی تھی

”یا اللہ۔۔۔ ساری اولادوں کو ماں باپ کے قلم سے بچا۔۔۔ آئین۔۔۔ امی بیس ہزار اتنی بڑی رقم نہیں ہے جتنا بڑا سوالیہ نشان بنالیا

ہے آپ نے چہرے پر۔۔۔“ اسے بحث سے الجھن ہونے لگی تھی

”لیکن کرو گے کیا ان پیسوں کا۔۔۔ اور وہ تمہاری پا کٹ منی ختم ہو گئی کیا۔۔۔؟“ وہ سوال جواب کئے بناء بیٹے کو پہلے بھی روپے دینے

کی عادی نہیں تھیں اور اب تو اس کا مطالبہ بھی کچھ بڑا تھا

”جو پا کٹ منی وہ مجھے دیتے ہیں نا۔۔۔ ایک ہفتے سے زیادہ نہیں چلتی۔۔۔ تب ہی تو آپ سے مانگتا پھرتا ہوں۔۔۔ بنا تو رہا ہوں

کہ جاب ڈھونڈ رہا ہوں۔۔۔ جاب ہمسگ کو آسان سمجھتی ہیں آپ۔۔۔ اتنے پاؤ پیلنے پڑتے ہیں۔۔۔ ایک دوست کے بھائی ایک ملٹی نیشنل کمپنی

میں سیکرٹری ہیں۔۔۔ اس کو ڈر دینا ہے کسی اچھی جگہ۔۔۔ تعلقات بہت کام آتے ہیں ایسے معاملات میں۔۔۔ اس لئے مانگ رہا ہوں آپ

سے روپے۔۔۔“ اس نے جیسے سب اُگل ڈالا تھا۔ مہناز بیگم نے ایک لمحے کے لئے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”اچھا۔۔۔ دے دیتی ہوں۔۔۔ لیکن ابھی بارہ پندرہ ہی ہوں گے میرے پاس۔۔۔ شام کو ماسٹر جی سے لے کر دو گئی باقی کے

پانچ“ انہوں نے ہامی بھری تھی۔ التمش نے تائیدی انداز میں سر ہلایا

”ستیاس۔۔۔ میں نے کہا تھا کہ ماسٹر جی نہیں نیں گے ہماری۔ ہماری وضاحت میڈم کے الزام کے سامنے بیکار ثابت ہوگی“ صابر نے بدیدہ کہا تھا

”حبیب بنا سیتی۔۔۔ کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے۔“ تشکیل جو عمر میں ان سب سے چھوٹا تھا نے بھی بڑا کر کہا تھا۔ ماسٹر جی نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی اس کے کندھے پر زور سے ماری۔

”کجسخت۔۔۔ کیا بڑا برا ہے۔۔۔ با آواز بلند کہو جو کہنا ہے۔۔۔“ وہ غرائے تھے۔ تشکیل نے فوراً چہرے پر بیچارگی طاری کی

”میں ان سب سے کہہ رہا تھا کہ معافی مانگ لیتے ہیں۔۔۔ اسی میں بھلائی ہے۔۔۔ معاف کر دیں ماسٹر جی“ اس نے بات بنائی تھی

”کوئی معافی نہیں ملے گی۔۔۔ تم سب لوگوں کی وجہ سے بہت دل دکھا ہے میرا۔۔۔ تم لوگوں نے دو کوڑی کی کردی ہے میری عورت۔۔۔“ وہ بیزار ہو کر بولے تھے

”ماسٹر جی آپ بات تو نیں۔۔۔ ہم نے میڈم سے کوئی بد تمیزی نہیں کی۔۔۔ ہم بس انہیں سمجھا رہے تھے کہ۔۔۔“ ماسٹر جی نے اسکی بات کاٹی

”اوہ چُپ کر جا۔۔۔ خبردار جو ایک لفظ بھی نکلنا تیرے منہ سے۔۔۔ اتنی اوقات ہو گئی ہے تیری کہ تو میڈم کو سمجھا سکے۔۔۔ میں تین دن شہر سے باہر کیا گیا۔۔۔ پیچھے اتنا بڑا انقلاب آ گیا۔۔۔ میرے کھوتے کسی کو سمجھانے کے قابل ہو گئے۔۔۔ ماشاء اللہ“ وہ طنزیہ انداز میں بولے تھے

۔۔۔ مارے لڑکے منہ لٹکائے کھڑے تھے لیکن سب کے چہرے پر ماسٹر جی کو بتانے کے لئے کوئی نا کوئی دلیل ضرور تھی جسے ماسٹر جی سنا نہیں چاہ رہے تھے۔ اسی اثناء میں اتمش نے قدم اندر رکھے تھے۔ ان سب کو ایک ساتھ اس طرح قطار میں سر جھکائے کھڑا دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی

”کیا ہوا۔۔۔؟“ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں زب نواز سے سوال کیا تھا۔ وہ چُپ ہی رہا لیکن چہرے پر جو بیزاری پھیلی تھی وہ ماسٹر جی کو نظر آ گئی۔ انہوں نے چھڑی اٹھا کر ہلکے سے انداز میں اس کے کندھے پر ماری

”منہ دیکھو کیسے بنا رکھا ہے۔۔۔ جیسے کوئی غلطی ناک ہو۔۔۔ ناہنجا۔۔۔ کجسخت۔۔۔ نکما“ وہ سخت خفا تھے۔ اتمش کو ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سے اندازہ ہو گیا کہ آج اسکی دال نہیں گلے والی۔

”کیا ہو گیا۔۔۔ کیوں ڈانٹ رہے ہیں آپ انہیں۔۔۔“ اس نے پوچھا ان سے تھا لیکن دیکھ وہ انہی سب کی طرف رہا تھا

”ماسٹر جی ناراض ہیں اتمش بھائی۔۔۔ میڈم تمہینہ نے بہت شکایتیں لگائی ہیں ہماری وہ بھی جھوٹی۔۔۔“ تشکیل نے فوراً مدعا بیان کیا تھا۔

”اوتے تو پھر بولا۔۔۔ اور جھوٹی کس کو کہا۔۔۔ میڈم کو۔۔۔ میڈم کو جھوٹی بولتا ہے۔۔۔“ انہوں نے چھڑی اسکو پھر دے ماری تھی

”کتنی بار کہا ہے کہ کسی کے لئے ایسا لفظ استعمال نہیں کرنا۔ کسی کو کچھ نہیں کہنا۔ عورت کرنی ہے سب کی۔ سب کی۔۔۔ آئی سمجھ“ وہ پھر غرائے تھے۔

”اچھا چلیں جانے دیں۔۔۔ معاف کر دیں سب کو۔۔۔ اچھے لڑکے ہیں یہ۔۔۔ غلطی ہو گئی۔۔۔ دوبارہ نہیں کریں گے“ اس کو نہیں پتا تھا کہ مسئلہ کیا ہے لیکن وہ خود غجبت میں تھا اس لئے ماسٹر جی کو کہا تھا۔ ماسٹر جی نے ایک بار پھر ان سب کو گھور کر دیکھا ”چلو۔۔۔ جاؤ۔۔۔ شاباش۔۔۔ کام کرو سب“ اتمش نے ان سب کو وہاں سے نکلنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ سب تو منتظر تھے کہ کوئی انہیں آزادی کا پروانہ دے۔

”اتمش بھائی زندہ باد۔۔۔ اتمش بھائی زندہ باد۔۔۔“ وہ سب مزاحیہ انداز میں پریڈ کرتے باہر نکل گئے۔ رُب نواز نے اتمش کو اشارہ کیا تھا کہ میری بات سن کر جانا۔ اتمش نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے مثبت جواب دیا تھا۔

”یہ جلیبی لایا تھا آپ کے لئے۔۔۔ امی نے کچھ روپے منگوائے تھے“ اس نے پہلے جلیبی کی تمہید باندھی تھی بعد میں اپنی عرض پیش کی تھی آنے سے پہلے رُب نواز کو فون کرنے کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ اسے ماسٹر جی کی خشکی کی خبر پہلے سے ہو گئی تھی اسی لئے ان کی پسندیدہ چیز لے آیا تھا۔ ماسٹر جی جلیبی کا ذر سننے ہی خوش ہو گئے۔ اتمش پہلے بھی کسی مخصوص ہوٹل سے ان کے لئے شوگر فری جلیبی لایا کرتا تھا جو انہیں کافی پسند تھی

”رُب نواز سے لے لو روپے۔۔۔ کتنے چاہتیں۔۔۔“ انہوں نے جلیبی والا پیکیٹ پکڑ لیا تھا

”امی نے فون نہیں کیا آپکو۔؟“ اس نے پوچھا تھا۔ ماسٹر جی جلیبی کھانے میں مگن ہو گئے تھے

”دس لے رہا ہوں۔۔۔“ اس نے کن انکھیوں سے اپنی جانب دیکھا تھا۔ انہوں نے جلیبی کا مزہ لیتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

”ٹھینک یو ماسٹر جی۔۔۔“ وہ مطمئن ہو کر باہر نکل گیا تھا

☆.....☆.....☆

”یہ کیسا ہے؟“ انہوں نے نے ایک سنبھرا سا کپڑا سکے سامنے پھیلا دیا تھا۔ باریک سی نیٹ پر تارے ہی تارے لگے تھے۔ اس نے ایک نظر دیکھا پھر دوبارہ سے لیپ ٹاپ دیکھنے لگی

”اچھا یہ پسند نہیں آیا۔۔۔ تو یہ دیکھ لو۔۔۔“ انہوں نے سبز اور ہلکے نیلے سے رنگ کا ایک اور نفیس سا کپڑا اس کے سامنے پھیلا دیا تھا

”یہ پنڈی سے میری کزن لے کر آئی تھیں۔۔۔ انہوں نے تو نہیں بتایا لیکن ہاتھ لگانے سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ بہت مہنگا ہے۔۔۔ چھو کر تو دیکھو۔۔۔ کیسا ملائم ہے، رنگ بھی کتنا پیارا ہے۔۔۔ وہ تو تمہاری منجھلی آپنی کے لئے لائی تھیں اسکی شادی پر۔۔۔ لیکن میں نے تب سے ہی سنبھال کر رکھ لیا تھا کہ اپنی عراب کو دو دہائی اس کی شادی پر۔۔۔“ انہوں نے لفظ ”شادی“ پر زور دیتے ہوئے بغور اسکا چہرہ دیکھا تھا

اس کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان تھا۔ یہ والا نیٹ کا کپڑا انہوں نے کب سے سنبھال کر رکھا تھا ایک دو بار سو نیا نے مانگا بھی تو انہوں

نے انکار کر دیا تھا۔

”اسکے ساتھ پٹیا لے کر یا غرارہ بنوالینا۔۔۔ آجکل بڑا فیشن ہے نا“ وہ بے حد مگن ہو کر بول رہی تھیں۔ سونیا نے موبائل سے نظر ہٹا کر انکا چہرہ دیکھا۔ وہ کتنی مطمئن لگتی تھیں۔ اس کے دل میں جیسے موہوم سی بقیہ امید بھی دم توڑ گئی تھی کہ شاید بھتیجے کے رویے نے اسکی امی کو کچھ باور کروایا ہو لیکن ان کا اشتیاق اور اطمینان دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ پر امید ہو گئی ہیں۔ وہ چند لمحے بس ایسے ہی انکا چہرہ دیکھتی رہی۔ دل جیسے بالکل کرچی کرچی ہو گیا تھا لیکن اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا بلکہ سر ملادیا تھا۔ انہوں نے اسکی جانب دیکھا پھر بولیں ”شفق کی شادی کے لئے کہہ رہی ہوں۔۔۔ اگلے مہینے کی تاریخ طے ہوئی ہے۔۔۔“ انہوں نے اسکی ایک کزن کا نام لیا تھا اور گویا وضاحت کر دی تھی۔ سونیا نے انکی بات کو بغور سنا پھر جیسے اسے تسلی ہوئی تھی کہ وہ اسے کسی اور کی شادی کے لئے کپڑے بنوانے کو کہہ رہی ہیں تو اسکی دلچسپی موضوع میں بڑھ گئی تھی

”یہ اچھا لگ رہا ہے۔۔۔ اس کا غرارہ بنا لیتی ہوں۔۔۔۔۔ ساتھ نیلے گھرے رنگ کی نیٹ کی قمیض اچھی لگے گی۔ نیٹ ہی کا ڈوپٹہ لے لیں گے۔۔۔ میں نے انٹر نیٹ پر دیکھا تھا۔ بہت اچھے بنے بنائے نیٹ کے ایمبرائڈڈ ڈوپٹے مل رہے ہیں آن لائن۔۔۔ ہاتھ کی کڑھائی والے ہیں۔۔۔ ٹھہریں دکھاتی ہوں آپکو۔۔۔“ وہ انکی جانب دیکھے بنا کہہ رہی تھی پھر ساتھ ہی گود میں پر موبائل اٹھالیا۔ اب کی بار عطیہ نیگم نے بغور اسے دیکھا۔ اتنی دلچسپی پہلے تو کبھی اس نے ایسے ملبوسات میں نہیں لی تھی اسکے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ وہ محتاط سی ہوئیں جبکہ وہ اپنے موبائل پر ہاتھ مارنے میں مگن تھی۔ چند ایک ساعتوں بعد ہی اس نے انہیں کچھ تصاویر دکھائی تھیں

”یہ دیکھیں۔۔۔ اچھے لگے تھے مجھے۔ بہت سارے رنگ ہیں۔۔۔ اور قیمت بھی بڑی مناسب سی بارہ بارہ سو روپے میں اور ڈیلیوری بھی فری۔۔۔ آپ کہیں تو آرڈر پلیس کروں؟“ وہ بے حد انہماک سے انہیں دکھا رہی تھی۔

”دکھاؤ۔۔۔ ذرا بڑا کرو اسے۔۔۔“ انہوں نے اس کے ہاتھ سے موبائل پکڑا تھا۔ دل میں ابھی بھی منحصر کا شکار تھیں کہ وہ مذاق یا طنز نا کر رہی ہو جبکہ وہ تو انہیں ایک کے بعد ایک تصاویر دکھانے میں مگن تھی۔ عطیہ نیگم نے تذبذب کے عالم میں تصاویر دیکھنی شروع کر تو دی تھیں لیکن پھر اس کا انہماک اور دلچسپی محسوس کر کے انہوں نے چند ایک چیزیں پسند کر لی تھیں۔ سونیا نے بھی فرمانبردار بیٹیوں کی طرح اسی وقت آرڈر دینا شروع کر دیا تھا

”ایک ہفتے کے اندر مل جائے گی ڈیلیوری۔۔۔ بہاد پور سے بنواتے ہیں یہ لوگ۔۔۔ دیکھنے میں تو زبردست لگ رہے ہیں۔۔۔ اب ایک ہفتے بعد ملیں گے تو پتا چلے گا کہ واقعی اچھے ہیں یا فوٹو شاپ کا کرشمہ ہے“ اسکا انداز ایسا تھا کہ عطیہ نیگم کو بہت اچھا لگا۔ ان کے دل کو بڑا سکون ملا تھا۔ اب یہی مناسب موقع تھا کہ وہ اپنی بات کر لیتیں

”میں نے تمہارے ابو سے بات کی ہے۔۔۔ بتایا ان کو میز اب کا۔۔۔ یہ بھی بتایا کہ وہ ایک بار پھر ویزا اپلائی کر رہی ہے۔۔۔ لیکن

وہ بھی تمہاری وجہ سے پریشان ہیں۔۔۔ کہ ایک بچی کی خاطر جا رہے ہیں تو دوسری بچی کا کیا کریں "یہ تمہید تھی۔ سونیا لڑتے ہو کر بیٹھ گئی تھی

"تم میری بات کو تحمل سے سنا۔۔۔ سنئے بناء ہی چلا نامت شروع کر دینا۔۔۔ عادت کے مطابق۔۔۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم تین مہینے کے لئے چلے جاتے ہیں۔۔۔ اور رہی تمہاری بات تو تم اتنا عرصہ اپنے ماموں کے یہاں کراچی میں رہ لو۔۔۔ صرف تین مہینے کی بات ہے میں جانتی ہوں تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگ رہی ہوگی۔۔۔ لیکن بعض اوقات بیٹیوں کو بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔۔۔ ماں باپ کے ساتھ تعاون کرنا ہی پڑتا ہے۔۔۔ تم سمجھ رہی ہونا۔" انہوں نے کہا تھا۔ سونیا نے انکا چہرہ دیکھا۔ وہ کتنے آرام سے یہ بات کہہ گئی تھیں۔ انہیں احساس تو تھا کہ اسے یہ بات یا پیشکش بالکل بھی پسند نہیں آئیگی۔ وہ کبھی کسی بات پر ان سے بحث نہیں کرتی تھی۔ ایک "اتمش" کا ہی موضوع تھا جو ان کے درمیان باعث تنازعہ تھا لیکن وہ اس بات کو اہمیت ہی نہیں دیتی تھیں۔ وہ چند لمحے اسی طرح انکا چہرہ دیکھتی رہی کہ وہ نظریں پھرانے پر مجبور ہو گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے آپکی مرضی۔۔۔" اس نے کہا تھا اور پھر دوبارہ سے لیپ ٹاپ کی جانب مگن ہو گئی جیسے یہ کوئی بہت عام سی بات ہو۔ عطیہ بیگم نے اسکی فرمانبرداری کو بہت دل سے محسوس کیا تھا۔

"تم نہیں جانا چاہتی تو بتا دو۔۔۔ اب ایک بیٹی کو خوش کرنے کے لئے دوسری کو تو ناراض نہیں کر سکتی میں۔۔۔ اللہ مالک ہے اس بیٹی کا بھی۔۔۔ آخر پہلا بچہ بھی تو اکیلے ہی پیدا کر لیا تھا اس نے۔۔۔" وہ کہہ گئی تھیں۔ انکا مقصد سونیا کو جذباتی طور پر بلیک میل کرنا نہیں تھا "نہیں۔۔۔ رہ لوں گی چار، چھ مہینے۔۔۔ اتنا عرصہ تو رہ ہی سکتی ہوں۔۔۔ ویسے بھی میں ڈیزائننگ وغیرہ کے کورس کرنا چاہ رہی تھی۔۔۔ باقاعدہ ڈیزائننگ سیکھ لیتی ہوں۔۔۔ وہاں کراچی میں تو اچھے مواقع مل جائیں گے۔۔۔ آپ فکرنا کریں چلی جاؤں گی" اس نے عام سے انداز میں کہا تھا۔ عطیہ بیگم کا دل پھر بھی بے چین ہی رہا تھا۔ یہ بے چینی انہیں اب مسلسل تانے لگی تھی

☆.....☆.....☆

"تم دس منٹ لیٹ ہو۔۔۔ لیکن تمہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ دس منٹ کی تاخیر اگتور کی جاسکتی ہے۔۔۔" اتمش نے زرین کو بہت دھیان سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے اسکے پسندیدہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ سفیدی شرٹ پر سیاہ نیٹ کا ڈیزائن بنا تھا۔ کندھوں تک آتے سلکی بال آگے پیچھے اس طرح سے سجا رکھے تھے کہ چہرے پر انکا سایہ پڑتا تھا۔ میک اپ پر آج ضرورت سے زیادہ محنت کی گئی تھی۔ زرین کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی اور پھر پھیل سی گئی۔ گال پر ڈمپل ایک دم نمایاں ہونے لگا تھا۔ آج اسکی برتھ ڈے تھی اور اتمش نے پہلی بار اسے اس طرح ڈز پر مدعو کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے نسبتاً ایک غیر معروف لیکن تیزی سے مقبول ہوتا ہوا ریسلورٹ منتخب کیا تھا۔ سرمئی سیاہ سوٹ میں وہ خود کسی فلمی ہیرو کی طرح تیار ہو کر آیا تھا۔ اس کے وجود سے بہترین پرفیوم کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے زرین کو ٹیوب روز کا ایک چھوٹا سا گلہ سہ بھی پیش کیا تھا۔ ان کے درمیان ابھی تک ایسی رومینٹک باتیں ظہور پذیر ہوئی ہی نہیں تھیں۔ ان دونوں کو ہی

ہر چیز نئی اور اچھوتی لگ رہی تھی۔ اتمش خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی

"اچھی لگ رہی ہوں۔۔۔؟" زرین پوچھ رہی تھی۔ اتمش بہت ہی کم اسکی تعریف کرتا تھا اور جب کرتا تھا تب بھی مذاق میں ہی کرتا تھا لیکن آج ناصر ف اس نے تعریف کر ڈالی تھی بلکہ وہ جس انداز میں اسے نظر بھر بھر کر دیکھ رہا تھا۔ زرین خوش ہوئی چلی جا رہی تھی۔

"بے حد۔۔۔۔۔" وہ آج کافی فراخ دل ہو رہا تھا۔ زرین پھر مسکرائی تھی۔ اتمش نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر آتے بال اس کے کان کے پیچھے اڑس دے دئے تھے۔

"دل چاہ رہا ہے اپنا آپ تم پر وار کر نہیں دوڑ پھینک دوں۔۔۔" اس نے سرگوشی کی تھی۔ زرین نے ادھر ادھر دیکھا۔ اتمش کا انہماک اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"تم مجھے کنفیوژ کر رہے ہو۔۔۔" وہ مزید مسکرائی تھی

"کنفیوژ ہو کر تم اور زیادہ خوبصورت لگنے لگی ہو۔۔۔" وہ مسکراتا بھی تھا تو اسے آنکھوں میں بھر کر۔۔۔ زرین کو اپنا چہرہ اسکی آنکھوں میں محسوس ہونے لگا تھا۔ اب کی بار اس سے کچھ نہیں بولا گھیا۔ وہ بس مسکراتی رہی تھی

"آج تو دل چاہ رہا ہے غالبہ کے دیور کو گلے لگا کر شکر یہ بول کر آؤں۔۔۔ کیسا اچھا آدمی تھا۔۔۔ اتنی جلدی سرنڈر کر دیا اس نے۔۔۔ ورنہ میرا تو زندگی بھر کا نقصان ہو جاتا۔۔۔" وہ اعتراف کر رہا تھا

"تمہاری پچھوکی بیٹی نے تو ابھی تک سرنڈر نہیں کیا نا۔۔۔ ورنہ میں بھی یہی بات اتنے سکون۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اتمش نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چُپ کر دیا

"ششش۔۔۔ آج بس ہم دونوں کی بات ہوگی۔۔۔ کسی دوسرے کو یاد نہیں کریں گے ہم۔۔۔" اتمش نے اتنا کہا پھر میز پر

کہنی ٹکا کر اس پر اپنی تھوڑی انکا کر مزید اطمینان سے اسے نکلنے لگا تھا

"زرین! تمہیں احساس بھی ہے کہ اتنا خوبصورت لگنا ال لیگل بھی ہو سکتا ہے۔۔۔" وہ مسلسل اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا جبکہ زرین واقعی کنفیوژ سی ہوئی جا رہی تھی مگر دل ہی دل میں اسے بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

"آئی لو یو زرین۔۔۔ آئی ریٹلی ڈو۔۔۔ تمہارے بناء تو زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں رہا میرے لئے اب۔۔۔" اس نے نیبل پر دھرے زرین کے ہاتھ پر دھیرے سے اپنی انگلی رکھ کر اس کے لمس کو محسوس کیا تھا۔ زرین اب چُپ چاپ بس اس کے الفاظ میں چھپی اسکی محبت کی شدت کو محسوس کر رہی تھی۔ اتمش نے کوٹ کی جیب سے مخملیں ڈبیا نکالی تھی۔ زرین اس ڈبیا کو دیکھ کر ہی جیسے چونک سی گئی تھی۔ وہ اس سب کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ اس کے لئے تو یہ ایک برقعہ ڈے ڈنر تھا لیکن یہ تو ایک باقاعدہ پر پوزل کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس کے چہرے سے خوشی اور طمانیت ایک ساتھ جھلکنے لگی تھی۔ اتمش نے ڈبیا کو کھولا اور اس کے سامنے کر دیا۔ نفیس سی پلاٹینم کی انگوٹھی زرین کے سامنے تھی

”مجھ سے شادی کرو گی زمین۔۔۔؟“ وہ پوچھ رہا تھا زمین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ چہرے پر پھیلی مسکراہٹ ہنسی میں بدلنے لگی تھی۔

”اوہ مائی گاڈ۔۔۔ اتمش تمہیں احساس بھی ہے کہ کسی کو اتنی خوشی دینا بھی ال لیگ ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ بھی کرائم ہے۔۔۔ میں خوشی سے مر بھی سکتی ہوں“ وہ جوش میں آ کر جو سوچ رہی تھی وہی بولتی جا رہی تھی

”بولو نا زمین۔۔۔ شادی کرو گی مجھ سے۔۔۔“ وہ اپنی بات پر بضد تھا۔ زمین بے تحاشا ہنسی پھر اس نے زور زور سے سر ہلایا

”یس۔۔۔ یس۔۔۔ یس۔۔۔ اسکی خوشی اسکے ہر عضو سے چھلک رہی تھی۔ اتمش نے ڈیبا سے انگوٹھی نکال کر دھیرے سے اسکا ہاتھ

تھام کر اسکی انگلی میں پہنادی تھی

”آج سے اتمش تمہارا ہوا زمین۔۔۔ صرف تمہارا۔۔۔ اب مت پالنا کوئی غدشہ۔۔۔ مت سوچنا کوئی الٹی سیدھی بات“ وہ اتنے مستحکم لہجے میں بولا تھا کہ زمین اسے یک ٹک دیکھتی رہ گئی۔ اسکی آنکھوں سے ہی نہیں پورے وجود سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اسکی آنکھیں خوشی کے باعث نم ہونے لگی تھیں

”اچھا چلو اب مجھے گھورنا بند کرو اور مجھے ذرا تسلی سے اللہ کا شکر ادا کر لینے دو۔۔۔ کیسی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے ہمیشہ ہی بہترین سے نوازا ہے۔۔۔ اور اسی لئے تو پبلک جلتی ہے مجھ سے۔۔۔ بتاؤ ایک طرف پھپھوکی بیٹی کو سستی رہتی ہیں۔۔۔ اور دوسری طرف کسی کی خالہ کے دیور نے بھی بد دعاؤں میں رکھ لیا ہو گا ہمیں۔۔۔ خیر ہمیں کوئی ڈر نہیں۔۔۔ ہمیں تو ”تم“ مل گئی ہو۔۔۔ اب سب کچھ سہہ لیں گے“ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا تھا اور اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پھر مسکرایا تھا۔ زمین تو بس اپنے ہاتھ کی جانب دیکھتی جا رہی تھی۔ یہ ہاتھ کس قدر قیمتی ہو گیا تھا اسکے لئے۔۔۔ ایک ننھی سی انگوٹھی انگلی میں کیا آ سچی تھی، لگتا تھا کائنات ہاتھ میں سما گئی ہے

☆.....☆.....☆

”عطیہ اور بھائی جان کینیڈا جا رہے ہیں“ انہوں نے جیسے ماسٹر جی کے سامنے کوئی راز اگلا تھا، چہرے پر عجیب سی شرارتی مسکراہٹ تھی ماسٹر جی سونے کے لئے لیٹ چکے تھے۔ نیند ہلکی ہلکی کروٹیں لیتی انکی آنکھوں میں آسمانی تھی۔ بیگم کی بات سن کر وہ کچھ حیران ہوئے اور آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگے

”میزاب بلوانا چاہ رہی تھی کب سے۔۔۔ لیکن کچھ فیصلہ نہیں ہوا تھا۔۔۔ سونیا کی پریشانی تھی نا۔۔۔ لیکن اب چونکہ سب مسائل حل ہو گئے ہیں نا۔۔۔ اس لئے ان لوگوں نے سوچا ہے کہ کینیڈا ہی گھوم آئیں۔۔۔ میزاب کے یہاں اچھی خبر متوقع ہے۔۔۔ تو عطیہ اسکی مدد اور تیمارداری کے لئے وہاں رکیں گی تین مہینے یا چھ مہینے۔۔۔“ مہناز بیگم بھی برسرِ پری آ بیٹھی تھیں

بچی کا کیا کریں گی۔۔۔ یہ مسئلہ تو ابھی تک جوں کا توں ہے“ ماسٹر جی نے بات برائے بات پوچھ لیا تھا۔ مہناز بیگم شرارتی سے

انداز میں مسکرائیں

”بچی اب انکی نہیں رہی۔۔۔ اب وہ ہماری امانت ہے۔۔۔ ہم سنبھالیں گے“ ماسٹر جی نے کروٹ انکی جانب بدلی

”اپنے ہونہار پدوت سے بھی پوچھ لیجئے گایہ بات ایک بار۔۔۔“ ماسٹر جی نے خوابیدہ آنکھوں سے انکی جانب دیکھتے ہوئے طنز کیا تھا۔

”یہ پوچھ پڑتال آپکا کام ہے ماسٹر جی۔۔۔ جوان اولاد سے میں تو نہیں کروں گی نایہ بات۔۔۔ میں تو بس یہ سوچ رہی ہوں کہ سونیا کو

کس کمرے میں ٹھہرانا ہے۔۔۔ پانچ چھ مہینے رہے گی یہاں۔۔۔ ایک الگ کمرہ ہونا چاہیے اس کے لئے۔۔۔“ وہ اپنی دھن میں بول رہی تھیں

”آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ وہ اتنا عرصہ ہمارے ساتھ رہے گی؟ ماسٹر جی کے چہرے پر حیرانی اور تجسس ایک ساتھ چمکا تھا

”بالکل ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔۔۔ کیوں۔۔۔ آپکو کوئی اعتراض ہے کیا۔۔۔؟“ وہ ان سے پوچھ رہی تھیں۔ ماسٹر جی نے لیٹے لیٹے سر جھٹکا

”میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہے آپکی نظر میں۔۔۔ آپ خود بھی جانتی ہیں ایک میان میں دو تلواریں سجاویں تو نہیں جاسکتیں

۔۔۔ ہاں پھنسائی ضرور جاسکتی ہیں۔۔۔ آپ یہی کر رہی ہیں۔۔۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سمائیں گی بی بی“ وہ اب غنودگی مزید شدت

سے محسوس کر رہے تھے۔

”انسان جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے نا ماسٹر جی تو میان میں تلواریں تو کیا پتھر یاں کاٹنے چمچے سب سمائے جاسکتے ہیں۔۔۔ بس

ہمت درکار ہوتی ہے۔۔۔ اور آپ جانتے ہی ہیں کہ ہمت کی کمی نہیں ہے مجھ میں اور میں تو تہیہ کر چکی ہوں کہ مجھے سونیا کو اس گھر میں لانا ہی

ہے۔۔۔ تب ہی تو یہ سب کرتی پھر رہی ہوں۔۔۔“ وہ پُر عزم لہجے میں بولی تھیں۔ ماسٹر جی نے جمائی لی

”یہی تو سوال ہے کہ آپ کرتی کیا پھر رہی ہیں۔۔۔ میں تو سب کچھ سمجھنے سے قاصر ہوں بی بی!“ ماسٹر جی اپنی اہلیہ کے سامنے کبھی

بھی اپنی فہم و راست کا اعتراف نہیں کرتے تھے۔ انہیں خود کو نا سمجھ ظاہر کرنے میں لطف آتا تھا

”یہ سب میرا ہی کیا دھڑا ہے ماسٹر جی! آپکا کیا خیال ہے یہ سب بیٹھے بٹھائے ہو گیا ہے۔۔۔ اچانک میز اب اپنے امی ابا کو اپنے

پاس بلواری ہے۔۔۔ سونیا اپنا گھر چھوڑ کر جاؤ کر یہاں آ رہی ہے۔ عطیہ اتنی دور جا رہی ہیں“ وہ ان سے پوچھ رہی تھیں۔ ماسٹر جی کی آنکھیں اب

بالکل بند ہونے لگی تھیں

”میں نے پلاننگ کی ہے ساری۔۔۔ پہلے میز اب کو کال کی۔۔۔ اسکو اعتماد میں لیا۔۔۔ اسکو بولا کہ اپنے والدین کو بلوائے پھر

عطیہ کو سمجھایا ہے کہ وہ جا کر رہیں کچھ دن بیٹی کے پاس۔۔۔ اس دوران سونیا یہاں رہ لے گی۔۔۔ ان دونوں کو ساتھ رہنے کا موقع ملے گا تو ہی

احساس ہوگا کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔۔۔ ویسے بھی التمش کی سوچ بہت مثبت ہوتی جا رہی ہے۔۔۔ نوکری تلاش کر رہا ہے

آجکل۔۔۔ ابھی ایک بار سا ہیوال کا چکر لگا کر آیا ہے اور جاب تلاش کرنی شروع کر دی ہے۔۔۔ چھ مہینے کہیں مل بیٹھنے کا موقع مل گیا تو آپ

دیکھنے گا کار بار اور گھر باریک باتیں کرنے لگے گا۔۔۔ میں اور عطیہ تو بہت پُر امید ہیں ماسٹر جی“

”کیا عطیہ جانتی ہے کہ اتمش اس رشتے کے لئے راضی نہیں ہے اور اسکی دلچسپی کہیں اور ہے؟“ ماسٹر جی نے پوچھا تھا۔ مہناز نے گھور کر انہیں دیکھا

”آئے ہاتے۔۔۔ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں۔۔۔ رائی کا پہاڑ ایسے بنایا جاتا ہے۔۔۔ مجھے آج سمجھ میں آئی۔۔۔ کہیں نہیں ہے اسکی دلچسپی۔۔۔ بس وہ لاپرواہ سا ہے۔۔۔ اور ابھی کھلنڈرے پن سے نہیں نکلا۔۔۔ اسے کیا پتا اس کے لئے کون مناسب ہے اور کون نہیں۔۔۔ اس عمر میں لڑکے ایسی غیر بنجید باتیں کر جایا کرتے ہیں۔۔۔ اور بعد میں بھول بھال جاتے ہیں۔۔۔ آپ اس کی طرف دھیان مت دیں۔۔۔ اور مہربانی کر کے آپ بھی عطیہ کو مت بتا دیجئے گا۔۔۔ اسے پتا چل گیا تو وہ بھلا کریں گی سونیا کا رشتہ ہماری طرف۔۔۔ اسے تو میں یہی کہہ کر آئی ہوں کہ ابھی کھاتا کھاتا کچھ نہیں ہے میرا بیٹا تو میں چپ ہوں۔۔۔ ورنہ تو بچی کو شوگون کی انگوٹھی پہنا کر ہی آتی ”مہناز بیگم نے کہا تھا

”آپ یہ ٹھیک نہیں کر رہیں۔۔۔ اس کے نتائج اچھے نہیں نکلیں گے“ ماسٹر جی نے ٹوکننا ضروری سمجھا تھا

”اوہو۔۔۔ یہی مناسب ترین حل تھا اس مسئلے کا۔۔۔ آپ اس طرح کہہ کہہ کر براہ مہربانی کوئی بدشوونی مت پھیلائیں اور میرا ساتھ دیں“ انکا لہجہ مستحکم تھا۔ ماسٹر جی بالکل نیند کے زیر اثر آچکے تھے۔ انہوں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا

☆.....☆.....☆

”یہ۔۔۔۔۔ یہ چھلکے جیسی انگوٹھی۔۔۔ وہ بھی سونے کی نہیں لگ رہی۔۔۔ اس کو گارنٹی مان لوں میں؟“ می نے زمین کی انگلی میں پڑی انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے حقارت سے کہا تھا۔ اسے بہت برا لگا

”می۔۔۔ وہ ابھی پڑھ رہا ہے۔۔۔ جاب نہیں کرتا۔۔۔ جاب کرنے لگے گا تو اس سے زیادہ اچھی لے آئیگا۔۔۔ آپ ایسا کیوں سمجھتی ہیں کہ میں نے کوئی غلط شخص اپنے لئے منتخب کیا ہوگا۔۔۔ بہت اچھا ہے اتمش۔۔۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تھی۔ ان کے چہرے پر ناگواری سی پھیل گئی

اب جب تمہیں پسند ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں لیکن۔۔۔“ وہ چپ ہوئی پھر بولیں

”میری دعا ہے کہ تمہیں پچھتانا پڑے۔۔۔ روہینہ کے دیور میں ہزار باخوبیاں تھیں مگر تم نے اس کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔۔۔ ارے ایسی کئی انگوٹھیاں وار کرتی رہے پھینک دیتا۔ لیکن تمہیں تو یہ مشکل سے نام والا لڑکا پسند آ گیا ہے“ وہ ناک چڑھا کر کہہ رہی تھیں

”ایسے تو مت کہیں۔۔۔ آپ ملیں گی اس سے تو آپکو احساس ہوگا کہ میں نے کتنا اچھا فیصلہ کیا ہے۔۔۔“ وہ مسرور سے لہجے میں بولی تھی کئی دن ہو گئے تھے اسکی برتھ ڈے کو لیکن وہ انگوٹھی اب بھی اسکی انگلی میں موجود تھی۔ اسکا دل ہی نہیں کرتا تھا کہ اسے انگلی سے اتار کر رکھے

”ملوں گی کب۔۔۔ یہ بھی بتا دو۔۔۔ کب سے تو یہی کہہ رہی ہو کہ ملواؤں گی۔۔۔ یہ مبارک موقع آیا تو ہے نہیں اب تک۔۔۔“ وہ کافی ناراض ہو رہی تھیں

”مئی۔۔۔ آپ اس طرح اور دیری ایکٹ کیوں کرنے لگتی ہیں۔۔۔ آپ آج کہیں تو آج ہی ملوادیتی ہوں۔۔۔ آپ اور ڈیڈی ایک ساتھ گھر میں موجود ہوں تو میں اسکو انوائٹ کروں نا۔ وہ اس گھر کا ہونے والا داماد ہے۔۔۔ اسکو ذرا اچھے طریقے سے ہی انوائٹ کرنا پڑے گا نا۔ کچھ اچھا ساما حول بنانا پڑے گا۔۔۔ اس کے شایان شان۔۔۔ وہ بد جوش ہی ہوئی تھی۔ اسکی مئی نے ناک چودھائی

”اس نے تمہیں جو شایان شان انگوٹھی دے دی ہے نا۔ بس اتنی ہی اچھی توقع مجھ سے کر لو۔۔۔ بلو الو کسی دن گھر اسے۔۔۔ میں بھی بریانی اور راتہ میز پر رکھ کر اپنا فرض پورا کر لوں گی“ وہ سخت ناراض نظر آتی تھیں

”مئی پلیز! ایسی باتیں مت کریں۔۔۔ آپ مجھے ہرٹ کر رہی ہیں“ وہ بیچارگی سے بولی تھی

”اوتے تو میں ہرٹ نہیں ہوئی۔۔۔ بتاؤ جب یہ چھلکے جیسی انگوٹھی کسی کو دکھا کر کوئی ناکہ میرے ہونے والے منیگر نے دی ہے تو سب سے پہلے تمہاری سہیلیاں مذاق اڑائیں گی۔۔۔ اور خبردار رویدینہ کے سامنے ناکہ لیا والا ہاتھ۔۔۔ ہنسے گی ہم پر۔ کہ اسکا اتنا اچھا دیور چھوڑ کر یہ کنکلا پسند کیا ہے۔۔۔ اور اپنی تائی کو بھی نابھانا۔۔۔ اس کے داماد نے پہلی بار ہی کرولا گفت کی تھی اپنی ہونے والی بیوی کو“ زرین نے ماں کی بات کاٹ دی

”کنکلا نہیں ہے۔۔۔ اچھی خاصی کھاتی پیتی فیملی کا لڑکا ہے اور دوسرا بھوکا نہیں مارے گا مجھے۔۔۔ آپ یہ بتائیں۔۔۔ کل بلو الوں اسے۔۔۔ ڈر پر۔۔۔؟“ وہ ان سے پوچھ رہی تھی

”نا۔۔۔ رہنے دو۔۔۔ آجکل تمہارے چھوٹے چاچو آئے ہوئے ہیں آسٹریلیا سے۔۔۔ روز ہی چکر لگ رہا ہے انکا۔۔۔ ان کو ذرا واپس چلے جانے دو۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ میں اس لڑکے سے ملنے سے پہلے اسکا سامنا کسی رشتہ دار سے کرواؤں۔۔۔ آخر ہماری بھی کوئی عزت ہے۔۔۔ ایویں تو کسی کو بھی رشتہ نہیں دے دوں گی اپنی جیتی بیٹی کا۔۔۔ پہلے کی بات اور تھی۔۔۔ تم نے اتنے جھوٹے قصے سنار کھے تھے کہ لڑکا میرا ہے میرا۔۔۔ ایسا ہی میرا ہوتا تو یہ چھلکے جیسی انگوٹھی دیتا بھلا۔۔۔ دل ٹوٹ گیا میڈم تھمینہ کا زرین۔۔۔ بالکل دل ٹوٹ گیا۔۔۔ کیا کہیں گے لوگ۔۔۔ کس کو داماد بنالیا میڈم تھمینہ نے۔۔۔ میں تو کہتی ہوں زرین ابھی بھی وقت ہے۔۔۔ ابھی سوچ لے۔۔۔ رویدینہ کا دیور پاکستان میں ہی ہے ابھی“ وہ تاسف بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں۔ زرین نے جیسے انکی بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ بس اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود انگوٹھی کو تنکے میں مصروف تھی۔

☆.....☆.....☆

”مجھے یقین نہیں آرہا کہ وہ اتنے آرام سے مان گئی ہے۔۔۔ اس نے تو چوں چراں بھی نہیں کی۔۔۔ میں نے کہا اور اس نے فوراً مان لیا۔۔۔“ عطیہ فون پر انہیں بتا رہی تھیں۔ مہناز کو بہت خوشی ہوئی سُن کر۔۔۔

”دراصل دونوں بچے بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن ہم بڑوں کے سامنے اداکاری کرتے رہتے ہیں“ مہناز نے انہیں

تلی دی تھی۔ عطیہ بیگم جواباً کچھ نہیں بولیں۔ مہناز نے انکی خاموشی میں چھپے اضطراب کو بالکل بھی محسوس نہیں کیا تھا

”میں کمرہ صاف کر رہی تھی سو نیا کے لئے۔۔۔ اتمش کو اوپر کے پورشن میں شفٹ کر رہی ہوں۔۔۔ سو نیا کو اتمش کا کمرہ دے دوں گی۔۔۔ ویسے تو نیچے دو اور کمرے بھی ہیں لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ اتمش اوپر رہ لے“ وہ اپنی ہی دھن میں بول رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ اتمش کے کپڑے اسکی الماری سے نکالتی جا رہی تھیں۔

”سو نیا اوپر بھی رہ لیتی۔۔۔ اتنا شاہانہ پروٹوکول دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے اب میری بیٹی کو۔۔۔ خواہ مخواہ اتمش کو تکلیف دی تم نے۔۔۔ وہ ناراض ہوا ہوگا کمرہ تبدیل کرنے پر“ عطیہ سادہ سے انداز میں کہہ رہی تھیں

”ارے نہیں بھئی۔۔۔ ناراض کیوں ہوگا۔۔۔ اتنا بھی لاڈلا نہیں بنا کر رکھا ہوا میں نے اسے کہ اپنی ایک بات نامنوا سکوں۔۔۔ تم اتمش کی فکر چھوڑ دو اور اپنے جانے کی تیاری کرو۔۔۔ کپڑے وغیرہ بنالو۔۔۔ سنا ہے کینیڈا میں خوب سردی پڑتی ہے۔۔۔ تم بھی گوریوں کی طرح پیٹنٹیں شرٹیں پہن کر پھرنا“ وہ ہنستے ہوئے انہیں چڑا رہی تھیں۔ عطیہ کی بھی ہنسی کی آواز سنائی دی

”ارے نہیں بھئی۔ ہم تو پرانے زمانے کے لوگ ہیں۔۔۔ ہم سے نہیں پہنے جاتے یہ مغربی لباس۔۔۔ میزاب بتا رہی تھی کہ شلواروں قمیضوں میں بھی بہت نظر آتی ہیں۔۔۔ بالخصوص انڈین پنجابی عورتیں تو پہنتی ہی شلوار قمیض ہیں۔“ عطیہ کو جیسے اس بات کی بہت ہی تلی تھی سواطینان سے سہیلی کو بتا رہی تھیں۔

”یہ بھی اچھا ہے مگر موٹے کپڑے خوب سارے لے جانا۔۔۔ اور ہاں اپنے وٹامنز بھی پورے کرلو۔۔۔ یہ نا ہو کہ وہاں جا کر گھٹنے ٹخنے درد کرتے رہیں۔۔۔ میں نے مارنگ شو میں سنا تھا کہ وہاں جانے والوں کو یہ مسئلہ بہت تنگ کرتا ہے“ مہناز بیگم نے مشورہ دیا تھا۔ اتمش کی الماری کا ایک کیبنٹ فارغ کر لیا تھا انہوں نے اب دوسرے کی باری آچکی تھی۔ اسی دوران اتمش نے کمرے میں قدم رکھا تھا

”یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔۔۔ میرا سارا سامان کیوں نکال دیا ہے۔۔۔“ وہ کچھ حیران ہوا تھا۔ مہناز نے فون پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے چُپ رہنے کا اشارہ کیا تھا

”بتائیں تو سہی کہ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟“ وہ چُپ نہیں ہوا تھا۔ مہناز نے بحالت فون بند کیا اور پھر اسے گھورتے ہوئے بولیں

”تم آہستہ آواز میں بات نہیں کر سکتے۔۔۔ کیا سوچیں گی تمہاری پھجھو۔“ انہیں برا لگا تھا

”چھپھوکھا میرے کمرے سے کیا تعلق ہے۔۔۔ میں تو یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہاں کیوں جنگ و جدل مچا دی ہے آپ نے؟“ وہ چڑ کر بولا

تھا اور ساتھ ہی بستر پر پڑے کپڑوں کے ڈھیر پر دراز ہو گیا تھا

”تمہارا سامان اوپر کے کمرے میں شفٹ کر رہی ہوں۔۔۔ یہ جو سیزھیوں کے بالکل پاس ہے۔۔۔ اس میں۔۔۔“ انہوں نے سارا وجود الماری میں گھساتے ہوئے جواب دیا تھا

”لیکن کیوں۔۔۔ اور مجھ سے پوچھئے بنا۔۔۔ ایسا کیوں کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟“ وہ مزید سچ پاء ہوا تھا

”تم سے پوچھ پوچھ کر تو نہیں چلوں گی اب میں۔۔۔ ہر کام تم سے پوچھ کر نہیں کیا جاسکتا نا اب۔۔۔ یہ کمرہ سونیا کو دینے کے لئے خالی کر رہی ہوں میں“ انہوں نے اُگل ہی دیا تھا

”کیا آآ۔۔۔ کس خوشی میں۔۔۔؟“ وہ حیران ہو کر اٹھ بیٹھا تھا

”تمہاری پچھو اور پچھو جی کینیڈا جا رہے ہیں چھ ماہ کے لئے تو وہ یہاں رہے گی ہمارے ساتھ۔۔۔ کوئی کورسز وغیرہ کرنے ہیں اسے۔۔۔ ڈیزائننگ کے۔۔۔ بس اسی لئے یہاں ہمارے ساتھ رہے گی۔۔۔ کوئی اعتراض۔۔۔؟“ انہوں نے کہا تھا اور ساتھ ہی دوسرے کیمینٹ کے بھی سب کچھ بچے کی جانب گرا ڈالے تھے کیمینٹ کی سطح پر چند ایک کاغذ بڑے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ کچھ رسیدیں ہیں۔ مہناز بیگم نے وہ رسیدیں ہاتھ میں پکڑ لی تھیں۔

”ارے ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔۔۔ ان کے ماموں کا گھر ہے۔۔۔ جب مرضی آئیں۔۔۔ لیکن میں کسی بھی چارٹ دس انچ کے مسئلے کے لئے اپنا کمرہ نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ اسے کسی اور کمرے میں ٹھہرائیں۔۔۔ اب اس گھر میں آتش ہی کا کمرہ تو نہیں ہے نا۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ مہناز نے وہ رسید کھولنی شروع کر دی تھی

”زیادہ چڑچڑ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ اب اس اکیلی بچی کو تو نہیں ٹھہرا سکتی نا اوپر کے پورشن میں۔۔۔ تم تو جوان بچے ہو۔۔۔ رہ لو گے۔۔۔ وہ ڈرتی رہے گی۔۔۔ اس لئے بس یہی میرا فیصلہ ہے“ انہوں نے بھی ضدی لہجے میں کہا تھا۔ رسید کھل چکی تھی لیکن چونکہ انہوں نے عینک نہیں پہن رکھی تھی سو واضح طور پر جو لکھا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

”اکیلی بچی اپنا گھر چھوڑ کر یہاں آسکتی ہے لیکن اکیلی اوپر کے پورشن میں رہ نہیں سکتی۔۔۔ بہت خوب“ وہ سخت ناراض ہو رہا تھا

”یہ کیا ہے آتش۔۔۔؟“ مہناز بیگم نے اس سے پوچھا تھا پھر سائیڈ ٹیبل پر پڑی اپنی عینک اٹھالی تھی

”کیا۔۔۔؟“ آتش نے بے دھیانی میں پوچھا پھر ان کے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھ کر جیسے اسے کچھ یاد آگیا تھا

”اوہو۔۔۔ ایک تو آپ میری جاسوئیاں کرتی رہتی ہیں۔۔۔ کچھ نہیں ہے۔۔۔ ایک دوست کے ضروری کاغذ۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ مہناز بیگم نے ایک نظر اس کے چہرے کی جانب دیکھا اور پھر دوسری نگاہ دوبارہ اس کاغذ کے ٹکڑے کی جانب ڈالی تھی

”چالیس ہزار۔۔۔ چالیس ہزار کی انگوٹھی۔۔۔ آتش۔۔۔ چالیس ہزار کی انگ۔۔۔ کوٹھی۔۔۔“ وہ حیران ہی نہیں پریشان بھی ہوئی تھیں۔ آتش کے چہرے پر خجل سے تاثرات چمکے

”بتا تو رہا ہوں ایک دوست کے لئے لی تھی۔۔۔ اس نے دینی تھی اپنی گرل۔۔۔ منیگر تو۔۔۔ میرے پاس بس رسید ہی ہے۔۔۔ رنگ تو اس کے پاس ہے قسم سے۔۔۔“ وہ اپنی آنکھوں میں دیکھے بنا بولا تھا۔ بادشاہ آتش کی آواز میں بھیر کی منمنناٹ نمایاں تھی

مہناز بیگم اس کی جانب مڑیں۔ جیولر شاپ کی رسید ان کے ہاتھ میں لرز رہی تھی

”سچ بولو گے یا ماسٹر جی کو فون کروں۔۔۔؟“ وہ غضب ناک لہجے میں بولی تھیں

”اللہ کی قسم امی۔۔۔ ایک فرینڈ کے لئے لی تھی۔۔۔ اسے دے بھی دی۔۔۔ میرے پاس نہیں ہے“ وہ وضاحت کر رہا تھا۔ مہناز اس کے قریب آئیں اور اسے آنکھوں کے حصار میں لے لیا۔ انکی نظروں میں ایسی کاٹ تھی کہ آتش مزید کچھ بول نہیں سکا تھا۔ سارا طنطنہ اور غرور ہوا ہو ا جا رہا تھا۔ اس نے آنکھوں کا ز او یہ تبدیل کر لیا تھا۔ ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس موضوع پر بات کرنا بے حد مشکل تھا اس کے لئے۔۔۔ بالخصوص اس رنگ کا تذکرہ اتنی جلدی نہیں کرنا چاہتا تھا وہ

”کیا نام ہے اس فرینڈ کا۔۔۔؟“ انہوں نے کاٹ کھانے والے انداز میں پوچھا۔ آتش نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا

”وہ ہے نا۔۔۔ براق۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ مہناز کہ لگی اٹھا کر اسے تنبیہ کی

”آتش۔۔۔ سچ بولو۔۔۔ صرف سچ۔۔۔“ انکی آنکھوں میں ایس کچھ تھا کہ آتش چپ سا ہو گیا پھر جیسے اس نے ہتھیار ڈال دئے تھے

”زر مین۔۔۔ زر مین نام ہے اسکا۔۔۔“ مہناز بیگم کا غصہ مزید بڑھ گیا

”اسکو دے چکے ہو رنگ۔۔۔ یا ابھی دینی ہے؟“ وہ غرائی تھیں۔ آتش نے انہیں دیکھا پھر گہری سانس بھری

”دے چکا ہوں۔۔۔ دینے کے لئے ہی خریدی تھی امی۔۔۔ اور واپس نہیں لوں گا۔۔۔ زبان سے پھر جانا سہتا نہیں مجھ پر

۔۔۔ وہ نہایت تابعداری سے بولا تھا، مہناز تھک کر گرنے والے انداز میں بستر پر پڑے اس کے کپڑوں کے ڈھیر پر بیٹھ گئی تھیں



”لو بھائیو اور بہنو۔۔۔ میری مہارانی جو دھا بائی (اپنے تئیں) جیتی ہوئی بازی بہت بری طرح ہار گئی تھیں۔۔۔ ارے۔۔۔ آپ

لوگوں کو ہنسی آرہی ہے۔ غضب خدا کا۔۔۔ یہ تو کوئی بات نا ہوئی۔۔۔ جائیں۔۔۔ میں نہیں بتاتا آگے کا قصہ۔۔۔ انتظار کریں اب آپ۔۔۔



(غم ہے یا فوشی ہے تو ناول ابھی جاری ہے، بقیہ واقعات اگلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں)

دوستو پھر یہ ہوا کہ مہارانی جو دھابائی اس دن کے بعد سے سارے گھر سے ناراض رہنے لگیں۔ انکارویہ ناصرف اپنے پیٹے کے ساتھ بلکہ میرے ساتھ بھی کافی ناروا سا ہو گیا تھا۔ انہیں اپنی شکست قبول نہیں تھی اور ان کے پیٹے کو اپنی خواہش سے دستبراداری منظور نہیں تھی۔ دوسری جانب عطیہ اور اس کے شوہر نے کینیڈا جانے کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں کیا بتاؤں لوگو! ان دنوں ہم کتنے دلگیر رہنے لگے تھے۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے کہ عطیہ کے کینیڈا جانے کی اطلاع کی تصدیق ہو گئی یعنی سونیا کی آمد بھی قریب آچلی تھی اور گھر کا ماحول عجیب کشیدہ سا تھا۔ اُمتش نے ہماری متوقع بہو کو بھی یہ کہانی سارے رموز و اوقاف لگا کر سنا دی تھی۔۔۔ آئیں بس یہاں سے ہی شروع کرتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

”وہ تم لوگوں کے یہاں ہی رہے گی؟۔۔۔ یعنی تم لوگوں کے گھر میں۔۔۔ تم لوگوں کے ساتھ؟“ زرین نے ناک چڑھا کر پوچھا تھا۔ اسکی آواز میں تلخی تھی اور کسی قدر حیرت بھی۔۔۔ جکی بناء پر لہجہ کچھ کھرت اور آواز بلند ہو گئی تھی۔ کیفے ٹیریا میں بیٹھے چند ایک طلباء نے مُدِکر ان دونوں کی جانب دیکھا۔ اُمتش نے ناپسندیدگی سے زرین کو گھورا۔

”نہیں۔۔۔ ہم اسے آتے ہی ایڈمی ہومز میں جمع کروادیں گے۔۔۔ اور ماسٹر جی جمعہ کے جمعہ جا کر مل آیا کریں گے اپنی بھانجی سے“ اس نے آواز کو مدہم رکھتے ہوئے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ زرین نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور منہ بگاڑ کر بولی۔

”تمہارے خاندان والوں سے یہی امید کی جاسکتی ہے۔۔۔ بائی داوے وہ یہاں آئیں رہی ہے۔۔۔ عجیب خاندان ہے تمہارا۔۔۔ کچھ آؤٹ ڈیٹیڈ سا۔۔۔ تین مہینے ماموں کے گھر رہتا ہے کوئی آجکل۔۔۔ ارے اب تو لوگ نانی نانا کے گھر جا کر تین تین مہینے نہیں رہتے۔۔۔ اور وہ عراب صاحبہ عُرف سونیا بی بی تم لوگوں کے گھر تین مہینے رہنے کے لئے آرہی ہیں۔“ اسے سخت بُرا لگ رہا تھا۔ اُمتش نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا۔

”ہاں بھائی بہت آؤٹ ڈیٹیڈ ہے ہمارا خاندان۔۔۔ بہت پرانے زمانے کے لوگ ہیں ہم۔۔۔ فرعونوں کے زمانے میں دریائے نیل کے کنارے کپڑے دھونے کا کام کیا کرتے تھے ہمارے بزرگ۔۔۔ پتھروں پر گرتے پاجامے اور تہبند چھوا چھو، چھوا چھو کرتے کرتے یہاں کراچی آچکے ہم آپ جیسے مالی مرتبت لوگوں میں رہنے کے لئے۔۔۔ کیا کریں۔۔۔ اب تو ہو گئی غلطی۔“ زرین کو اتنی مشکل صورتحال میں بھی ہنسی آ گئی۔

”تم فیصل آباد میں پیدا ہوئے تھے کیا۔؟“ وہ چڑانے والے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

”جی نہیں۔“ اُمتش نے منہ بنا کر جواب دیا تھا۔

”کمال ہے بھئی۔۔۔ فیصل آباد میں پیدا بھی نہیں ہوئے۔۔۔ آئے گئے بھی کبھی نہیں وہاں۔۔۔ کوئی ایسا تعلق بھی نہیں اس شہر سے لیکن جگتیس ساری فیصل آباد والی آتی ہیں تمہیں۔۔۔“ وہ مصنوعی حیرت کو لہجے میں سمو کر کہہ رہی تھی۔ اتمش ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگتی آج مجھے۔۔۔ مسئلہ سایہ وال کا ہے۔۔۔ اور تم یاد فیصل آباد کو کرنے لگی۔۔۔ میں کیا بتا رہا ہوں اور تمہیں کیا سمجھ میں آ رہا ہے۔۔۔ اتنا سنجیدہ مسئلہ بتا رہا ہوں میں تمہیں۔۔۔ اور تم ہو کہ۔۔۔ میرے خاندان کے بچے ادھیڑ نے لگیں۔۔۔“ وہ بات کو ادھوری چھوڑتے ہوئے رکا نہیں تھا بلکہ باہر کی جانب چل دیا تھا۔ زمین نے اتنا ناراض اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

”اوہو۔۔۔ تم تو ناراض ہی ہو گئے۔۔۔ میں تو بس پوچھ رہی تھی کہ وہ تمہاری پھھو کی بیٹی کیوں رہنے آ رہی ہے تم لوگوں کے گھر؟“ زمین نے سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔ اتمش کافی الجھا ہوا لگتا تھا۔

”اپنے ماموں کے گھر آ رہی ہے۔۔۔ ماموں جانیں، بھانجی جانیں۔۔۔ ہم کون ہوتے ہیں بولنے والے درمیان میں۔۔۔؟“ وہ اسی انداز میں بولا تھا۔

”تو پھر مجھے کیوں بتا رہے ہو یہ بات۔۔۔ جب ہم نے درمیان میں بولنا ہی نہیں ہے تو بہتر ہے ہم اس مسئلہ چار فٹ دس سے دور ہی رہیں“ اب کی بار زمین کو بھی غصہ آ گیا

”تمہیں پہلے سے اس لئے بتا رہا ہوں کہ جب بات بعد میں تم تک پہنچتی ہے تو تم فوت ہونے والی ہو جاتی ہو کہ تمہیں بتایا کیوں نہیں

۔۔۔ تین چار مہینے رہے گی وہ۔۔۔ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں ہے۔۔۔ اس لئے خیر سے ابھی ذہن نشین کر لو۔۔۔ روز روز مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کب جائیگی۔۔۔ اسکی واپسی میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔۔۔ اس نے جانا ہے یا نہیں جانا۔۔۔ آخر کب جائیگی وہ۔۔۔“ اتمش کا لہجہ کچھ زیادہ ہی کرخت تھا۔ زمین نے رک کر ایک لمحہ اسے دیکھا پھر ناچاہتے ہوئے بھی بات کو غیر سنجیدہ رخ دے کر بولی

”فوت ہو وہ تمہاری پھھو کی بیٹی۔۔۔ میں کیوں ہونے لگی فوت۔۔۔ میں نے ابھی دیکھا ہی کیا۔۔۔ میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی“

”شادی تو اسکی بھی نہیں ہوئی۔۔۔ اور سارا مسئلہ اس شادی کا ہی تو ہے۔۔۔ بتاؤ ایک مہارانی جو دھابائی رام نہیں کی جا رہی ہیں ہم سے۔۔۔ بڑے بادشاہ بنے پھرتے تھے ہم“ وہ نصف جملہ بڑبڑا کر بولا تھا۔ مہناز بیگم اتنے دن سے ناراض تھیں اس سے۔۔۔ اور یہ ویسی ناراضی نہیں تھی جسے وہ منٹوں میں دور کر دیا کرتا تھا۔ انہوں نے اس کے ہر معاملے سے لاطعلقی اختیار کر لی ہوئی تھی۔ اب یہ نہیں تھا کہ وہ اس کے لئے کھانا نہیں بناتی تھیں یا اس کے کپڑے استری نہیں ہوتے تھے بلکہ معاملہ اس سے بھی زیادہ بدتر تھا۔۔۔ انہوں نے گھر کا دوائی فانی روڑ اٹھا کر بند کر کے جانے کہاں رکھ دیا تھا۔ موبائل ڈیٹا پر وہ کتنی فلیں ڈاؤن لوڈ کر سکتا تھا۔ اسے تو مجرم کھیلنے کی عادت تھی۔ پوری پوری مووی بناؤ ڈاؤن لوڈ کئے یوٹیوب پر دیکھتا رہتا تھا لیکن اب کتنے ہی دن ہو چلے تھے گھر میں یہی عجیب سی صورتحال چل رہی تھی۔ اس کے

دریافت کرنے پر وہ نہایت سخت لہجے میں کہہ دیتی تھیں کہ مجھے نہیں پتا۔۔۔ وہ اسے کلام بھی نہیں کر رہی تھیں۔ التمش کو ان کی اس ناراضی سے بہت الجھن ہونے لگی تھی کیونکہ پہلے کبھی وہ ایسے ناراض ہوئی ہی نہیں تھیں۔

”تمہاری می ناراض ہیں تم سے۔۔۔“ زرین کو اس کی مدد میں بڑا ہٹ بھی واضح سنائی دے گئی تھی۔ التمش نے رک کر ایک لمحے کے لئے اسکی جانب دیکھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آئی کہ اس بات کا جواب اسے فوراً دے دینا چاہیے یا نہیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زرین کو احساس ہو کہ اسکی امی ابھی تک اسے شرفِ پسندیدگی نہیں بخش سکیں

”میری بات سنو التمش۔۔۔ تم اپنی کزن سے ہی بات کیوں نہیں کرتے کہ وہ تمہاری امی کے سامنے اس رشتے سے انکار کر دے۔۔۔ سارا مسئلہ سلجھ جائیگا۔۔۔ اسے بتاؤ کہ اس کے ایک انکار سے کتنے مسائل حل ہو سکتے ہیں“ اس نے اپنی جانب مشورہ دیا تھا۔ التمش نے کھا جانے والے انداز میں اسے دیکھا

”تین سو تینتیس مرتبہ اس کے سامنے کہہ کر آیا ہوں کہ۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔ اپنے نام کا ایک ہی ہوں۔۔۔ کسی نواب سے تم نہیں سمجھتا خود کو۔۔۔ اب اسکو کس منہ سے کہوں کہ خیر سے میری والدہ محترمہ کے سامنے میری سفارش کر دے۔۔۔“ وہ چڑ کر بولا تھا۔ اس کے لئے اب سو نیا کی آمد مسئلہ نہیں تھی۔ مسئلہ امی کی ناراضی تھی۔ زرین چند لمحے ایسے ہی چپ چاپ اپنے ہاتھ کی جانب دیکھتی رہی جس میں پلائنیم کی انگوٹھی سجی تھی۔ اس نے ابھی تک التمش کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اسکی ماما نے اس انگوٹھی کو دیکھ کر کیا ردِ عمل ظاہر کیا تھا۔ التمش نے اسکی جانب دیکھا اور پھر اسکی نظروں کی سمت دیکھتے ہوئے اس انگوٹھی کا احاطہ کیا تھا پھر اس نے خود کو ریلیکس کرنے کے لئے ایک لمبی گھری سانس بھری

”ویسے التمش تمہاری کزن بھی انٹرنلڈ ہے تم میں ورثہ خود ہی انکار کر چکی ہوتی۔“ زرین نے اپنی رائے کا ظہار کیا تھا۔ یہ وہ حدشہ تھا جو اسکی بے حد جان جلاتا تھا۔ التمش نے ناک چدھا کر انکار میں سر ہلایا۔

”اب اس بات کو سر پر سوار کر لو تم۔۔۔ میری کوئی خطا نہیں ہے اس میں۔۔۔ مجھ میں تو سارا زمانہ ہی انٹرنلڈ ہونے لگتا ہے۔۔۔“ وہ جب ایسے کہتا تھا تو مذاق نہیں کرتا تھا بلکہ اسے یقین تھا کہ ایسا ہی ہے۔ وہ سب کے دل میں بلا اجازت سما جانے کی ہر صلاحیت سے مالا مال ہے۔ زرین نے منہ بنایا۔ التمش اگر واضح کہہ دیا کرتا کہ وہ لڑکی مجھے پسند نہیں کرتی تو اسے کچھ سکون ہو جاتا لیکن وہ ایسا تم ہی کہتا تھا۔ اکثر ہی وہ اقرار کر لیتا تھا کہ ہاں بھئی پھپھو کی بیٹی بھی پسند کرتی ہے مجھے۔۔۔ کرلو جو کرنا ہے۔

”ویسے تمہارے اس چارنٹ دس انچ میں کوئی سیلف ریلیکٹ ہی نہیں ہے۔۔۔ اور کتنا لیٹ ڈاؤن کروائیں گی خود کو۔۔۔“ وہ تلخ سے لہجے میں بولی تھی۔ التمش نے زچ ہو کر اسکی جانب دیکھا۔

”زرین پلیز۔۔۔ تم بھول کیوں نہیں جاتی ہو اسکو۔۔۔ اور فکر مت کرو میں سنبھال لوں گا یہ معاملہ۔۔۔ ابھی تم پلیر فائنل پر فوکس کرو۔۔۔ اور میں۔۔۔؟ وہ ایک لمحے کے لئے چپ ہوا۔

”اور تم۔۔۔؟ تم کس پرفکس کرو گے؟ پھپھو کی بیٹی پر۔۔۔؟“ زرین نے فوراً پوچھا تھا۔ التمش نے لمبی گہری سانس بھری۔
 ”ٹھٹ آپ۔۔۔ اس کے آنے میں ابھی کچھ دن باقی ہیں۔۔۔ ابھی تو میں مہارانی جو دھابائی جی پرفکس کرونگا۔۔۔ ورنہ مجھ سے
 بڑھا بھی نہیں جائیگا“ زرین کو یہ بات اچھی نالگی تھی لیکن وہ چپ رہی تھی۔ ایک ہی بات بار بار پوچھنے کا فائدہ نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

ارے۔۔۔ تم سب لوگ کب آئے۔۔۔“ زرین ان لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ اسکی کزنز لاؤنج میں منتظر بیٹھی تھیں۔ وہ سب سے
 ملنے لگی تھی۔

”تم تو یونیورسٹی کو ہی پیاری ہو گئی۔۔۔ ملتی ہی نہیں ہو۔۔۔ ہم نے سوچا آج ذرا دھاوا بول کر آئیں“ نازش نے کہا۔ وہ اس کے تایا ابو کی
 بیٹی تھی۔ خاندان کی سب سے طر مدار لڑکی۔۔۔ گزشتہ سال اسکی شادی ہوئی تھی اور اس کے بعد سے اب تک کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی یعنی وہ
 اب تک نئی نویلی دلہن تھی۔ اس کے ساتھ صحیح ٹھنی رہتی تھی زرین کی۔۔۔ چچا کی دونوں لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ وہ سب ایک دوسرے سے بے
 تکلف تو تھیں لیکن دل ہی دل میں مقابلہ بازی بھی خوب چلتی تھی۔ ہر معاملے میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی مہم ہمیشہ ہی عروج پر رہتی تھی۔
 ”کہاں کا اردہ ہے؟“ سوال کرنے کے ساتھ زرین نے کن انکھوں سے سب کا جائزہ لیا۔ نازش نے ماریہ بی کا سوٹ پہن رکھا تھا
 ۔ فلورل پرنٹ والا ٹراؤزر شرٹ اس پر بے حد چ رہا تھا۔ زرین نے کن انکھوں میں چچا کی بیٹیوں کی شرٹس بھی اسکین کی تھیں۔۔۔ ایک لان
 کے سوٹ میں ہی تھیں دوسری نے جینز کے ساتھ ٹاپ پہن رکھا تھا۔۔۔ عاصم جوفا۔۔۔ عبیرہ۔۔۔ لیوس اریبہ۔۔۔ وہ حتیٰ نتیجے پر پہنچی تھی
 اپنے بدن پر سجا کھا ڈی کا کرتائی الحال بڑا ہی پیکار لگنے لگا تھا۔

”روشانے کی ایجنج مینٹ ہے نیکٹ منڈے۔۔۔ ہم شاپنگ کے لئے نکلے۔۔۔ سوچا تم سے بھی پوچھ لیں۔۔۔ چلو گی؟“ اریبہ نے
 کہا تھا۔ زرین نے ذرا حیرت کا ظہار کیا۔

”واقعی۔۔۔ کس سے ہو رہی۔۔۔ پتا ہی نہیں چلا مجھے تو اس خبر کا۔۔۔“ اس نے جھوٹ کہا تھا۔ اسے اس بات کا کافی پہلے سے پتا تھا
 ۔ روشانے ان لوگوں کی ہی کزن تھی۔ اس نے کچھ عرصہ ماڈلنگ بھی کی تھی۔ کسی میاست دان کے بیٹے سے افیر تھا اس کا۔۔۔ اور آخری
 اطلاع کے مطابق اسی سے شادی کا بھی ارادہ تھا۔

”وہی معتصم مرزا سے ہو رہی ہے۔۔۔ منالیا اس لڑکے نے اپنے باوا کو۔۔۔ لاٹری نکل آئی روشانے کی۔۔۔“ نازش نے اتنا ہی کہا
 تھا کہ زرین نے اسکی بات کاٹ دی۔

”خاک لاٹری۔۔۔ اسے لاٹری کہتے ہیں۔۔۔ اتنا بے ہنگم سالو کا ہے۔۔۔ نام نہ نام تھا۔۔۔ اوپر سے رنگ بھی کالا سیاہ۔۔۔ ذرا نہیں
 چچتا روشانے کے ساتھ کھڑا ہوا۔۔۔ کیسے دیکھے گی ساری زندگی اسے۔۔۔ ہم سے تو دس منٹ نہیں دیکھا جاتا۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بول رہی

تھی۔ اربہ اور عیرہ دونوں نے قہقہہ لگایا۔ نازش کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیلی۔

”شکل کون دیکھتا ہے مرد کی۔۔۔ مرد کا تو بزنس دیکھا جاتا ہے۔۔۔ اور معتصم مرزا کا بزنس ملائیٹھا، سری لنکا تک پھیلا ہوا ہے۔۔۔ اربوں میں کھیلتا ہے لڑکا۔۔۔ روشا نے اور آنتی روبی نے اچھا شکار کیا ہے۔۔۔ پتا ہے کتنا امیر ہے وہ۔۔۔ سارے خاندان میں اتنا سخی داماد کسی کو نہیں ملا ہوگا۔۔۔ جتنا آنتی روبی کو مل رہا ہے۔۔۔ ابھی روشی کی برقعہ ڈے پر لٹفنی کی ڈائمنڈ رنگ دی ہے اس نے۔۔۔“ زرین نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کیا جس کی تیسری انگلی میں وہ انگوٹھی سجی تھی جو اسے اتمش نے دی تھی۔

”رہنے بھی دو نازش۔۔۔ اب پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ روشا نے شادی کر رہی ہے۔۔۔ کوئی افسیر نہیں چلا رہی کہ دو تین مہینے بعد خدا حافظ کہہ کر کہیں اور چل دے گی۔۔۔ ساری زندگی جس کے ساتھ رہنا ہو۔۔۔ اسکی شکل پہلے دیکھنی چاہیے۔ یہ روپیہ پیسہ تو آجکل سب کے پاس ہی ہوتا ہے۔“ زرین نے ناک سے مکھی اڑائی۔

”یہ باتیں تب بھول جائیں گی تمہیں جب تمہاری باری آئیگی۔۔۔ روپیہ ہی سب سے بڑی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔۔۔ مرد کی شکل سے گھر نہیں چلتے۔۔۔ لڑکا فواد خان ہی کیوں نا ہو۔۔۔ کنگلا ہو تو برداشت نہیں ہو سکتا۔۔۔“ نازش کی اپنی متحکم رائے تھی۔ زرین نے پھر کندھے اچکائے جیسے ذرا بھی متفق نا ہو۔

”روشا نے کو چھوڑیں نازش باجی۔۔۔ زرین کو طوبی کا بتائیں۔۔۔ یہ تو سب سے بڑی دھماکہ خیز خبر ہے۔۔۔ مائنڈ بولنگ۔۔۔“ اربہ نے مزالیتے ہوئے کہا تھا۔ نازش نے بھی گردن ملائی جیسے بہت مزا آیا ہو۔

”اوہ یار زرین۔۔۔ طوبی کی بھی بات پکی ہو گئی ہے۔۔۔ جلد ہی لڈو آئیڈالے ہیں اس کے بھی۔۔۔ تیاری پکڑ لو ایک اور فکشن کی“ زرین نے بھی موضوع بدلنے پر دل ہی دل میں سکون کا سانس لیا۔ جانے کیوں یہ روپے پیسے کی بحث اس کے اعصاب کے لئے بہت بھاری ثابت ہونے لگی تھی۔

”طوبی نے نائیوں کا لڑکا پند کیا ہے۔۔۔؟“ نازش نے جیسے اگلا تھا۔ اس سے پہلے کہ زرین کوئی دلچسپی ظاہر کرتی۔ تہمینہ بیگم بریزے کاٹکے سے سبز رنگ کا بے حد عمدہ سلا ہو اسوٹ پہنے، دمکتی مہکتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔ انہیں اچھا پہننے اوڑھنے کا شروع سے بے حد شوق تھا۔ زرین نے بھی یہ سلیقہ انہی سے لیا تھا۔

”ہاں۔۔۔ ہماری بھابھی صاحبہ کے کام دیکھ لو۔۔۔ نائیوں کا لڑکا ڈھونڈا ہے بیٹی کے لئے۔۔۔ ہے کوئی بات کرنے والی۔۔۔ اب یہی کسرہ گچی تھی اس خاندان میں۔۔۔ جا کر نائیوں کا لڑکا پند کر لیا“ انہوں نے اپنی رائے کا بھرپور اظہار کیا۔

”مجھے بھی ماما نے بتایا۔۔۔ سیلون ہے اس کے سر کے۔۔۔ ایک طارق روڈ پر ہے۔۔۔ ایک وہاں کہیں صدر میں ہے شاید۔۔۔“ نازش تضحیک آمیز انداز میں ہنسی۔

”واقعی۔۔۔؟“ زرین کو حیرت ہوئی۔ ان کئے یہاں اس قسم کی باتوں کی بہت اہمیت تھی۔ ان کے دادا ہمداد پاکستان بننے سے پہلے کسی گاؤں میں کمشتر رہے تھے۔ انگریزوں کے اچھے وفادار تھے سوزین خوب حصے میں آئی تھیں اور سارے خاندان کو مفت میں ملازمتیں بھی ملتی رہی تھیں۔ بعد میں انہی چیزوں کے کلیم کے سہارے پاکستان میں اچھے اثاثے بنائے تھے۔ سارا خاندان بس اب تک اتراتا پھرتا تھا۔

”نخ۔۔۔ کیسے رہے گی وہ۔۔۔ نائی تو سنا ہوتے بھی بہت گندے ہیں۔ صفائی ستھرائی کے زیادہ قائل نہیں ہوتے۔۔۔“ زرین کو بھی بہت برا لگ رہا تھا۔

”ظاہر ہے۔۔۔ ہر وقت تو لوگوں کے بال مونچھیں صاف کرنے میں لگے رہتے ہیں۔۔۔ اپنی صفائی کے لئے وقت ہی کہاں بچتا ہوگا“ تہمینہ بیگم مغرور سے انداز میں بولیں۔

”نخ۔۔۔ نخ۔۔۔ چاچی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔۔۔ مجھے تو سوچ کر ہی الٹی آتی ہے کہ کیسے رہے گی طوبی ایسے لوگوں کے ساتھ۔۔۔ ہم سے تو نہیں رہا جاتا۔ تو بے“ نازش سابقہ انداز میں بولی تھی۔

”ہاں تو ہم ذات کے کمی نیکن ہیں بھی نہیں۔۔۔ یہ کہہ کر دھوبی درزی۔۔۔ ہمارے مقام کو چھو بھی نہیں سکتے۔۔۔ ان کے گھروں کے حالات۔۔۔ طور طریقے ہماری پچمیاں نہیں برداشت کر سکتیں۔۔۔ تم صحیح کہہ رہی ہو۔۔۔ الٹی تو آئے گی ہی سوچ کر۔۔۔ جانے کیسے کھاتے پکاتے ہیں یہ لوگ۔۔۔ لیکن خیر تمہاری مامی کو کون سمجھائے بھائی۔۔۔ اس کی تو اپنی ہی منطق ہے۔۔۔ فرماتی ہیں۔۔۔ سب ایک برابر ہوتے ہیں۔۔۔ اللہ نے سب کو ایک جیسا بنایا ہے۔۔۔ بھلا بتاؤ سب ایک جیسا ہوتا ہے تو انار سرخ کیوں ہے اور امرود پیلا پھٹک۔۔۔ ایک پھلوں کا سردار۔۔۔ سر پر تاج لے کر پیدا ہوتا ہے۔۔۔ اور دوسرا۔۔۔ طوطے چڑیوں کا کھاجا۔۔۔ زرہ زرہ ٹوٹنے کی چیز۔۔۔ نا بھئی ہم نہیں مانتے اس بات کو۔۔۔ دھوبی درزی نائی۔۔۔ یہ ہم جیسوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔“ وہ نہایت حقارت سے بولی تھیں اور ان کے قریب بیٹھی چاروں لڑکیوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

”شکل صورت رو پیہ پیہ سب ایک طرف۔۔۔ لیکن ذات برادری سے ہٹ کر نہیں چلا جاتا ہم سے“ انہوں نے دوبارہ کہا تھا اور اب بھی چاروں لڑکیوں نے ناک چدھاتے ہوئے ان کا ساتھ دیا تھا۔

”چلیں طوبی کی شادی سے ایک فائدہ ہوگا۔۔۔ سارے خاندان کے مرد گھر میں ہی حجامت بنو الیا کریں گے اور شیو کروانے کے لئے سب اپنے اپنے ڈرائنگ روم میں میز سجالیا کریں گے“ زرین نے کہا تھا۔ وہ سب مل کر ہنسی تھیں۔

”اور کیا پتا اب یہ روایت ہی چل پڑے۔۔۔ کل کلاں کو تم لوگوں میں سے کوئی کسی درزی دھوبی کے لڑکے کو پسند کر لے۔۔۔ ہمارے تو دن پھر جائیں گے۔۔۔ پچڑے گھر میں ہی سل بھی جایا کریں گے، دھل بھی جایا کریں گے“ نازش ان تینوں

لڑکیوں کو چڑا رہی تھی کہ وہ تینوں ہی ابھی فارغ تھیں۔

”بچہ۔۔۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی کسی ایسے ویسے لڑکے سے شادی کرنے کا۔۔۔“ زرین نے ناک چدھا کر کہا تھا۔

”دفعہ۔۔۔ کسی درزی دھوبی کو بیٹی نہیں دوں گی میں۔۔۔ ایسی سستی بھی نہیں ہے میری اولاد“ بیگم تہمینہ نے بھی نخوت سے کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”آپکا گھر بہت خوبصورت ہے ممانی جان۔۔۔ امی صحیح کہتی ہیں آپ بہت سلیقہ مند ہیں ماشاء اللہ“ سونیا نے انکا کچن دیکھتے ہوئے دل کھول کر تعریف کی تھی۔ مہناز بیگم نے اسکی بات پر زیادہ یقین نہیں کیا تھا۔ وہ چند گھنٹے پہلے ہی پہنچی تھی۔ ماسٹر جی اسے انر پورٹ سے لائے تھے اور اب وہ ان کے ساتھ کچن میں کھڑی سلا دینا رہی تھی۔ مہناز بیگم کو اسکی انہی عادات سے عشق تھا۔

”مجھے اب اتنا بھی مت چدھاؤ۔۔۔ تمہاری امی کا اور اب تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی میں۔۔۔ تمہارے گھر سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے میرا گھر۔۔۔ تم نے تو جانے کیا کیا سجا رکھا ہے۔۔۔ مجھ بوڑھی سے تو اب نہیں ہوتا اتنا۔۔۔ میں تو ساہیوال سے واپس آ کر وہ آئینہ بنانے کی کوشش کرتی رہی جو تم نے محن میں لگا رکھا تھا۔۔۔ بہت خوبصورت لگا تھا مجھے“ وہ واقعی بہت دل سے سراہ رہی تھیں۔ سونیا نے مڑ کر انکی جانب دیکھا۔

”کونسا آئینہ۔۔۔؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ اس نے تو گھر میں جگہ جگہ آئینے سجا رکھے تھے۔

”وہ جو محن میں دیوار کے پتھوں بیچ لگایا ہوا ہے۔۔۔ جس کے گرد سبز اور سرخ پھول سے ہیں۔۔۔“ وہ اسے یاد کروانے لگی تھیں۔

”ارے وہ والا۔۔۔“ سونیا کو یاد آگیا۔

”وہ آئینہ نہیں ہے ممانی جان۔۔۔ وہ تو ہدانی سی ڈیز کو جوڑ جوڑ کر بنایا تھا۔۔۔ اور اس کے گرد جو پھول ہیں نا وہ تو خالی جوس اور پانی کی بوتلوں کے ڈھکن کو رنگ کر کے لگایا ہوا تھا میں نے“ اس نے ہنستے ہوئے وضاحت کی۔ مہناز بیگم حیران ہوئی تھیں۔

”واقعی۔۔۔؟“ مجھے تو سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ کیا ہے۔۔۔ میں تو سمجھی آئینہ ہے۔۔۔ بہت اچھا لگا تھا مجھے“ وہ بولی تھیں۔

”میں بنادوں گی آپکو۔۔۔ بہت آسان ہے اسے بنانا۔۔۔ وہ ہمارے والا تو میری اسٹوڈنٹس نے بنایا تھا۔۔۔ میں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں سکول کی بیٹیوں کے لئے آرٹ اینڈ کرافٹ کا سمرکیمپ کیا تھا۔۔۔ ان کو سکھایا تھا تو انہوں نے بنا کر مجھے گفٹ کیا تھا۔۔۔ آپ کے لئے میں خود بنادوونگی“ وہ کہہ رہی تھی۔ مہناز نے سر ہلایا۔

”بس اب تم رہو گی نا۔۔۔ بہت کچھ سیکھو گی تم سے۔۔۔“ سونیا مسکرائی۔

”آپ تو مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔۔۔ میں یہاں آپ سے سیکھنے آئی ہوں۔۔۔ امی نے بالخصوص آپ کے چپلی کباب کا ذکر کیا تھا۔۔۔ وہ سیکھنے ہیں مجھے۔۔۔ اور پھر ہو جو آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ایپلک سکھائیں گی۔۔۔ وہ تو لازمی سکھائیے گا مجھے۔۔۔“ اس نے کہا تھا۔ اسی

دورانِ آتش نے کچن کے اندر قدم رکھا تھا۔ یہ اسکا اور سونیا کا پہلا سامنا تھا۔ مہنا زینگم نے پلاؤ کے دگچے میں نیچے تک چمچہ پھرتے ہوئے بنا پیچھے دیکھے کہا تھا۔

”تم فکری نا کرو۔۔۔ سب کچھ سیکھیں سکھائیں گے۔۔۔ بس تم کمفرٹیبل ہو جاؤ۔۔۔ یہ سوچو یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔۔۔ میں چاہتی ہوں تم جتنا عرصہ بھی یہاں رہو۔۔۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو۔۔۔ اور مجھے اپنی امی کی طرح ہی سمجھو۔“

”اور مجھے اپنا بھائی۔۔۔ جب میری امی تمہاری امی ہو جائیں گی تو میں تمہارا بھائی ہی لوں گا“ آتش نے ہلکا جوتا تھا۔ مہنا زینگم کے چہرے کے تاثرات یکدم ہی سخت ہو گئے تھے۔ انہوں نے آتش کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

”نہیں بھئی۔۔۔ مجھے کسی کو بھائی وائی بنانے کا شوق نہیں ہے۔۔۔ تم میرے کزن ہی ٹھیک ہو“ سونیا نے مسکراتے ہوئے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ آتش نے مُڑکرا سے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا بھی چاہتا تھا لیکن چونکہ اسکی امی پہلے ہی اس سے ناراض تھیں سو فی الحال وہ کوئی نئی محاذ آرائی مول نہیں لے سکتا تھا۔

”کیسے ہو آتش۔۔۔؟“ سونیا نے خود ہی اسے دوبارہ مخاطب کیا تھا جیسے ان کے درمیان کافی بے تکلفی ہو حالانکہ آتش کو اس رویے کی توقع تھی۔

”لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ بہت ہیڈسٹم ہیں ہم۔۔۔ تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے۔۔۔؟“ وہ پلٹا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ چہرے پر عام سی مسکراہٹ تھی۔ اسے ہمہ وقت اپنی مدح سرائی کی عادت تھی۔ سونیا سلا د بنا چکی تھی۔ اس نے پلیٹ کو کلنگ فلم سے ڈھک دیا ہوا تھا۔ پلیٹ کو ایک سائیڈ میں رکھتے ہوئے اس نے آتش کو اوپر سے نیچے تک دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ چیلنج ہے؟۔۔۔ تو چیلنج قبول ہے۔۔۔ بظاہر وہ بھی مسکرائی تھی۔

”میرا بھی یہی خیال ہے کہ لوگ درست کہتے ہیں۔۔۔ تم بہت ہیڈسٹم ہو“ اس نے اعتراف کیا تھا۔ آتش اس کے اس قدر بے تکلف انداز پر کچھ حیران تو ہوا لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا بلکہ سر جھکا کر سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ ادا کرنے کی کوشش کی۔ مہنا زینگم پھر بھی کچھ نہیں بولیں لیکن ان کی توجہ دونوں بچوں پر ہی تھیں۔ دل ہی دل میں انہوں نے پھر دعا کی تھی کہ

”یا اللہ میرے دل کی مراد بر آئے تو سکون آئے“

☆.....☆.....☆

”ایک کپ چائے بنا دیں مجھے“ آتش کو چائے کی بالکل طلب نہیں تھی لیکن یہ صرف امی کو مخاطب کرنے کے بہانہ تھا۔ وہ قہوہ بنا رہی تھیں۔ اسکی جانب مُڑکرا بھی نادیکھا بلکہ کپ چاپ اپنا کام کرتی رہیں۔

”امی بس بھی کریں اب۔۔۔ کتنے دن ہو گئے ہیں اسی طرح ناراض ناراض رہتی ہیں آپ۔۔۔ میں نے ایسا بھی کیا کر دیا

ہے۔ ایک رنگ ہی تودی ہے اسے۔۔۔ بیاہ کر گھر تو نہیں لے آیا نا۔۔۔" وہ ناچا ہتے ہوئے بھی ناراض سے لہجے میں بولا تھا۔ مہناز بیگم اسکی جانب مڑیں اور غرا کر بولیں۔

"ایک دن یہ بھی کر ہی لو گے تم۔۔۔ جب ماں باپ کی مرضی کے بناء آدھا مرحلہ سر کر سکتے ہو تو باقی آدھا کرتے ہوئے کونسا لحاظ آئیگا تمہیں۔۔۔ بیاہ کر گھر تو نہیں لے آیا نا۔۔۔ اوہ لے آؤ میاں۔۔۔ یہ حسرت بھی کر لو پوری" ان کا چہرہ بالکل سرخ ہو چکا تھا۔

"امی۔۔۔" اتمش نے بس اتنا ہی کہا پھر ہنسل اپنے لہجے کو معتدل کر کے بولا۔

"ایسا کیا کر دیا ہے میں نے۔۔۔ کہ آپ ناراض ہی ہو گئی ہیں۔۔۔ پسند کی شادی سمجھا تو نہیں ہے نا" وہ لاچار سے لہجے میں بولا تھا۔ ان کو منانے کی ہر کوشش اب تک ناکام ہی ہوئی تھی۔ وہ ایک بار پھر مڑیں اور پھر کھا جانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

"یہی تو کہہ رہی ہوں میں بھی کب سے کہ پسند کی شادی گناہ نہیں ہے۔۔۔ تب ہی تو "پسند" سے کر رہی ہوں یہ شادی۔۔۔" انہوں نے لفظ "پسند" پر سارا زور لگایا تھا۔

"میں اپنی شادی کی بات کر رہا ہوں امی۔۔۔" اتمش نے اپنا موقف دوہرایا تھا۔

"اور میں اپنی پسند کی۔۔۔" وہ اسے گھور کر بولیں پھر مزید کہنے لگیں۔

"یعنی شادی تمہاری۔۔۔ اور پسند میری" وہ بھی اسکی ماں ہی تھیں۔ وہ زچ سا ہو کر چُپ ہو گیا۔ انہوں نے قبوے والے کپ اٹھائے اور ناک چڑھاتے ہوئے اس کے قریب سے گزر کر اندر کی جانب چل دیں۔

"آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔۔۔ واقعی مہارانی سمجھنے لگی ہیں خود کو۔۔۔ مت بنائیں چائے میرے لئے۔۔۔" وہ سخت کبیدہ خاطر ہو کر اپنے کمرے کی جانب چل دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"خیال رکھنے گا۔۔۔ بچی ہے اب گھر میں۔۔۔ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔۔۔ کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے" ماسٹر جی نے مہناز بیگم سے کہا تھا۔ کھانے کے بعد جب سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے تو وہ دونوں الاچی والا قبوہ پی رہے تھے۔ مہناز بیگم نے ناک چڑھا کر انکی بات کو سنا۔ انکا مزاج اتمش سے ہونے والی بحث کی وجہ سے کچھ خراب تھا جبکہ ماسٹر جی کو اسکی خبر نہیں تھی۔

"اتنی سمجھ تو مجھے بھی ہے ماسٹر جی۔۔۔ میں چھوٹی بچی تو نہیں ہوں۔۔۔ مجھے پتا ہے مجھے کیسے سنبھالنا ہے سب۔۔۔ آپ نے دیکھا نہیں اتمش کے غمروں کے باوجود میں نے اسے اوپر کی منزل پر شفٹ کر دیا ہے۔۔۔ سونیا یہاں ہمارے ساتھ بیٹھے رہے گی۔۔۔ وہ اوپر کے کمرے میں رہے گا۔۔۔ اتمش جاب تلاش کر رہا ہے۔۔۔ سارا دن ہی گھر سے باہر ہوتا ہے تقریباً۔۔۔ اور سونیا کا بھی ارادہ کوئی شارٹ کورس کرنے کا ہے۔۔۔ چند دن میں اسکی اپنی مصروفیت شروع ہو جائیگی۔۔۔ آپ خواہنا اور لٹا سیدھا سنا سوچیں" وہ وضاحت کر رہی تھیں۔

”میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان صورتحال بہت عجیب ہے۔۔۔ سخت ناپسند کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے کو۔۔۔ بلکہ اگر آپ غلط فہمی کی عینک اتار کر دیکھیں تو نفرت کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے سے۔۔۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔۔۔ ایسی صورتحال میں جب اتنی مقابلے بازی کی فضا پیدا ہو چکی ہو تو غلطی کا امکان بے حد بڑھ جاتا ہے۔۔۔ بات کہیں بگڑنا جائے“ ماسٹر جی نے یہاں تک ہی کہا تھا کہ مہناز بیگم نے سختی سے انکی بات کی تردید کر دی۔

”ارے۔۔۔ خواخواہ نفرت کرتے ہیں ایک دوسرے سے۔۔۔ نفرت کیوں کریں گے۔۔۔ ہاں انسیت نہیں ہے کوئی ان دونوں کے درمیان۔۔۔ لیکن وقت کے ساتھ ہو جائیگی۔۔۔ جب کہیں باہر رشتہ کرتے ہیں بچوں کا تو بھی تو انسیت اور لگاؤ پیدا ہوتے وقت لگ جاتا ہے۔۔۔ آہستہ آہستہ ہی مائل ہوتے ہیں بچے ایک دوسرے کی طرف۔۔۔ آپ خواخواہ میرا دل دلائے دیتے ہیں عجیب و غریب باتیں کر کے۔۔۔ ناپسند کرتے ہیں۔۔۔ نفرت کرتے ہیں۔۔۔ بات نا بگڑ جائے“ ماسٹر جی نے بیگم کے انداز کو بغور دیکھا۔ کچھ عرصے سے وہ اس ذکر پر کچھ زیادہ ہی مشتعل ہونے لگی تھی۔

”آپ اتنا خفا کیوں ہو رہی ہیں۔۔۔“ وہ کچھ کہتے کہتے چُپ سے ہو گئے جیسے انہیں بے حد بُرا لگا ہو۔ ماسٹر جی بہت ہی کم انہیں اس انداز میں ٹوکتے تھے لیکن جب ٹوکتے تھے تو مہناز بیگم کو سمجھ میں آ جاتا تھا کہ ان سے غلطی ہوئی ہے۔ وہ شرمندہ سی ہو گئیں۔

”ماسٹر جی۔۔۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔۔۔ آپ میرا دل اس طرح نا جلا یا کریں۔۔۔ اتنا بھی کیا گناہ کر دیا میں نے جو اپنے پیٹے کا رشتہ اپنی مرضی سے کر دیا۔۔۔ آپ اور ایش اب کیا اس بات کے لئے ماری ڈالیں گے مجھے۔۔۔ آپ کے طنز ختم نہیں ہوتے۔۔۔ اور آپکے پیٹے کی غلطیاں۔۔۔“ وہ ایک لمحے کے لئے چُپ سی ہوئیں پھر مزید سخت لہجے میں بولیں۔

”میں نے اگر عطیہ سے بات نا کی ہوتی تو میں سب آرام سے سنبھال سکتی تھی لیکن اب میں رشتہ دے چکی ہوں۔۔۔ اور اگرچہ زبان سے پھر نامیری روایت نہیں ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی اگر آپ باپ راضی نہیں ہیں تو میں عطیہ کے واپس آنے کے بعد معاملہ سنبھال لوں گی۔۔۔ بتا دوں گی اسے کہ اس کے بھائی کو یہ رشتہ پسند نہیں ہے تب تک براہ مہربانی اس معاملے کو بگاڑیں مت۔۔۔ سب جیسا چل رہا ہے ویسا چل لینے دیں“ ماسٹر جی کو انکی بات سن کر پٹنگے سے لگ گئے۔

”ارے میرا نام کیوں لیں گی میری بہن کے سامنے۔۔۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اس رشتے پر۔۔۔ عطیہ کو سچ بتائیں نا کہ آپکا ہونا بہت ہی معترض ہی معترض ہے اس رشتے پر۔۔۔“ ماسٹر جی نے سخت برا مان کر کہا تھا۔

”وہ معترض نہیں ہے۔۔۔ اس احمق کو خود ہی اپنے ہذبات کی خبر نہیں ہے۔۔۔ کمینہ چند دن کسی لڑکی سے فون پر باتیں کر لینے سے سمجھتا ہے کہ اسے ہی محبت کہتے ہیں“ وہ چبا چبا کر بول رہی تھیں۔

”اچھا تو اور کسے کہتے ہیں محبت۔۔۔ بی بی پی ہے محبت۔۔۔ کمٹمنٹ کر لی ہے آپ کے پیٹے نے اس بچی سے۔۔۔ اور کس طرح

ثابت کرے وہ آپ پر کہ وہ محبت کرتا ہے اس پکی سے ”ماسٹر جی زنج ہو کر بولے تھے۔

”ہائے ہائے اس سمجھت کو محبت کی کیا سمجھ۔۔۔ الو کا پٹھا ہے وہ۔۔۔ اور اس کو بگاڑنے میں سب سے زیادہ اہم کردار آپ نے ادا کیا ہے۔۔۔ کتنی منتیں کی تھیں میں نے آپ کی کہ اس معاملے میں میرا ساتھ دیں۔۔۔ لیکن نہیں بھئی۔۔۔ آپ کیوں میرا ساتھ دیں گے۔۔۔ آپ کو تو بیٹے کی محبت میں دوسری کوئی بات سمجھتی ہی نہیں ہے“ وہ سابقہ انداز میں بولی تھیں۔ ماسٹر جی چند لمحے انکی جانب دیکھتے رہے۔

”اب میرا چہرہ کیوں دیکھتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔ غلط تو نہیں کہہ رہی میں۔۔۔“ مہناز بیگم ناک چڑھا کر بولیں۔ اب کی بار ماسٹر جی بھی برہم ہو گئے۔ اس سے پہلے کبھی ان کے درمیان اس طرح بحث ہوئی بھی نہیں تھی۔ انہوں نے اپنا قبوے کا کپ مانیٹریبل پر رکھا اور اٹھ کر دھپ دھپ کرتے باہر چل دئے۔

☆.....☆.....☆

”ایک کپ چائے بنادیں مجھے۔“ اس نے بہت مان سے کہا تھا لیکن ممانی جان کا انداز کافی تلخ تھا۔ وہ اس سے کافی ناراض سی لگتی تھیں۔ سو نیانے زیادہ باتیں نہیں سنی تھیں لیکن اپنے لئے پانی کا گلاس لینے اٹھی تھی تو ماں بیٹے کی بحث نے دروازے پر ہی رُک جانے پر مجبور کر دیا تھا اور جتنا بھی وہ سمجھ پائی تھی اس سے اسے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ ان دونوں ماں بیٹے کے درمیان بحث کی نوعیت مختلف تھی لیکن مسئلہ وہی تھا جو اس کے اور اس کی امی کے درمیان باعثِ تنازعہ بنا رہا تھا۔۔۔ رشتہ۔۔۔

”ہم۔۔۔“ اس نے ہنکارا بھرا اور سرہانے سے ٹیک لگالی۔

”تو اسکا مطلب صرف ہم ہی نہیں جانتے ممانی جان بھی جانتی ہیں کہ التمش کی زندگی میں کوئی لڑکی ہے“ اپنے بستر پر بیٹھے دیوار کی جانب تکتے ہوئے وہ اس گفتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

”وہ اگر جانتی ہیں تو انہوں نے میری امی کو یہ بات کیوں نہیں بتائی۔۔۔ اور کیا پتا بتائی ہی ہو لیکن امی نے مجھ سے چھپائی ہو۔۔۔ انہیں تو بھتیجے کے سوا کوئی نظر ہی نہیں آتا۔۔۔“ سونیا نے گہری سانس بھری۔ یہ سب باتیں وہ پہلے سے ہی سوچ چکی تھی۔ اسے اب اس بات سے تکلیف بھی نہیں ہوتی تھی کیونکہ اس کا ذہن کسی منطقی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔

”ایک بات تو طے ہے کہ بزرگ سارے ہی ایک بیج پر ہیں۔۔۔ چلو یہ بھی اچھا ہے۔۔۔ اب وقت آگیا ہے کہ مجھے اور لتمش کو بھی ایک بیج پر آجانا چاہیے۔۔۔“ اس نے خود سے کہا تھا۔ چند لمحے وہ ایسے ہی بستر پر ناگیں چڑھائے بیٹھی رہی۔ پھرے پر سوچوں کا جال تھا پھر اس نے قدم نیچے اتارے تھے۔ ہونٹ بھینچتے ہوئے گہری سانس بھری جیسے ہمت مجتمع کر رہی ہو پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور جوتے پہنتے تھے۔

”اس مسئلے کا یہی حل ہے میڈم ہونیو۔۔۔“ اس نے جیسے خود سے کہا تھا پھر وہ باہر آگئی۔ کچن میں جا کر چائے کا پانی رکھا۔ اندازے سے پتی چینی ڈالی۔ ٹرے میں چائے کے دو کپ رکھے اور ابھی پانی آبلابھی نا تھا کہ ممانی جان اپنے خالی کپ لئے کچن میں آگئیں۔

”ارے تمہیں رات کو چائے پینے کی عادت ہے۔۔۔؟ مجھے پوچھنا یاد ہی نہیں رہا۔ تم مجھے بتا دیتی۔۔۔ میں ساتھ ہی بنا لیتی۔۔۔“ وہ بولی تھیں۔ اس نے ان کے ہاتھ سے خالی کپ پکڑے اور سنک میں رکھ کر دھوتے ہوئے بولی۔

”عادت تو نہیں ہے لیکن بس ذرا سر میں درد ہو رہی تھی تو سوچا چائے پی لوں۔۔۔ میں پی لوں“ اس نے ان سے اجازت لی تھی۔ وہ چولہے کے قریب ہوئیں اور ساس پین کے اندر دیکھا پھر اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

”ارے ہاں ہاں بیٹی۔۔۔ اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔۔۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔۔۔ جس چیز کا دل چاہے جب چاہے خود ہی لے لینا۔۔۔ تکلف کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔۔۔“ وہ اسے محبت سے کہہ رہی تھیں۔ سونیا کچھ نہیں بولی۔

”میں اس میں پتی زیادہ کر دوں؟۔۔۔ میرے نکلے پیٹے کے لئے بھی چائے بن جائیگی۔۔۔ اسے بھی ایک کپ دے دینا“ وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

”جی جی ضرور۔۔۔ میں بنا لیتی ہوں اتمش کے لئے بھی۔۔۔“ اس نے کہا تھا۔ ممانی جان نے پتی کی مقدار بڑھائی اور پھر دودھ بھی ڈال دیا۔ سونیا چند لمحے انتظار کرتی رہی کہ وہ کچھ بولیں لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ چائے بننے کی منتظر ت تو اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

”آپ نماز پڑھ لیں۔۔۔ یا کوئی بھی کام کرنا ہے تو کر لیں۔۔۔ میں اتمش کو چائے دے دوں گی“ اسنے لہجے میں کچھ جھجک تھی۔ انہیں یہ بات بڑی بھی لگ سکتی تھی۔ ممانی جان نے بھی ایک لمحے کا توقف کیا پھر انہیں یہ مناسب بات لگی تو بولیں۔

”ہاں ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ تم دے دینا اسے چائے۔۔۔ وہاں برآمدے میں بیٹھا ہوگا اس وقت۔۔۔ لائٹ جانے والی ہے نا۔۔۔ گھنٹہ بعد جب لائٹ آئیگی تو ہی کمرے میں جائیگا“ سونیا سر ہلاتے ہوئے چائے کپوں میں انڈیلنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

”چائے۔۔۔“ اس نے کپ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ لائٹ چلی گئی ہوئی تھی۔ اتمش صحن میں تاروں بھرے آسمان کے نیچے کچن کے دروازے کے باہر بنی سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔ اسے سونیا کے ہاتھ میں چائے کا کپ دیکھ کر حیرانی ہوئی۔

”میں اپنے لئے چائے بنا رہی تھی تو ممانی جان نے کہا تمہارے لئے بھی بنا لوں“ سونیا نے وضاحت کی اور اس کے قریب ہی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ اتمش نے چائے کا کپ ابھی بھی نہیں پکڑا تھا۔ سونیا نے رے اس کے قریب ہی رکھ دی۔ اس میں چائے کے دو کپ تھے۔

”بہت مہربانی۔۔۔ آپکی اور آپکی ممانی جان کی بھی۔۔۔“ وہ طنزیہ انداز میں بولا تھا۔

”تم ہر وقت اتنے جلدے جھنے کیوں رہتے ہو۔۔۔ جب دیکھو کاٹ کھانے کو دوڑتے ہو۔۔۔ کیوں“ وہ عام سے انداز میں بولی تھی۔ اتمش نے اسے گھور کر دیکھا۔

”آج صبح تم آئی ہو۔۔۔ چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزارے ہمارے گھر میں۔۔۔ مگر سیلوٹ ہے تمہاری ریسرچ کو۔۔۔ اتنی جلدی

میرے بارے میں اتنا کچھ پتا چل گیا "وہ پھر پورٹنریہ انداز میں بولا تھا۔ سونیا مسکرائی مگر بولی کچھ نہیں بلکہ اپنے چائے کے کپ کو بائیں ہاتھ سے اٹھا کر دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے عام سے انداز میں پوچھنے لگی۔

"تمہاری یونیورسٹی کیسی چل رہی ہے؟" اتمش کو امید نہیں تھی کہ وہ اسکے اتنے برے سلوک کے باوجود اسکے پاس بیٹھ جائیگی۔

"اچھی چل رہی ہے۔۔۔ سی این جی بد ہے نا۔۔۔ پٹرول بد ہوتی تو مسئلہ ہوتا۔۔۔ اب تو سب خیر ہے" اس نے بھی اپنا کپ اٹھاتے ہوئے انداز کو نامل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"شکر ہے تمہارے منہ سے کوئی خیر کا کلمہ بھی سننے کو ملا" سونیا نے کہا تھا۔ اتمش نے کچھ نہیں کہا تھا۔ چند لمحے ایسے ہی خاموشی میں گزر گئے۔

"چائے اچھی ہے نا۔۔۔؟" سونیا نے پھر اسے مخاطب کیا تھا۔ اتمش کو چائے کی طلب اس قدر محسوس ہو رہی تھی کہ چائے اچھی نا بھی ہوتی تو بھی وہ ایک دم سے اسکی برائی نہیں کر سکتا تھا۔

"ظاہر ہے۔۔۔ آپ کے ہاتھوں سے جو تخلیق ہوئی ہے۔۔۔ اچھی ہی ہونی تھی۔۔۔ بقول میری امی کے۔۔۔ سونیا کے ہاتھ میں اتنا ذائقہ ہے کہ پانی میں نمک بھی ڈال دے تو بیجی کا مرا آتا ہے" اس کے لہجے میں اب کی بار تلخی کم اور طنز زیادہ تھا۔ سونیا کے منہ سے چائے کا کپ لگا تھا۔ اسے ہنسی آگئی۔ اس نے چائے کا کپ پیچھے کیا پھر مصنوعی حیرانی سے اسکی جانب دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"ممائی جان نے ایسا کہا میرے بارے میں۔۔۔ مجھے یقین تو نہیں آیا لیکن پھر بھی میں آج ہی نمک ڈال کر دیکھوں گی پانی میں مجھے تو خود اس معجزے کی خبر نہیں تھی۔۔۔" اسکا انداز ایسا تھا کہ اتمش کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے چائے کا کپ منہ سے لگا کر اس مسکراہٹ کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔

"میں نے مذاق میں کہا تھا میڈم۔۔۔" وہ بولا تھا۔ اس نے کوشش کی تھی کہ چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ نمایاں رہے لیکن ہونٹوں پر اچانک در آنے والی مسکراہٹ نے کام خراب کر دیا تھا۔

"اچھا۔۔۔ مذاق میں۔۔۔؟ یعنی یہ کام آتا ہے تمہیں۔۔۔ مذاق بھی کر لیتے ہو تم۔۔۔ یعنی نسنے مسکراتے بھی ہو گے؟۔۔۔ سُن کر اچھا لگا" وہ نسنے ہوئے بولی تھی۔

"ارے سونیا بی بی۔۔۔ آپ کو کیا بتائیں کہ کیا کیا آتا ہے ہمیں۔۔۔ وہ تو آپ کے ساتھ تعلقات ہی کبھی خوشگوار نہیں رہے ورنہ آپ ابھی اتنی حیران نا ہو رہی ہوتیں۔۔۔ ایک دنیا مانتی ہے اتمش کے سٹس آف ہیومر کو۔۔۔"

"میں حیران اس بات پر نہیں ہو رہی۔۔۔ حیران اس بات پر ہو رہی ہوں کہ ہمارے تعلقات خوشگوار کیوں نہیں ہیں۔۔۔ آخر ایسا کیا ہے ہمارے درمیان کہ جو ہمارے تعلقات کو کشیدہ کئے رکھتا ہے" اس نے سادہ سے انداز میں پوچھا تھا۔

”تمہیں تو جیسے کچھ پتا ہی نہیں ہے۔۔۔ ہر چیز سے بے خبر ہوں۔۔۔ پو رہے بی۔۔۔“ اب کی بار وہ پھر طنزیہ ہوا تھا۔ سونیا نے گہری سانس بھری پھر چائے کے کپ کو سائیڈ میں رکھتے ہوئے بالکل اسکی جانب مڑی۔

”میری بات سنو! تمش۔۔۔ مجھے واقعی نہیں پتا۔ تم بتاؤ مجھے۔۔۔ آخر وہ کیا بات ہے جو تمہیں میرے ساتھ بے تکلف ہونے سے روکتی ہے۔۔۔ تم مجھ سے بات کرتے وقت اتنا برہم کیوں ہو جاتے ہو۔۔۔“ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ التمش کے چہرے کے تاثرات پہلے سے زیادہ سخت ہوئے۔

”کم آن مس عراب عرف سونیا دی گریٹ۔۔۔ آپ کیا سننا چاہتی ہیں میرے منہ سے۔۔۔؟“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سونیا نے ہاتھ ہوا میں معلق کر کے اسے بولنے سے روکا۔

”ایک منٹ۔۔۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔۔۔ ایکچو کالی تم سناؤ اب میرے منہ سے۔۔۔ وہ حقیقت جسے اپنی خود پسندی میں کبھی تسلیم نہیں کیا تم نے۔۔۔ مجھے تم میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ ذرا سی بھی نہیں۔۔۔ کیا میں نے کبھی تمہیں آئی لویو بولا ہے یا کبھی آئی لویو بولنے کی کوشش بھی کی ہے۔۔۔ تم سے کبھی کسی لگاؤ یا الفت کا اظہار کیا ہے۔ تمہاری امی۔۔۔ یا میری امی کچھ بھی سوچتی ہوں۔۔۔ کچھ بھی چاہتی ہوں۔۔۔ کیا میں نے کبھی کہا کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں! التمش۔۔۔ یا تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ میرے کس عمل سے ایسا لگا تمہیں کہ میں تم میں انٹرنلڈ ہوں؟“

وہ رکی پھر مزید بولی۔

”تو تم نے خود ہی کیسے یہ سب فرض کر لیا؟۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیسے۔۔۔؟“ وہ اسکی جانب دیکھ رہی تھی۔ التمش کو اس سے اس قسم کی گفتگو کی امید نہیں تھی لیکن اس کے کسی بھی لفظ سے انکار نہیں کر سکا تھا وہ۔۔۔

”ایک بات اپنے ذہن میں بٹھا لو! التمش۔۔۔ ہم کزن ہیں۔۔۔ صرف کزن۔۔۔ مجھے تم میں اس سے زیادہ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ ذرا سی بھی نہیں۔۔۔ مارک مائی ورڈز! التمش۔۔۔ ذرا سی بھی نہیں۔۔۔ لیکن یہ جو تم بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہو نا مجھ سے۔۔۔ جل جل کر بات کرنا، طنزیہ انداز اختیار کئے رکھنا۔۔۔۔۔۔“ وہ ایک بار پھر لمحے کے لئے چُپ ہوئی اور اسکی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔

”جب محبوب نہیں ہوں تو محبوب والی اہمیت کیوں دیتے ہو۔۔۔“ التمش پہلے تو اسکی بات سمجھا نہیں، جب سمجھا تو ناچاہتے ہوئے بھی خجل سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی تھی۔ سونیا کے لہجے میں اتنا اعتماد، اتنا استحکام تھا کہ التمش کو واقعی شرمندگی ہوئی۔ وہ غلط تو نہیں کہہ رہی تھی۔

”اور تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ یہ سب میں نے شروع نہیں کیا۔۔۔ تم نے کیا ہے۔۔۔ ہمارے ریلیشن شپ کو تم نے خراب کیا ہے۔۔۔ میں نے تمہیں ہمیشہ کزن ہی سمجھا ہے۔۔۔ جبکہ یہ عاشقی معشوقی والا اسٹیٹس تو تم نے دے دیا ہے، ہم دونوں کو۔۔۔ اور بات پتا کیا ہے۔۔۔ تمہیں اپنے کارڈز نہیں کھیلنے آرہے۔۔۔ اپنی چالیں نہیں چل پارہے تم۔۔۔ تمہارے داؤ کامیاب نہیں ہو رہے۔۔۔ اور اپنی اس

ناکامی کا غصہ تم مجھ پر نکال رہے ہو۔۔۔ تم سے برداشت نہیں ہو رہا کہ چار فٹ دس انچ کے معمولی سے قد کاٹھ کے ساتھ بھی میں بزرگوں سے جرح کئے بنا اپنا مقدمہ جیتنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہوں۔۔۔ جو تم چھ فٹ کے ساتھ بھی نہیں کر پار ہے۔۔۔ تمللانا ایک چیز ہے اور اس تمللانا میں کسی دوسرے کو تمللاتے چلے جانا ایک الگ چیز۔۔۔ تم یہی کر رہے ہو بس۔۔۔ یہ فرق ہے تم میں اور مجھ میں۔۔۔ تم اپنی بات منوانے کی کوشش میں سیخ پا ہوئے چلے جا رہے ہو جبکہ میں وہی کام نہایت سکون اور خاموشی سے کر رہی ہوں اور تم سے کہیں بہتر طریقے سے کر رہی ہوں۔۔۔ ہاں ہاں۔۔۔ اپنے چار فٹ دس انچ قد کے ساتھ بھی اور وقت آنے پر میں ثابت کر دوں گی کہ کسی سے اپنی بات منوانے کے لئے قد کاٹھ کا اونچا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔۔۔ عقل کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔۔۔ وہ اپنا موقف بیان کر کے چپ ہو گئی تھی۔ اتمش ایک لمحے کے لئے تو کچھ بول ہی نہیں پایا پھر اس کی مردانہ انا نے جیسے اسے اس کا یا تھا کہ خاموش رہنے میں سکی ہے۔

”واہ۔۔۔ تقریر تو بڑی اچھی کر لیتی ہیں محترمہ آپ۔۔۔ لیکن مجھ سے کیا چاہتی ہیں آپ۔۔۔ تالیاں بجاؤں۔۔۔ آپ کے بے تکلف تجزیے کو سراہوں۔۔۔ اسٹینڈنگ اوویشن دوں۔۔۔ ڈھول بجاؤں۔۔۔ یا بھنگرا ڈالوں“ وہ ایک ہی جملے میں اپنا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

”یہ جو اتنا کچھ فرمایا ہے آپ نے۔۔۔ اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔۔۔ میں اتنا مصروف رہتا ہوں کہ مجھے کبھی یہ سب سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا۔۔۔ یہ تو تم مجھے بتا رہی ہو کہ میرا رویہ تمہارے ساتھ عاشقی معشوقی والا ہے۔۔۔ ورنہ میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں ہے۔۔۔ میرا مزاج ہی ایسا ہے۔۔۔ بس جب موڈ میں نہیں ہوتا تو کسی سے بھی ہنس کر بات نہیں کر سکتا۔۔۔ اور جب موڈ میں ہوتا ہوں تو سب سے بے تکلف ہو کر بات کرتا ہوں“ اس نے وضاحت کی اور پھر چپ سا ہو گیا۔ حقیقت یہی تھی کہ اس سے جواب بن ہی ناپارہا تھا۔ چائے ختم ہو چکی تھی۔ سونیا اٹھی اور اتمش کے قریب پڑی ٹرے بھی اٹھالی۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ کہ تمہیں اپنے مزاج سے آگاہی تو ہے۔۔۔ بہر حال میں نے جو بھی کہا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کچھ جتنا چاہ رہی ہوں۔۔۔ میں نے کافی مہینے رہنا ہے تمہارے اس گھر میں۔۔۔ اور اس کے بعد میں چلی جاؤں گی۔۔۔ مستقل قیام کا ارادہ تھا، اور نا ہی ہے۔۔۔ لیکن جتنی دیر رہنا ہے سکون سے رہنا ہے۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ میں یہ سارا وقت فضول کی کشمکش میں گزاروں اور اپنی مثبت توانائی کو ادھر ادھر کی چیزوں میں گزاروں۔۔۔ اتنا فالٹو وقت نہیں ہے میرے پاس۔۔۔ اس لئے میری جانب سے تمہیں دوستی کی آفر چائے کے کپ کی صورت پیش کر دی گئی ہے۔۔۔ جب ایک جگہ رہنا ہو تو دشمنیاں پال کر نہیں رہا جاسکتا۔۔۔ اگرچہ میں دشمنی بھی اچھے طریقے سے نبھا سکتی ہوں۔۔۔ لیکن میں بہت اچھی دوست بھی ثابت ہو سکتی ہوں۔۔۔ غور کرنا میری بات پر۔۔۔ بال اب تمہارے کورٹ میں ہے۔۔۔ شب بخیر“ اس نے اتنا کہا اور پھر دوا سٹپس اتر کر کچن کی جانب چل دی۔ اتمش اس کے پر اعتماد انداز کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

”پھپھو کی بیٹی کیسی ہے“ وہ کمرے میں آیا تو زمین نے میسج کیا ہوا تھا۔

”بہت خطرناک ہے بھائی۔۔۔ اللہ اللہ“ اس نے اتنا ہی لکھا۔ لائٹ آچکی تھی۔ وہ آرام سے اپنے بستر پر دراز ہو چکا تھا۔ سونیا کا ہر جملہ اس کے ذہن میں محفوظ ہو گیا تھا۔ وہی باتیں جو پہلے اسے بری لگی تھیں اب اتنی بری نہیں لگ رہی تھیں بلکہ اسے اسکی باتوں پر حرف حرف یقین آ گیا تھا۔ تب ہی زمین سے بات کرتے ہوئے اسکا موڈ مزید خوشگوار ہو گیا تھا۔ ایسا لگنے لگا تھا کہ وہ کام جو اتنے دنوں سے ناممکن لگنے لگا تھا، اب یکدم ممکن ہونے والا تھا۔

”واپس کب جائیں گی یہ خطرناک چیز۔۔۔“ زمین نے پوچھا تھا۔

”دیکھا۔۔۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ بار بار یہ سوال مت پوچھنا۔۔۔ ابھی تو چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے اسے آئے ہوئے۔۔۔ اور تمہارا کون بنے گا کروڑ پتی والا شو شروع ہو گیا ہے۔۔۔ خدا کو مانو یا۔۔۔ رہے گی وہ کچھ مہینے یہاں۔۔۔ اس نے طویل میسج ٹائپ کیا۔۔۔ پھر بلا وجہ سامنے لگے وال کلاک کی تصویر کھینچی اور زمین کو وائس ایپ کر دی۔

”یہ کیا ہے۔۔۔؟“ اس نے جوابی میسج بھیجا تھا۔

”کلاک۔۔۔ اتنا بھی نہیں پتا۔“ وہ بستر پر الٹا ہو کر لیٹتے ہوئے ٹائپ کر رہا تھا۔

”مجھے کیوں بھیجا۔۔۔؟“ زمین نے دوسرا پیغام بھیجا۔

”یہ بتانے کے لئے کہ رات بہت ہو چکی ہے۔۔۔ اب سو مڑ جاؤ۔۔۔ اسے نیند آرہی تھی سو چاہتا تھا وہ بھی سو جائے۔

”پہلے بتاؤ۔۔۔ پھپھو کی بیٹی کہاں ہے؟“ زمین کا اگلا میسج اسے مزید تاؤ دلا گیا۔

”ٹھہرو۔۔۔ تمہیں اسکا نمبر دیتا ہوں۔۔۔ تم خود ہی اس سے پوچھ لو۔۔۔“ اس نے لکھا اور پھر یونی سات آٹھ نمبر لکھ ڈالے۔ زمین نے پھٹی ہوئی آنکھوں والا ایمو جی اسے بھیجا تھا۔

”تمہارے پاس اسکا نمبر بھی آگیا۔۔۔ یعنی نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے۔۔۔“ وہ خطرناک تیور والے تین چار ایمو جی بھیج کر پوچھ رہی تھی۔

”نوبت یہاں تک نہیں پہنچی۔۔۔ اس سے دو ایک فرلانگ آگے نکل گئی ہے بی بی!۔۔۔ ہم دوست بن گئے ہیں۔۔۔“ وہ اسے بتا رہا تھا۔

”نام ٹویو ڈا پلینٹ آتمش۔۔۔ (اس سیارے کو چھوڑنے کا وقت آگیا ہے)۔۔۔ یہ کیسے ہو گیا۔۔۔ کیسے۔۔۔ کیسے۔۔۔؟“ اس نے

دس بارہ مرتبہ ”کیسے“ کا میسج بھیجا تھا۔

”کل بتاؤں گا۔۔۔ ابھی مجھے نیند آرہی ہے۔۔۔“ اس نے اتنا لکھا اور ساتھ ہی فون سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔ میسج ابھی ڈیلیور بھی نہیں ہوا

تھا کہ زمین کی کال آنے لگی۔

”کیا مصیبت ہے۔۔۔ تمہیں اپنے گھر میں سکون نہیں ہے۔۔۔ ہر وقت ہمارے گھر کی گھنٹیاں بجاتی رہتی ہو۔۔۔ اور یہ وقت ہے بھلا

کسی کے گھر کال کرنے کا۔۔۔ پتا ہے نا ہماری مہارانی جو دھابائی کا۔۔۔ ان کے اپنے قانون ہیں۔۔۔ وہ ایسی باتوں کا سخت برامنتی ہیں۔۔۔ چلو فون بند کرو۔۔۔" وہ بے تکے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ بک بک بند کرو اور مجھے صاف صاف بتاؤ پھپھو کی بیٹی سے دوستی کیسے ہو گئی تمہاری۔۔۔ مجھے پہلے ہی اس بات کا خدشہ تھا۔۔۔ میری مٹی ٹھیک ہی کہتی ہیں۔۔۔ کہ لڑکے ہوتے ہی ایسے ہیں۔۔۔ ان پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے" وہ مصنوعی ناراضی سے کہہ رہی تھی۔
التمش کو ہنسی آگئی۔ اس نے آڈیو کال بند کی اور پھر ویڈیو کال ملالی۔ ایک منٹ تک زرین نے کال ایٹینڈ نہیں کی تھی پھر اسکا میسج آیا تھا۔
"ویڈیو کال ریسیو نہیں کر سکتی۔۔۔ میں اپنی کزن کی انگیجمنٹ پر آئی ہوں۔"

"اچھا۔۔۔ پہلے تو نہیں بتایا تم نے۔۔۔ انکی ہی چلی گئی ہو۔۔۔ مجھے بھی انوائٹ کر لیتی۔۔۔ کتنے دن ہو گئے شادی والا کھانا نہیں کھایا۔۔۔ دلخ والا قورمہ یاد آگیا مجھے تو" اس نے ایک اور غیر منجیدہ میسج بھیجا۔

"نہیں تو کبھی نابلاؤں یہاں میں۔۔۔ اتنا بیکار فکشن ہے۔۔۔ فضول سے لڑکے سے انگیجمنٹ ہو رہی ہے۔۔۔ ہمارے اسٹینڈرڈ کے لوگ نہیں ہیں یہ۔۔۔ پیچھے سے پتا نہیں کونسی ذات کے لوگ ہیں۔۔۔ سب کچھ لو اسٹینڈرڈ کا ہے۔۔۔ ایک دم چیپ۔۔۔ مٹی بتا رہی تھیں دھوبی ہوتے ہیں یہ لوگ۔۔۔ بہت ہی عجیب سا فکشن ہے۔"

زرین نے میسج کیا تھا۔ التمش کو اس میسج کو سمجھنے میں دو منٹ لگے تھے۔

"ہیں۔۔۔ کون ہیں۔۔۔ کیا ہیں یہ لوگ۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"دھوبی۔۔۔" اس نے دوبارہ لکھا تھا۔

"وہ کیا ہوتے ہیں۔۔۔ لائڈریاں ہیں انکی" التمش حیران ہوا تھا۔

"اوہ نہیں یار۔۔۔ کئی کمین ہوتے ہیں۔۔۔ یعنی کم ذات یہ دھوبی درزی۔۔۔ نانی کہہ مار وغیرہ۔۔۔ کزن کی اپنی پسند سے ہو رہی ہے انگیجمنٹ۔۔۔ ورنہ ہمارے بڑے تو ان باتوں پر کپڑا مانڈ نہیں کرتے" وہ وضاحت کر رہی تھی۔ التمش چُپ سا ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ زرین ایسی باتوں کو اہمیت دیتی ہے۔

"اب بتاؤ۔۔۔ دوستی کیسے کر لی پھپھو کی بیٹی سے۔۔۔؟" زرین کی سوئی اسی جگہ اٹکی تھی۔ التمش اسے اپنی اور سونیا کی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

"یہ کیا کر رہی ہو۔۔۔؟" التمش گیارہ بجے اپنے کمرے سے سو کر نکلا تھا۔ اتوار کا دن تھا اور وہ معمول سے کچھ پہلے ہی بیدار ہوا تھا سونیا برآمدے میں میز پر جانے کیا کیا بکھرائے بیٹھی تھی۔ التمش نے اسے ہمیشہ ہی مصروف دیکھا تھا۔ سایہ وال میں بھی وہ کانڈ فیچیاں دھاگے بیٹھی

جانے کیا کیا بناتی نظر آتی تھی اور یہاں کراچی میں بھی اسکی مصروفیت کچھ اسی قسم کی تھی۔ التمش کے ذہن میں اسے دیکھتے ہی رات ہونے والی انگٹوں کی جھلکیاں چلنے لگی تھیں۔ اس نے زمین سے بات کرنے کے بعد بہت دیر تک اسی متعلق سوچا تھا اور اسے لگا تھا کہ سونیا جو بھی کہہ رہی تھی غلط نہیں تھا تب ہی وہ اسکی دوستی کی پیشکش کو قبول کرنے کے لئے رضامند تھا۔ اس میں اسے اپنا مفاد نظر آرہا تھا۔

"گڈ مارنگ۔۔" اس نے اسے خود ہی مخاطب کر لیا تھا۔ سونیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر جیسے اسے بالکل حیرت نا ہوئی تھی۔

"گڈ مارنگ۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے انداز میں ایک استحکام تھا گو یا اسے یقین تھا کہ التمش اسکی دوستی کی پیشکش کو انکار کر ہی نہیں سکتا۔ التمش مزاجاً اتنا خود پسند تھا کہ اسے یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔ اس کے خیال میں سونیا کے چہرے پر تنگدلی آمیز مسکراہٹ یا تحیر ضرور چمکنا چاہیے تھا جبکہ ایسا قطعاً نہیں ہوا تھا سو وہ اسے مزید مخاطب کئے بنا کچن کی جانب چل دیا۔ مہناز بیگم سے بھی اسکی ناراضی چل رہی تھی سونا شہ کہنے پر نہیں ملتا تھا بلکہ وہ کچھ بھی بنا کر میز پر ڈھانپ کر رکھ دیتی تھیں جو وہ کھالتا تھا۔ اس نے دیکھا میز پر آلو کے ہڈاٹھے پڑے تھے۔ اسکی امی کو ذرا بڑے سائز کا ہڈاٹھا بنانے کی عادت تھی جبکہ میز پر جو ہڈاٹھے پڑے تھے وہ سائز میں چھوٹے تھے۔ وہ تسخیر اڑانے والے انداز میں مسکرایا تھا۔ اسکی سگھر سلیمہ مند کزن کی گھر میں آمد کے ساتھ ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب ان کے کچن میں بہت نئی چیزیں بنتی رہیں گی۔

"ہڈاٹھے کا شکریہ۔۔۔ اگرچہ یہ میری امی کے ہاتھ کے ہڈاٹھے جیسا مزیدار نہیں ہے لیکن پھر بھی۔۔۔ ناٹ بیڈ۔۔۔" التمش نے دوسری بار اسے خود سے مخاطب کیا تھا۔ مہناز بیگم کچن میں ہی تھیں اور دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

"اچھا۔۔۔" سونیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر استغناء مہیا انداز میں پوچھنے لگی۔

"اس ہڈاٹھے میں کئی ہے کوئی؟"

"تھوڑا چھوٹا ہے۔۔۔ پلو اب وہ تو اپنے قد کے حساب سے بنائیں ہو گئے تم نے۔۔۔ لیکن کناروں سے تھوڑا سا موٹا بھی ہے۔۔۔ نمک مرچ کم ہے۔۔۔ آلو کچھ زیادہ ہی کچل ڈالے ہیں۔۔۔ اور یہ اتنا بڑا دھنیا پودینہ کون ڈالتا ہے ہڈاٹھے میں" وہ بات برائے بات کر رہا تھا۔ چہرے پر طنز نہیں تھا لیکن مسکراہٹ بھی نا تھی۔

"میں ڈالتی ہوں۔۔۔ کوئی اعتراض۔۔۔ اور یہ ہڈاٹھے سونیا نے نہیں میں نے ہی بنائے تھے" مہناز بیگم کچن سے نمودار ہو کر بولی تھیں۔ التمش کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی۔

"اوہو ہو۔۔۔ پھر تو بہت گستاخی ہو گئی مجھ سے ہڈاٹھوں کی شان میں۔۔۔ معافی ملکہ عالیہ معافی۔۔۔ مہارانی جو دھابائی کا اقبال بلند ہو۔۔۔ سائل کی کیا مجال کہ کوئی اعتراض کرے" اس نے کہنے کے ساتھ اٹھ کر فائف فرشی سلام پیش کیا تھا۔ مہناز بیگم کو ہنسی تو آئی مگر ضبط کر گئیں

"سائل کے بچے ہر وقت ہر کام میں کیڑے ناکالتے رہا کرو۔۔۔ یہ ساری حرکتیں اللہ کی ناراضی کا سبب بنتی ہیں" وہ اس کی

جانب اپنی پشت کرتے ہوئے بولی تھیں۔

”ارے التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ اللہ کریم کیوں ناراض ہو گئے مجھ سے۔۔۔ میں نے کیا ہی کیا ہے۔۔۔ اللہ تو مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔۔۔ یہ تو آپ ہی ہیں جو ناراض حسینہ بنی پھرتی ہیں۔“

”بک بک مت کرو۔۔۔ ذرا پنکھی کی مدد کرو۔۔۔ کافی عرصہ بعد کراچی آئی ہے۔۔۔ راستے سمجھاؤ اسے۔۔۔“ وہ کہتے ہوئے کچن کی جانب چل دیں۔

”راستے سمجھ کر کیا کرو گی تم۔؟“ وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

”مجھے شورٹ کورسز کرنے ہیں۔۔۔ انشاء اللہ۔۔۔ انڈس ویلی سے۔۔۔ تو بس میں چاہتی ہوں ذرا روٹ سمجھ لوں۔۔۔ کل پرسوں جاؤ گی“ وہ وضاحت کر رہی تھی۔ التمش تسخراہ انداز میں ہنسا۔

”انڈس ویلی میں ایڈمیشن لو گی تم؟“

”لو گی نہیں۔۔۔؟ لے چکی ہوں۔۔۔ آن لائن سارا پروسیجر ہو چکا ہے۔۔۔ فیس بھی پے کر چکی ہوں۔۔۔ تب ہی تو آئی ہوں یہاں“ وہ لاپرواہ سے انداز میں بولی جیسے بتا بھی رہی ہو کہ بتایا تو تھا تمہیں کہ یہاں آنے کا مقصد تم سے شادی قطعاً نہیں ہے۔

”تو پھر سمجھا دو گے تم مجھے راستے۔۔۔ یا پھر میں جی پی ایس پر بھروسہ کر لوں“ وہ پراعتما د انداز میں پوچھ رہی تھی۔ ایسے جیسے ان کے درمیان ہمیشہ سے بے حد بے تکلفی رہی ہو۔ التمش کو جانے کیا سوچھی یکدم بولا۔

”میں لے جایا کرونگا تمہیں۔۔۔ آئی مین پک اپ اینڈ ڈراپ دے سکتا ہوں میں تمہیں۔۔۔“ وہ آفر کر رہا تھا۔ وہ چند لمحے اسکی جانب دیکھتی رہی پھر مسکرائی تھی۔

”یعنی۔۔۔ تم نے میری آفر پر غور کرنے کا ارادہ کر لیا ہے؟“ وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”سوچ تو رہا ہوں کہ آزما لیا جائے تمہیں۔۔۔ سنا ہے جنہیں قد چھوٹے ہوں ان کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔۔۔ بڑے سخی دوست ثابت ہوتے ہیں ایسے لوگ۔۔۔“ وہ بولا

”لوگوں کی چھوڑو۔۔۔ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ لمبے آدمی کی عقل اس کے ٹخنوں میں ہوتی ہے۔۔۔ میں نہیں یقین کرتی ایسی باتوں پر“ وہ چڑانے والی بات بھی اتنے سادہ انداز میں کر گئی تھی کہ ناچاہتے ہوئے بھی التمش کو ہنسی آ گئی۔

”تم یقین کر بھی کیسے سکتی ہو۔۔۔ تمہارے سامنے میرے جیسی جیتی جاگتی مثال موجود ہے۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ قد کاٹھ میں بھی اونچا اور عقل و شعور میں بھی۔۔۔“ وہ نادیدہ کالر جھٹکتا ہوا بولا تھا۔

”چلو تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔۔۔ ورنہ ابھی تک عقل و شعور کی ایسی کوئی بات سنائی تو نہیں ہے تم نے“ سونیا نے ایک اور طعنہ

دیا تھا لیکن وہ دونوں کی مسکراہے تھے۔

”سنا دیں گے باتیں بھی۔۔۔ غریب بھی اور نظیں بھی۔۔۔ اب تو آپکا قیام ہمارے گھر میں ہی رہے گا۔۔۔ فیضیاب کرتے رہیں گے آپکو اذہانت و فطانت سے“ وہ بولا تھا

”تو پھر دوستی۔۔۔؟“ سونیا نے پوچھا تھا۔ التمش نے اثبات میں گردن ہلائی اور ساتھ ہی اپنا ہاتھ اسکی جانب بڑھایا تھا۔ سونیا نے بھی اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

”یا اللہ۔۔۔ یا اللہ۔۔۔ اتنا اچھا شگون۔۔۔“ مہناز بیگم کچن سے باہری جانب ہی دیکھ رہی تھیں۔ انکی تو باچھیں ہی کھل اٹھیں۔ ان دونوں کو ہاتھ ملا تا دیکھ کر وہ کوشی سے پھولی نہیں سمراہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”بِراق تم لوگ اپنی فیملی میں ہی شادی کرتے ہو؟“ زرین نے فائل پر رکھے پین کو اٹھاتے ہوئے سرسری سا انداز اپناتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ سب کیمپس کے گراؤنڈ میں نوٹس لکھ رہے، ارد گرد ہمتا بی بی سجانے پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فائزل نے سب کو ہی پڑھنے پر مجبور کر دیا ہوا تھا۔

”کیوں۔۔۔ تمہیں شادی کرنی ہے میری فیملی میں۔۔۔؟“ وہ فائل میں نوٹس ترتیب سے رکھ رہا تھا، اس کی بات کو غیر بنجیدگی سے سنتے ہوئے ذومعنی انداز میں پوچھنے لگا۔ زرین نے ناک چڑھا کر اسے گھورا۔

”اوپنہ۔۔۔ شکل دیکھی ہے۔۔۔ میں کبھی اور کے لئے پوچھ رہی تھی“ بِراق نے اس سے بھی زیادہ بڑی شکل بنائی۔

”زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے بی بی۔۔۔ ہمارے خاندان میں آؤٹ آف کاسٹ لڑکی از اسٹرکٹی پروویڈڈ۔۔۔ ہمارے یہاں لڑکے بچپن سے ہی ڈیئر کزنز کو پیارے ہو جاتے ہیں۔۔۔ کسی کو تالیبا کی بیٹی مل جاتی ہے۔۔۔ اور کسی کو ماسوں کو بیٹا۔۔۔ کام ختم پیسہ

”مضم“ وہ نیم بنجیدہ انداز میں وضاحت کر رہا تھا۔ زرین ذرا بھی متاثر ناہوئی۔

”کوئی اچھا رواج تو نہیں ہے جو اتنے فخر سے بتا رہے ہو۔۔۔“ وہ چڑ کر کہہ رہی تھی۔

”اوہ۔۔۔ تم کیوں اتنی بیزار ہو۔۔۔ تمہاری بگنگ تو ہو چکی ہے۔۔۔ تمہیں کیا ٹینشن۔۔۔؟“ مسئلہ تو نمیرہ کو ہو گا۔۔۔ جس کو ناماموں کے بیٹے نے گھاس ڈالنی ہے نا پچھو کے بیٹے نے۔۔۔ اس بیچاری کو اچھے رشتے کے انتظار میں ایم فل کرنا پڑ جانا ہے“ احتشام نے نمیرہ کو دیکھتے ہوئے چڑانے والے انداز میں کہا تھا۔ وہ سب لوگ آجکل بس نوٹس مکمل کرتے پھر رہے تھے۔ ایم بی اے فائنل کے فائنل سیمسٹر نے سب کو ہی حواس باختہ کر رکھا تھا۔ لائبریری، کینیٹین اور کیمپس گراؤنڈز میں بس پڑھائی کی باتیں ہی چل رہی تھیں۔ ایک واحد ان ہی کا گروپ تھا جو غیر بنجیدہ باتیں بھی نہایت بنجیدگی سے کرنے میں مگن تھا۔ نمیرہ التمش سے کوئی ٹاپک سمجھ رہی تھی۔ اپنا نامُن کراس نے مُرد کر دیکھا

جب بات سمجھ میں آئی تو اعتشام کے کندھے پر کتاب مار کر بولی۔

”اللہ ناکرے۔۔۔ منحوس آدمی۔۔۔ ایم فل کریں میرے دشمن۔۔۔ میں نے تو اپنی امی سے بھی کہہ دیا ہے کہ بے شک میری شادی پچھو کے پیٹنے سے کر دیں۔۔۔ مگر بس کر دیں۔۔۔ میں نے اکاؤنٹس کے سوال لکھ لکھ کر بہت صفحے نیلے کر لئے۔۔۔ اب بس میرے ہاتھ پیلے کرنے کا موسم آگیا ہے۔۔۔“ ایگزامز کے دن تھے۔ سب ہی پڑھائی سے بیزار ہوئے جا رہے تھے۔

”لو ایک اور کزن میرج کی حامی مل گئیں۔۔۔ میں اس کزن میرج سے بڑی بیزار ہوں۔۔۔ یہ کیا کوئی لیٹسٹ ٹرینڈ ہے۔۔۔ کوئی پچھو کی بیٹی کے لئے باولا ہوا جا رہا ہے کوئی تایا کی بیٹی کے لئے“ وہ پڑسوج انداز میں پوچھ رہی تھی۔

”اوہ یار اب ایسی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ ورنہ میں تو منتظر بیٹھا ہوں۔۔۔ میرا سلسلہ جوڑ دو کہیں۔۔۔ میں نہیں پڑھنا چاہتا مزید۔۔۔ خدا کا واسطہ۔۔۔ میری جان چھڑوادو کوئی اس پڑھائی سے۔۔۔ میں پچھو کی بیٹی، چاچو کی بیٹی۔۔۔ ماموں یا پھر تایا کی بیٹی سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔“ اعتشام نیم مزاحیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ آتمش نے گھور کر اسے دیکھا۔ اس کا سوال مکمل ہو گیا تھا۔ اس کا دھیان انہی طرف نہیں تھا لیکن جب پچھو کی بیٹی اور لفظ ”کزن“ کی تکرار ہونے لگی تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔ وہ سب دوست آپس میں بے تکلف تھے۔ آتمش اور زرین کے متعلق سب ہی جانتے تھے لیکن آتمش نے کبھی اپنے منہ سے سونیا کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اسے زرین کی بے سرو پا گفتگو سے الجھن ہوئی۔

”تم لوگ کتنا فضول بولتے ہو۔۔۔ کوئی ٹینشن نہیں ایگزام کی۔۔۔ اتنا زیادہ پورشن ہے۔۔۔ کیسے ختم ہوگا۔۔۔ فیل ہونے کا ارادہ ہے کیا؟“ وہ نخوت سے بولا تھا۔

”تم اگر یہی بات سمسٹر کے شروع میں کر لیتے تو زیادہ اچھا تھا۔۔۔ تب تو تم۔۔۔ آتمش ہوں میں۔۔۔ سب سمجھا ہے مجھ۔۔۔“ کی گردان کرتے پھرتے تھے۔۔۔ اب کتابیں کھول کر بیٹھ گئے ہو۔۔۔ لیکن اس کا فائدہ کوئی نہیں ہوتا۔۔۔ اب کارپوریٹ فائننس میں پاس ہونے کا بس ایک ہی گڑ ہے۔۔۔ ٹوپیاں پہن لو۔۔۔ اور پنجھالو مصلے۔۔۔ اور کوئی مل نہیں اس مصیبت سے نکلنے کا“ اعتشام نے مشورہ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ آتمش مزید کچھ کہتا۔ زرین چڑ کر بولی تھی

”ادو۔۔۔ میں اتنا اہم مسئلہ ڈیکس کر رہی تھی۔۔۔ تم لوگوں نے پھر پڑھائی کی بات شروع کر دی۔۔۔ چُپ کرو سب۔۔۔ میں نے کیا پوچھا تھا تم سے براق۔۔۔ تم لوگ واقعی فیملی میں شادی کرتے ہو۔؟“ زرین نے گفتگو کا رخ دوبارہ واپس موڑ دیا تھا جہاں سے بات شروع ہوئی تھی۔ براق نے نفی میں سر ہلایا

”اوہ نہیں بھئی۔۔۔ اتنے بھی کمزور بیٹو نہیں ہیں ہم۔۔۔ فیملی کی تو کوئی شرط نہیں ہے۔۔۔ ہاں بارات مسجد میں۔۔۔ اور ولیمہ ہال میں ضرور کرتے ہیں“ وہ اپنے نوٹس کو ترتیب سے فائل میں رکھ رہا تھا، اس کی بات کو اہمیت دئے بنا بولا۔

”اسکا مطلب تمہارے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔“ وہ پڑسوج انداز میں بولی تھی۔ براق نے مصنوعی حیرت میں گھر کر اسے گھور کر دیکھا

”تمہارا اور التمش کا بڑیک اپ ہو گیا کیا۔؟“

”خدا نا کرے۔۔۔ اسٹو پڈ۔۔۔ میں اپنے لئے نہیں کہہ رہی۔۔۔“ اس نے بات مکمل بھی ناکئی تھی کہ براق نے نوٹس والی فائل سے سرٹھا کر اسے دیکھا۔

”باجی آپ فاسطر کی فکر کریں۔۔۔ سارے محلے کی بہنوں بیٹیوں کے رشتوں کی ذمہ داریاں ان کے امی ابا کو پوری کرنے دیں۔“ نمیرہ نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے زمین کو کن اٹھیوں سے گھورا۔

”سارے محلے کی نہیں۔۔۔ بس ایک لڑکی کے رشتے کی ٹھان لی ہی میں نے۔۔۔ کوئی اچھا لڑکا ہو تو مجھے ضرور بتانا تم سب لوگ۔۔۔“ وہ نہایت بنجیدہ تھی۔ التمش جیسے سمجھ گیا تھا کہ وہ کس نہج پڑسوج رہی ہے۔ اس کے چہرے پر خشکی بڑھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

”تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ کیا فضول باتیں کر رہی تھی تم؟“ التمش نے یونیورسٹی میں اس سے کوئی بات ناکئی تھی لیکن گھر آتے ہی اسے کال کی تھی۔

”یار میں تو بھلا سوچ رہی ہوں تمہاری کزن کا۔۔۔ اعتشام اچھا لڑکا ہے۔۔۔ اکلوتا بھی ہے۔۔۔ فیملی بھی اچھی ہے۔۔۔ دعائیں دے گی تمہاری کزن تمہیں بھی اور مجھے بھی۔“ زمین نے اپنا وقت اسے بتایا تھا۔

”اعتشام اچھا لڑکا ہے۔؟“ التمش نے طنز کیا تھا۔

”گزشتہ دو سالوں میں چار افیئر ز رہے ہیں اس کے یونیورسٹی میں۔۔۔ اس سے شادی کروائیں گے ہم سونیا کی۔۔۔“ وہ ذرا بھی متاثر نا ہوا تھا۔

”افیئر تو آجکل ہر ایک کے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ وہ سیریس کسی کے لئے بھی کبھی نہیں رہا۔۔۔ ایسے لڑکے بہت اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں“ زمین نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

”اوہ کم آن زری۔۔۔ کیسی فضول باتیں کرتی ہو تم۔۔۔ وہ اگر کسی لڑکی کے لئے کبھی سیریس نہیں رہا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ سونیا کے لئے سیریس ہو جائیگا“ وہ ذرا سا ڈپٹ کر بولا تھا۔

”تم نے سنا نہیں وہ اپنے منہ سے کہہ رہا تھا کہ اسے شادی کرنی ہے۔۔۔ اور میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ تمہاری پچھوکا ایک بڑا مسئلہ ہو جائیگا۔۔۔ ورنہ یہ انٹر پاس گھر بیٹھی عام عام سی لڑکیاں یونیورسٹیوں کے انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہیں۔“ زمین بڑا امان کر نحوٹ سے

بولی۔ اتمش کو مزید برا لگا۔

”وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے زمین۔۔۔ بہت قابل ہے۔۔۔ اتنی ٹیلنڈ ہے۔۔۔ پتا نہیں کیا کیا کرتی رہتی ہے۔۔۔ گھر بیٹھے اسی نوے ہزار کمالیتی ہے۔۔۔ شکل صورت کی بھی اچھی ہے۔۔۔ اس کے لئے کوئی بہت ہی بہترین لڑکا ہونا چاہیے۔۔۔ اعتنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے“ اتمش نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ سونیا سے دوستی کر لینے کے بعد وہ اسکا گرویدہ سا ہوتا جاتا تھا۔ اسکی گفتگو میں بھی سونیا کا تذکرہ زیادہ ہونے لگا تھا تب ہی زمین خدشات میں گھرتی جا رہی تھی۔ زمین ایک لمحے کے لئے تو چپ بی رہ گئی پھر بولی تو اس کے انداز میں عجیب سا شکوہ تھا۔

”تم بالکل اپنی امی کی زبان بولنے لگے ہو۔۔۔ دو ہفتے میں ہی اتنا متاثر ہو گئے ہو ڈیر کزن سے۔۔۔“
 ”ارے نہیں۔۔۔ متاثر نہیں ہوا۔۔۔ وہ واقعی اچھی لڑکی ہے۔۔۔“ زمین نے اسکی بات کاٹ دی۔
 ”اسے ہی متاثر ہونا کہتے ہیں اتمش۔۔۔“ اس کی آواز میں عجیب سا خدشہ چھلکنے لگا تھا۔

”کم آن زری۔۔۔ کیوں پریشان ہو رہی ہو۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو۔۔۔ میں تمہارے متاثرین میں سے ہوں اور زندگی بھر ہونگا۔۔۔ لیکن سونیا اچھی لڑکی ہے۔۔۔ تم بھی اس سے ملو گی تا تو یہی کہو گی۔۔۔“ اتمش کو سمجھ نا آئی کہ زمین کو کیسے تسلی دے۔
 ”تم پھر ملو آنا ہمیں اس سے۔۔۔ ایسا کرتے ہیں سب دوستوں کی پارٹی کرتے ہیں کسی روز۔۔۔ میری کزن بتا رہی تھی کہ راس باؤل کا کھانا بہت اچھا ہے۔۔۔ وہاں چلتے ہیں۔۔۔ اعتنا اور براق کو بھی لے چلیں گے۔۔۔ تم ملنے تو دو ایک بار اپنی کزن کو اعتنا سے“ زمین نے مشورہ دیا تھا۔ اتمش ایک لمحے کے لئے تو چپ سا رہ گیا پھر ہونٹ بھیج کر پُر سوچ انداز میں بولا۔
 ”ہم ٹھیک ہے۔۔۔ تم کہہ رہی ہو تو یہ بھی کر لیتے ہیں۔۔۔ لیکن ایگزامز کے بعد۔۔۔ یہ دو ہفتے گزر جانے دو پھر کرتے ہیں کچھ پلان۔۔۔“ وہ مان گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”اتمش۔۔۔ بہن کو بیٹھا پان بی کھلا دینا تھا“ ماسٹر جی نے رات کے کھانے کے بعد بیٹے سے فرمائش کی تھی۔ اتمش کمی بیکری سے شوگر فری چیزیں لا کر اکثر ہی انہیں خوش کرتا رہتا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اس سے کہا تھا۔ مہناز بیگم اور سونیا دونوں کی کھانے کے بعد کچن میں برتن سمیٹ رہی تھیں۔ اتمش کے پیچھے زخم ہو جانے کی خوشی میں آج کھانا کافی پُر اہتمام بنایا گیا تھا۔
 ”بہن ہو وہ اس کے دشمنوں کی۔۔۔ اس کی بہن نہیں ہے وہ۔۔۔“ مہناز بیگم اسی لمحے کچن سے نکل کر باہر آئی تھیں۔ ماسٹر جی کے جملے میں سب سے قابل اعتراض بات انہیں ہی لگی تھی۔ انکا منہ ہی بن گیا۔ دھیمی سی آواز میں انہیں گھر کتے ہوئے بولی تھیں۔ ماسٹر جی گڑبڑا سے گئے
 ”اوہ۔۔۔ معاف کیجئے گا۔۔۔ گرامر کی غلطی ہو گئی۔۔۔ وہ میں اتمش کو یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ کچھ بیٹھا کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔۔۔ پان بی لا

دے اپنی کزن کو۔۔۔ اور مجھے بھی۔۔۔ آخری جملہ کن انکھیوں سے انکی جانب دیکھتے ہوئے ادا کیا گیا تھا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ اتنی الم غلم چیزیں ڈالی ہوتی ہیں۔۔۔ صفائی کا خیال بھی نہیں رکھتے“ وہ آئینہ کی جانب دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولیں اور میز پر ہڈے باقی ماندہ برتن اٹھا کر دوبارہ کچن میں چل دیں۔ ماسٹر جی نے بیزاری سے بڑا سامنہ بنایا۔

”یہ انکا نام مہارانی جودھا بانی کس خصوصیت کی بناء پر رکھا تھا آپ نے؟“ آئینہ نے نہایت سنجیدگی سے انکی جانب دیکھتے ہوئے طنز کیا تھا، ماسٹر جی مسکرائے۔

”اوہ یار۔۔۔ ٹی وی میں دیکھ کر رکھ دیا تھا۔۔۔ اب ہو گئی غلطی۔۔۔ کیا کریں“ وہ جوان بیٹے کے سامنے وضاحت دیتے ہوئے بولے۔ آئینہ نے منہ بگاڑا۔ یہ ان دونوں کا ہی پسندیدہ تکیہ کلام تھا۔

”ٹی وی پر پھولن دیوی کو کبھی نہیں دیکھا تھا آپ نے۔۔۔“ آئینہ نے الگ جملہ ادا کیا تھا۔ ماسٹر جی نے نفی میں سر ہلایا۔

”تب ہی یہ صورتحال ہے۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ ماسٹر جی کو بالکل اچھانا لگا۔

”اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔۔۔ دل کی تو بہت اچھی ہیں“ انہوں نے فوراً صفائی پیش کی۔

”جی وہ تو نظر آ رہا ہے مجھے۔۔۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”تم کیا سرگوشیاں کر رہے ہو ماسٹر جی سے۔۔۔“ وہ دوبارہ واپس آئی تھیں۔

”یہ کہہ رہا تھا کہ اگر والدہ محترمہ شرف قبولیت بخشیں تو میٹھا پان مہمان کیا جاسکتا ہے۔۔۔“ ماسٹر جی نے پھر درخواست کرنے والے انداز میں کہا۔

”آپ کبھی کبھی بالکل ہی بچوں کی طرح ضد کرنے لگتے ہیں ماسٹر جی۔۔۔ اب ضد لگالی ہے کہ پان کھائیں گے تو بس کھائیں گے

”مہناز بیگم نے بڑا سامنہ بنا کر کہا تھا لیکن ان کے انداز نے بتا دیا تھا کہ آئینہ پان لا سکتا ہے۔ ماسٹر جی خوش ہو گئے۔ وہ دوبارہ سے کچن کی جانب جاتے ہوئے با آواز بلند بولیں۔

”۔۔۔ سونیا۔۔۔ بیٹی چائے مت بناؤ۔۔۔“

”چل بھئی پتھر۔۔۔ پان کھلا دے آج۔۔۔ بڑے دن سے طلب ہو رہی تھی۔۔۔ ڈبل مصالحہ ڈال کر خوب ساری میٹھی چھالیہ ڈالو انی

ہے“ وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔ آئینہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہ اٹھا۔

”اٹھ جایا۔۔۔ مہارانی جودھا بانی کے فیصلے بدلنے وقت نہیں لگتا“ انہوں نے اسے ٹس سے مس ہوتا ناک دیکھ کر کہا تھا۔

”ماسٹر جی۔۔۔ پان تو میں لے آتا ہوں۔۔۔ وہ تو دو منٹ کا کام ہے۔۔۔ لیکن آپ کو ملوانا ہے کسی سے۔۔۔ آپ کا تھوڑا سا وقت چاہیے

”آئینہ نے ان کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے درخواست کی تھی۔

”مجھے۔۔۔؟ مجھے کس سے ملوانا ہے پتر جی؟“ ماسٹر جی نے پوچھا۔ ان کے اعصاب پر بیٹھا پان سوار تھا۔ التمش نے گہری سانس بھری، پیچھے مڑ کر کچن کی جانب دیکھا اور ان کے قریب ہوتے ہوئے دھیمی سی آواز میں بولا۔

”زرمین سے۔۔۔ ماسٹر جی کو جھٹکا لگا۔

”اوه پڑا تر جائے۔۔۔ اتنا مہنگا پان۔۔۔“ وہ جیسے سمجھ گئے تھے کہ بیٹا کس سے ملوانا چاہ رہا ہے۔ انہوں نے بھی ایک نگاہ کچن کے دروازے کی جانب ڈالی۔

”اور خطرناک بھی۔۔۔“ وہ مزید بولے تھے

”سوچ لیں۔۔۔ آپکی مرضی ہے“ التمش نے کرسی پر پیچھے ہو کر ٹھیک سے بیٹھتے ہوئے کندھے اُچکائے، ماسٹر جی نے مسلسل کچن کے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے ایک نہایت طویل، گہری سانس بھری۔ آنکھوں میں جیسے شمشک جھکنے لگی تھی۔ چند لمحے وہ ایسے ہی بیٹھے سوچتے رہے پھر جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئے تھے۔

”اچھا پتر جی۔۔۔ اب شرع میں کیا شرمانا۔۔۔ جالے آ۔۔۔ پان“ التمش کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی

☆.....☆.....☆

لو بھتی۔۔۔ پیارے بڑھنے والا!۔۔۔ اب کوئی مجھ سے نا پوچھے کہ آگے کیا ہوا۔۔۔ میں پہلے بیٹھا پان کھاؤنگا۔۔۔ پھر ہی باقی کہانی آگے بڑھاؤنگا۔۔۔



(غم ہے یا خوشی ہے تو ناول کی نئی قسط اگلے ماہ <http://kitaabghar.com> پر ملاحظہ فرمائیں)

آپ اگر یہ سوچ رہے ہیں کہ بیٹھا پان کھا لینے کے بعد یہ غریب ماسٹر اپنی ہونے والی بہو سے ملنے پہنچ گیا تھا تو آپ غلط ہیں۔ یہ ملاقات اتنی سہل بھی نا تھی کیونکہ اس ملاقات کے بعد مہارانی جودھا بائی کا میرے ساتھ سخت قسم کا جھگڑا متوقع تھا جو مجھے منظور نا تھا سو میں اس ملاقات کو التمش کی ہنکار کے باوجود نا التار ہا جس سے استثنا کر اس نے ایک اور حربہ آزمانے کی سوچی تھی۔

آئیں۔۔۔ اس بار آغاز یہیں سے کرتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

”تم آئے ہو مجھے لینے۔۔۔؟“ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ اسے واپس لینے کے لئے آیا تھا حالانکہ وہ آنے جانے کے لئے اسکی محتاج نہیں تھی، ماسٹر جی نے دو تین بعد ہی اسے ایک رکشہ لگوادیا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھی امی کی درخواست پر التمش اس کو لینے یا چھوڑنے چلا جاتا تھا۔ ایک مہینہ ہو چلا تھا اسے کراچی آئے ہوئے اور اس عرصہ میں التمش کو اسکی موجودگی کی عادت ہو گئی تھی۔ اس کے آجانے سے گھر میں چہل پہل رہنے لگی تھی۔ گھر میں سناٹے کے علاوہ بھی کچھ سنانا دینے لگا تھا۔ پہلے جب وہ گھر میں داخل ہوتا تھا تو امی ٹی وی لگے بیٹھی نظر آتی تھیں لیکن اب وہ دونوں خواتین ایک دوسرے کے ساتھ مسروف نظر آتیں۔ ویسے بھی سونیا بڑی متحرک چاق و چوبند قسم کی لڑکی تھی، کبھی سلائی مشین کی کھٹ کھٹ، کبھی قینچی چاقو کی ٹھک ٹھک۔۔۔ وہ ہمہ وقت کچھ نا کچھ کرتی نظر آتی، التمش اسے فارغ بیٹھا کم ہی دیکھتا تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے اپنے ساتھ ساتھ عطیہ بیگم کو بھی مصروف کر لیا تھا جس کی وجہ سے انہیں اب التمش کو ڈانٹنے ڈپٹنے کا موقع کم ہی ملتا تھا اور شادی جیسے حساس موضوع کا تذکرہ تو بالکل ہی بند ہو گیا ہوا تھا یعنی آجکل راوی چلن ہی چلن لکھ رہا تھا۔ اسی لئے اس کے دل سونیا کے خلاف جو عناد جمع تھا، وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ موسم ذرا خوشگوار ہوا تو وہ بلا وجہ اسے لینے پہنچ گیا تھا۔

سونیا نے اپنا سامان پکھی سیٹ پر رکھا اور پھر آگے کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی

”تم کیسے آگئے مجھے لینے۔۔۔؟“

”گاڑی میں بیٹھ کر آیا ہوں۔۔۔ نظر نہیں آ رہا کیا؟“ عادت کے مطابق جواب دیا گیا۔

”نہیں۔۔۔“ اس نے اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔ التمش نے منہ بنا کر اسے دیکھا

”موسم بھی اچھا ہے۔۔۔ اور میرا موڈ بھی اچھا تھا۔۔۔ ارادہ یہ تھا کہ تمہیں بہترین سی جگہ سے کوئی بہترین سی چیز کھلاتا ہوں۔۔۔ لیکن

تم نے میری شان میں گستاخی کر دی ہے۔۔۔ اس لئے پروگرام کینسل۔۔۔“ سونیا اس کے انداز پر مسکراتی پھر بولی

یہ بھی تو پوچھو کہ مجھے نظریوں نہیں آ رہا۔۔۔ دراصل میں تمہیں دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ میری نگاہ گاڑی پر پڑی ہی نہیں۔۔۔“ اس

نے یہ بات مذاق میں کہی تھی، التمش نے سر ہلایا

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے ویسے۔۔۔ لڑکیاں مجھے دیکھ کر اسی طرح اسپیل باؤنڈ ہو جایا کرتی ہیں۔۔۔ بیچاری۔۔۔" وہ تباختر بھرے احساس میں گھر کر بولا تھا۔ سونیا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"توبہ۔۔۔ اتنا غور۔۔۔؟"

"التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ بچتا ہے مجھ پر۔۔۔" اس نے اپنے لہجے پر زور دیتے ہوئے کہا تھا جیسے اسے یقین دلا دینا چاہتا ہو۔

"یہ بات تو ٹھیک کبھی تم نے۔۔۔ غرور تو واقعی بچتا ہے تم پر۔۔۔" سونیا نے بہت آرام سے اسکی رائے سے اتفاق کر لیا تھا۔

"واہ کزن۔۔۔ بڑے آرام سے مان گئی ہو۔۔۔ توقع سے بہت پہلے ہی ہتھیار ڈال دئے تم نے۔۔۔" التمش نے جتا کر کہا تھا۔

سونیا مزید مسکرائی۔

"اس وقت تو میں تمہاری ہر بات سے اتفاق کرنے کو تیار ہوں۔۔۔ تم کہو کہ رات نہیں صبح ہونے والی ہے۔۔۔ تو میں کہوں گی ہاں

بھائی صبح ہونے والی ہے۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ التمش نے اسکی بات کاٹتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر سونیا نے اسے موقع نہیں دیا تھا

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں یا تمہارے عشق میں مبتلا ہو گئی ہوں۔۔۔ بلکہ

اسکا مطلب یہ ہے کہ میں واقعی اس زبردست سی چیز کو کھانے میں انٹرنل ہوں جس کی آفر تم دینے والے تھے مگر پھر تم نے پروگرام کینسل کر دیا

"التمش اس کے اس طرح کہنے پر مسکرایا۔

"شکر ہے تم نے واضح کر دیا ورنہ میں واقعی کچھ اور سمجھ لیتا۔۔۔"

"قصور تمہارا نہیں ہے۔۔۔ دراصل تمہاری خود پسندی تمہیں سکون سے بیٹھنے ہی نہیں دیتی۔۔۔ تم اپنے آپ کے اس قدر سچے عشق

میں مبتلا ہو کہ مجھے خدشہ ہے وہ وقت نا آجائے۔۔۔ جب لوگ پوچھا کریں گے۔۔۔ عشق؟۔۔۔ تو تم ہاتھ ہوا میں بلند کر کے یہ نا کہنے لگو

۔۔۔ میں یہاں ہوں۔۔۔ یہاں ہوں۔۔۔ یہاں ہوں۔۔۔ یہاں ہوں۔۔۔" جملہ مکمل کر کے وہ لگناتی تھی۔ التمش کو مزید ہنسی آگئی۔ زمین کو بھی ا

س سے یہ شکایت رہتی تھی۔

"التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ مجھ سے عشق بچتا ہے مجھ پر۔۔۔ اور یہ میری خود پسندی نہیں۔۔۔ خود اعتمادی ہے" وہ جتا کر بولا تھا۔

"چلو تم کہتے ہو تو تو مان لیتی ہوں۔۔۔ کر لیتی ہوں تمہاری رائے سے اتفاق۔۔۔ کیونکہ میرا دل چاہ رہا ہے گول گپے کھانے کو

۔۔۔" وہ سعادت مندی سے بولی تھی۔ التمش ہنس دیا۔ اسکا مزاج آج اچھا تھا۔ ایک دوست کے توسط سے ایک جگہ انٹرویو دیا تھا۔ وہاں سے

مثبت جواب ملا تھا اور ایک اچھا پیکیج بھی آفر کیا گیا تھا۔ وہ انہی لوگوں سے مل کر آ رہا تھا۔ اب وقت آگیا تھا کہ زمین کے والدین سے سر

اٹھا کر ملاقات کی جاسکتی۔ اسی لئے سونیا سے بات کرنا چاہتا تھا کہ وہ عطیہ بیگم کو زمین کے معاملے میں رضامند کرنے کی کوشش کرے۔

"گول گپے تو اب آؤٹ ڈیڈ ہو گئے ہیں۔۔۔ چلو کچھ اور کھلاتے ہیں تمہیں۔۔۔" اس نے کہا تھا۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اس دعوتِ شیرازی کوئی خاص وجہ ہے تو پہلے ہی بتادو۔۔۔ بعد میں یہ ناہو کہ ملی مجھے دینا پڑے“ وہ اسے چڑاتے ہوئے بولی۔ بارش کے بعد سڑک پر رش معمول سے بھی زیادہ تھا۔ گاڑی سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی اور ہر چند منٹ بعد کے بعد ہارن کی بے ہنگم آوازیں انکی گفتگو میں غل ڈال دیتی تھیں۔

”ہاں بھئی جانتا ہوں میں کہ تم اپنے اماں باوا کی کماؤ بیٹی ہو۔۔۔ بزنس وومن ہو۔۔۔ لیکن اتنا بڑا وقت مجھ پر بھی نہیں آیا کہ دعوت دے کر مگر جاؤں گا۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ جو سجتا نہیں۔۔۔ وہ یہ بندہ کرتا بھی نہیں۔“ اس نے جتا کر کہا۔

”چلو جہاں اتنی باتوں سے اتفاق کیا ہے تمہاری۔۔۔ اس والی سے بھی کر لیتی ہوں۔۔۔ لیکن اب بتادو کہ اس مہربانی کی وجہ کیا ہے“ سونیا کو جیسے یقین تھا کہ بعد میں اس سب کا محرک کچھ اور ہی نکلے گا۔ التمش چند لمحے یونہی خاموشی سے گاڑی سڑک پر آگے بڑھانے کی کوشش میں مصروف رہا پھر اس نے گردن موڑ کر سونیا کی جانب دیکھا۔ وہ استغماہیہ انداز میں اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

”میرے دوست ملنا چاہتے ہیں تم سے۔۔۔؟“ اس نے بہت سوچنے کے بعد یہ جملہ ادا کیا تھا حالانکہ وہ بڑا لاپرواہا شخص تھا لیکن اسے ایسا لگا کہ سونیا کو یہ بات بری لگ سکتی ہے سو یہ جملہ ادا کرتے ہوئے وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا۔ وہ بھی چند لمحے خاموشی سے اس کے اس فخرے کے معنی کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ تیسرا اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ التمش نے اسکی خاموشی کو سمجھتے ہوئے مزید وضاحت کی۔

”ہمارا بہت بڑا گروپ ہے۔۔۔ نمبرہ۔۔۔ رباب۔۔۔ اعتشام۔۔۔ براق۔۔۔ سب بہت اچھے ہیں۔۔۔“ اس نے لڑکیوں کے نام پہلے لئے تھے۔ سونیا نے پُرسوج انداز میں سر ہلایا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی

”مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔۔۔؟“

”کیونکہ تمہارا ذکر کیا ہے میں نے ان سے۔۔۔ میں ان سب کو ملوانا چاہتا ہوں تم سے۔۔۔؟“ اس نے کہا تھا حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ یہ ذکر اس سے زیادہ زرمین نے کیا تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر پوچھنے لگی

”ان سب میں وہ کون ہے۔۔۔ جسے تم بالخصوص مجھ سے ملوانا چاہتے ہو۔۔۔؟“ التمش کو اسی سوال کی توقع تھی۔

”زرمین۔۔۔“ اس نے بتادیا تھا۔ سونیا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا

”اوکے۔۔۔ ڈن۔۔۔ مل لیتے ہیں۔۔۔ کیا یاد کرو گے تم بھی کزن۔۔۔“ وہ شاہانہ انداز میں بولی۔ التمش نے طمانیت بھری سانس لی تھی۔ عجیب بات تھی کہ وہ اس چارٹ دس انچ کی لڑکی کو ذرا اہمیت نادیتا تھا لیکن اسکی کی حمایت کے ایک اقرار نے ہی اسے پرسکون کر دیا تھا۔ اسے ایسے لگنے لگا تھا کہ اب یہ ناممکن کام ممکن ہو جائیگا۔

”چلو اب کھلا دو وہ توپ چیز۔۔۔ جو گول گپوں جیسی آؤٹ ڈیٹڈ ناہو۔۔۔ بلکہ کسی سپر ماڈل جیسی ماڈرن اور ٹریڈی ہو“ وہ بولی تھی

التمش نے کھل کر مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں بیٹھے کولڈ ڈرنک کے ساتھ چیزیں ڈوبی ہوئی چکن اسٹریپس اور فرنیچ فرائز کھا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

”مُمی! میں اتمش کو اس ویک اینڈ پر بلا لوں۔۔۔؟“ زرین نے ماں کے چہرے کی طرف دیکھ کر سوال کیا تھا حالانکہ اسے لگ رہا تھا کہ انکا مزاج کچھ اچھا نہیں ہے لیکن پھر بھی سوال کر بیٹھی۔ یونیورسٹی کے ختم ہوتے ہی اس کے معمولات بدل گئے تھے۔ گھر میں زیادہ وقت گزارنے کی وجہ سے اب اسکی شادی موضوع بھی زیادہ دیر بحث رہنے لگا تھا۔ خاندان میں کسی ناکسی لڑکی کی کسی دوسرے امیر خاندان میں نسبت کی باتیں بھی اکثر اسکی سماعتوں میں پڑنے لگی تھیں جن سے وہ غار کھاتی تھی۔ وہ ابھی سو کر اٹھی تھی اور کھانے کی میز پر بیٹھی اپنے ناشتے کا انتظار کر رہی تھی۔ تھمینہ بیگم کہیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور اس کے ڈائننگ روم میں داخل ہونے کے چند لمحوں بعد ہی گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ رات کہیں بارش برسی تھی اس لئے اب دن میں جس بڑھ سا گھیا تھا۔ لائٹ نہیں تھی، جنریٹر سے گھر کی بجلی تو بحال تھی لیکن اس کا شور بھی تھمینہ بیگم کو ناگوار گزار رہا تھا۔ وہ کافی غصے میں تھیں، زرین کے سوال نے انہیں مزید بھڑکا دیا

”آئے ہائے۔۔۔ اس اتمش کے علاوہ بھی ہے کچھ تمہاری زندگی میں ماں کو بتانے پوچھنے والا۔۔۔ جب دیکھو۔۔۔ اسی کنکال کی باتیں کرتی رہتی ہو“ وہ جل کر بولیں تھیں۔ زرین کا چہرہ غصے کے مارے سرخ سا ہوا۔ تھمینہ بیگم نے بالکل پرواہ نہ کی۔ انکا اپنا مزاج بے حد خراب تھا۔ درزی نے ان کے سارے کپڑے ایک بار پھر خراب کر دیے تھے اور اسکا غم انہیں کھاتے چلا جا رہا تھا

”وہ کنکال نہیں ہے۔۔۔ اچھی خاصی کھاتی پیتی فیملی کا لڑکا ہے“ وہ منہ کا زانو یہ بگاڑ کر بولی تھی۔ تھمینہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا

”زرین اس وقت میرے منہ نا لگ۔۔۔ کھاتی پیتی فیملی کے لڑکے انگوٹھی کے نام پر چھلکے نہیں دیتے لڑکی کو۔۔۔ ان کے یہاں تو شگنوں والی چیزیں لاکھوں کی مالیت کی ہوتی ہیں۔۔۔ ہم نے تو جیسے دیکھی ہی نہیں کوئی کھاتی پیتی فیملی۔۔۔ اونہہ۔۔۔“ وہ ناراضی کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے بولیں اور ساتھ ہی ملازمہ کو آواز لگاتی تھی

”شگنوں والی انگوٹھی نہیں ہے یہ۔۔۔ اس نے ایویں دے دی تھی مجھے۔۔۔ میری سالگرہ کا تحفہ۔۔۔“ زرین نے چڑ کر وہ ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا جس کی ایک انگلی میں وہ انگوٹھی موجود تھی۔

”رہن دے نی رہن دے۔۔۔ شگنوں والی انگوٹھی تو جیسے لاکھوں کی آبا بنگی۔۔۔ بھوکے ننگے لوگ لگ رہے ہیں مجھے۔۔۔ پانچ ہزار کا نوٹ ہاتھ پر رکھ کر بات ناپکی کر گئے تب کہنا مجھے۔۔۔“ بیٹی کی دلیل سے وہ ذرا متاثر نا ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسے بولنے کا موقع دے بنا چکن کی جانب منہ کر کے پکارا تھا

”نڈیراں۔۔۔ اور نڈیراں۔۔۔ جلدی سے میرے لئے لیموں نیڈ (لیمن ایڈ) بنا کر لا۔۔۔ تو بہ آج تو گرمی نے حشر کر دیا ہے

”انہوں نے بیٹی کے چہرے کے تاثرات کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا جو سرخ ہو چلا تھا

”وہ میرے لئے ناشتہ بنا رہی ہے۔۔۔“ زرین نے تنگ کر کہا

”نذیراں پہلے مجھے پانی دے۔۔۔ پھر اُبال لینا اس کے لئے آئندے۔۔۔“ انہیں بیٹی کی اس ادا پر بھی سخت غصہ آیا۔ وہ اس لڑکے کے خلاف ایک لفظ سننے کو تیار نہ تھی۔

”میں کب سے ناشتہ کا انتظار کر رہی ہوں۔۔۔ اتنی بھوک لگ رہی ہے مجھے۔۔۔ اور آپ نے نذیراں کو اپنے کاموں پر لگا دیا ہے۔۔۔ پانچ منٹ انتظار نہیں ہوتا آپ سے“ وہ پہلے سے زیادہ ناراض لہجے میں بولی تھی۔ تھینہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا

”شرم تو نہیں آتی ماں کو ایسے کہتے ہوئے۔۔۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک ٹھنڈا گلاس لیموں نیڈ بنا کر لا دو۔۔۔ اتنی سخت گرمی ہے باہر“

”لیموں نیڈ نہیں۔۔۔ لیمن ایڈ۔۔۔“ زرین نے جل کر تصحیح کی تھی

”ہاں ہاں پتا ہے۔۔۔ اور یہ بھی بتا دو کہ بس نام ہی لینا آتا ہے۔۔۔ یا بنا بھی سکتی ہو۔۔۔ باتیں بنانے سے آگے نہ بڑھیں گی بھی ہے بی بی تمہاری۔۔۔ اتنی توفیق تو ہوئی نہیں کہ اٹھ کر ایک گلاس پانی خود پی لو۔۔۔ انڈا تک تو اُبال نہیں سکتی میڈم۔۔۔ اور باتیں سنو تو مہارانیوں والی۔۔۔“ وہ کافی غصے میں تھیں۔ زرین نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ایسے طعنے وہ اکثر ہی دینے لگی تھیں اب

”مُمی۔۔۔ دس از لُٹج۔۔۔ آپ خود بھی تو کوئی کام نہیں کرتیں۔۔۔ اے سی والی گاڑی میں آئی ہیں آپ۔۔۔ اور ری ایکٹ ایسے کر رہی ہیں جیسے سائیکل چلا کر آئی ہیں۔۔۔“ اس نے جتا کر کہا تھا

”اوہ بی بی۔۔۔ میں اگر کام نہیں کرتی تو اس کی وجہ ہے کہ میرا میاں شہر کا سیٹھ ہے۔۔۔ مجھے ملکہ کی طرح رکھنے کی پسلی ہے اس کی۔۔۔ جبکہ تم نے چُنا ہے اپنے لئے تیس ہزار کمانے والا۔۔۔ خالی سوکھا میرو۔۔۔ جس کی بس شکل ہی دیکھنے والی ہے۔۔۔ اس لئے جتنی جلدی یہ آئندے ٹانڈے ابا لئے سیکھ لو۔۔۔ اتنا اچھا ہے تمہارے لئے۔۔۔ ورنہ ماس نے اگلے دن گت (چٹیا) پکڑ کر یہاں میرے گھر چھوڑا جانا ہے تمہیں۔۔۔“ وہ نخوت بھرے انداز میں بولی تھیں۔ زرین کی آنکھیں ان کے انداز پر بھر آئیں۔ جس دن سے اتمش نے اسکو وہ انگوٹھی دی تھی۔ مُمی کے مزاج بدل سے گئے تھے حالانکہ وہ اکثر انہیں اسکی تصویریں اپنے موبائل میں دکھاتی رہتی تھی۔ وہ اسکے قد کاٹھ اور کپڑوں کی تعریف بھی کرتی رہتی تھیں لیکن بس وہ ایک انگوٹھی جس نے زرین کو خوشی سے نہال کیا تھا اسکی مُمی کو دکھ سے بے حال کر گئی تھی۔

”میں خاندان والوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔۔۔“ یہ ایک جملہ وہ بکثرت ادا کرنے لگی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ زرین کی آن کے ساتھ ان بن روز کا معمول بنتی جا رہی تھی۔ اس کے آسٹریلیا والے رشتہ دار بھی واپس جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اسی لئے خواہش کے باوجود وہ اتمش کو گھر مدعو کرنے سے استرا ز برت رہی تھی۔ اتمش کو تو وہ یہ باور کروا چکی تھی کہ اس کے والدین اس رشتے پر سو فیصد راضی ہیں جبکہ صورتحال اس کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ وہ اس بات کا تذکرہ ہوا اتمش کے سامنے بھی

نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اس سے اسکی انا کو ٹھیس پہنچنے کا خطرہ تھا۔ اسکا مزاج بھی بگڑتے دیر نالگتی تھی۔

”ڈس گسٹنگ۔۔۔ ٹوٹلی ڈسگسٹنگ می۔۔۔“ زرین کرسی گھسیٹ کر اٹھی اور سخت ناراضی کے عالم میں اپنے کمرے کی جانب چل

دی تھی۔

”ہدا مر۔۔۔ دفع ہو۔۔۔“ انہوں نے بھی جل کر جواب دیا تھا۔ باہر والوں کی موجودگی میں وہ بڑی مہذب سی خاتون بن جایا

کرتی تھیں لیکن غصے کے عالم میں انکا پنجابی بیٹھانیوں والا جاہ و جلال عود کر آتا تھا۔

”یہ سیکھا ہے پڑھ لکھ کر کہ ماں کو انگریزی میں گالیاں کیسے دینی ہیں۔۔۔ بے شرم اولاد۔۔۔ ایک دو لٹکے کے ہیرو کے لئے باولی

ہوئی جارہی ہے۔۔۔“ انہوں نے غرآنے والے انداز میں خود گلای کی تھی اور پھر پہلو میں پڑا بڑا سا شاپہ دیکھ کر انکا دل مزید جل گیا تھا

”کجمنت۔۔۔ سارے کپڑے خراب کر دئے۔۔۔ کہا بھی تھا کہ ٹھیک سے من (پیرائش کرلو)۔۔۔ مگر ناجی تب اپنی ٹیپ گردن میں

ہی لٹکائے رکھا۔۔۔ اب کہتا ہے آپ نے سائری ٹھیک نہیں دیا تھا۔۔۔ کمینہ“ انہیں بڑا دکھ تھا اپنے کپڑوں کے خراب ہو جانے کا۔۔۔ ایک

عرصے سے ایک ہی جگہ سے کپڑے سلواتی آئی تھیں۔ پہلے انہیں شکایتیں ناوہتی تھیں لیکن اب چونکہ بدن اتنا فریہ ہو چکا تھا کہ نئے ڈیزائن اور

فیشن کے کپڑے ان پر چمکتے تھے جس کا الزام اور غصہ وہ درزی کے شاگردوں کے سر منڈھ دینا چاہتی تھیں۔

”ہائے و چاری بچی کا دل بھی توڑ کر رکھ دیا۔۔۔ بس کیا کروں۔۔۔ بلڈ ہائی ہو جاتا ہے پیسے کی ناقدری دیکھ کر۔۔۔ کینے نے اتنے

مہنگے کپڑے خراب کر دئے میرے۔۔۔ اور اس زرین کو کیسے سمجھاؤں کہ یہ کنگلے لڑکے بس شوکیں میں سجانے کے قابل ہوتے ہیں

۔۔۔ ضرورت پڑنے پر جیب سے آئینہ نکلتا ان کی“ وہ کپڑوں کی وجہ سے بھی خفا تھیں اور بیٹی کو ناراض کر کے بھی پچھتا رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”میرا خیال تھا تمہیں سن کر کافی خوشی ہوگی۔۔۔“ التمش نے اس کے سر دیکھے ہوئے انداز کو بطور خاص محسوس کیا تھا۔ وہ اسے جاب

ملنے کی نوید دے رہا تھا جبکہ اس نے جواب میں گرجوٹی کا کوئی مظاہرہ تک نہ کیا تھا۔

”خوشی تو ہوئی ہے۔۔۔ اب کیا بھنگوڑا ڈالنے لگوں۔۔۔ تین بارہ بھنگوڑا تو چکی ہوں کہ خوشی کی خبر ہے۔۔۔ مبارک ہو تمہیں۔۔۔“ وہ استمنا کر

بولی۔ ماں کے دئے گئے طعنے ابھی تک سماعتوں کو زہر کر رہے تھے۔ اس کے لہجے میں چھپی تلخی کو محسوس کر کے التمش نے حیرانی سے فون

کی جانب دیکھا۔ اتنے دن ہوئے تھے ان دونوں کی بات فون پر ہی ہوتی تھی۔ یہ گزشتہ چار سالوں میں شاید پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اتنے دن

سے ملے نہیں تھے۔ التمش نے اسی کے اصرار پر نوکری مل جانے کی خوشی میں دوستوں کی ایک گیٹ ٹو گنڈر کا پلان بنایا تھا جس کا در پردہ

حرک تو سونیا کو احتشام سے ملوانا تھا لیکن حقیقت یہ بھی تھی کہ وہ سب دوستوں سے ملنا چاہتا تھا۔ اسکا خیال تھا کہ زرین سن کر خوش ہو جائیگی لیکن

وہ تو مزید چڑچڑی ہو کر دکھاری تھی۔ التمش کو نہایت برا لگا

”تم کچھ زیادہ ہی غمرے نہیں کرنے لگی آجکل۔۔۔ جب دیکھو تمہارا موڈ ہی خراب رہتا ہے۔۔۔ نہیں بات کرنی تو بتا دیا کرو۔۔۔ خوا مخواہ دماغ کیوں خراب کرتی ہو“ وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا اور کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ اسکا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے ایک نظر دیکھا، زمین کا ہی نمبر تھا۔ اس نے جان بوجھ کر پیپ مدھم کر دی تھی اور پھر فون اسی جگہ رکھ کر خود کمرے سے باہر نکل آیا۔ شام ہو رہی تھی۔ فضاء میں گھونسلوں کی طرف واپس آتے خوراک سے لدے پھدے پردوں کا پُرئم چہچہانا واضح طور پر سنا جاسکتا تھا۔ وہ ویں کھڑا نیچے سونے آنگن کو نکلتا رہا حالانکہ ابھی روشنی کے بقیہ جات موجود تھے مگر ان کے آنگن کی روشنی جل چکی تھی۔ یہ اسکی امی کا معمول تھا۔ مغرب کی اذان سے ذرا پہلے آنگن کا بلب چلا دیا جاتا تھا۔ اب چاہے بجلی آئے یا نا آئے۔۔۔ اس بلب کا بٹن اپنے مقام سے ہلنا ضروری تھا دوسری ضروری چیز وہ کیماریاں تھیں جن میں جانے کون کون سے پودے لگا رکھے تھے لیکن ان پر رنگ رنگ کے پھول کھلتے رہتے تھے اور جن کی خوشبو سے یہ جگہ مہکتی رہتی تھی۔ اسکی امی اتنی نچی منی کیماریوں کے لئے بھی ایک پیشہ ور مالی سے مشاورت کر کے کھاد اور بیج منگواتی رہتی تھیں کہ یہ انکا شوق تھا۔ ماسٹر جی اور الٹمش کو ان سب چیزوں میں دلچسپی نہیں تھی لیکن امی کے ان مشغلوں سے ان کا چھوٹا سا گھر بہت خوبصورت لگتا تھا۔ میزھوں سے ذرا اوپر اندر کی جانب لوہے کی گرل کو تھا وہ یہی سب دیکھتا رہا لیکن دھیان پھر بھی زمین کی جانب سے ہٹ ناسکا اور اسی لئے جھنجھلاہٹ بھی عروج پر پہنچنے لگی تھی۔ وہ کھٹ کھٹ کر کے نیچے اتر آیا۔ امی کے کمرے میں ٹی وی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ سیدھا وہیں چلا گیا تھا۔ سونیا بھی انہی کے کمرے میں بیٹھی سوئی دھاگہ ہاتھ میں لئے جانے کیا بنا رہی تھی۔ وہ امی کے بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ انہوں نے تو کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ ٹی وی پر کوئی مذہبی مسئلہ سننے میں مگن تھیں لیکن سونیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا

”کیا ہوا۔۔۔ گھڑی چھ کا اور تمہارا چہرہ بارہ کا وقت بتا رہا ہے۔۔۔ یہ تو کھلا تضاد نہیں ہو گیا“ وہ بے تکلفی سے بولی تھی۔ الٹمش نے ناک چڑھائی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، وہ مزید بولی

”اوہ ہاں لں۔۔۔ الٹمش کہتے ہیں تمہیں۔۔۔ سچا ہے تم پر۔۔۔“ وہ چڑا رہی تھی اسے۔۔۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اسے برا لگتا لیکن ابھی چونکہ زمین نے خفا کر دیا تھا تو ہر چیز ہی بڑی لگ رہی تھی۔

”تم سے مطلب۔۔۔ اپنے کام سے کام رکھا کرو۔۔۔ ہر وقت مجھے ہی نادیکھتی رہا کرو۔۔۔“ وہ چڑچڑے سے انداز میں بولا تھا۔ سونیا نے برا نہیں منایا تھا

”کیا بات ہے۔۔۔ زمین سے لڑائی ہوئی ہے؟“ وہ چونکہ اسے زمین کے متعلق بتا چکا تھا سو وہ شوخی سے اس کے اترے چہرے کو دیکھ کر خود ہی اندازہ لگا رہی تھی۔

”ٹٹ اپ۔۔۔ الٹمش نے اسے گھورا تھا اور ساتھ ہی اپنی امی کی جانب دیکھا تھا کہ کہیں وہ تو انہی کی جانب متوجہ نہیں۔ انکا سارا

دھیان ٹی وی کی طرف تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر ہڈا انکا موبائل اٹھا لیا اور بلا وجہ اس کے ساتھ چھپر چھاڑ کر تارہا۔ اسکرین سیور تبدیل کر دیا۔۔۔ بلا وجہ انہی کی دو تین تصویریں کھینچ لیں پھر انہیں ایڈٹ کر کے ان پر پھول بوٹے لٹا جاتا رہا جب اس کام سے بھی دل بھر گیا تو موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر دوبارہ سے امی کی جانب دیکھنے لگا

”امی۔۔۔ آج ہم کچھ کھائیں گے یا ان مسئلے مسائل سے ہی پیٹ بھریں گے؟“ اس نے استہا کر کہا تھا۔ وہ آنکھوں پر نکلے چشمے کے عقب سے اسے دیکھتے ہوئے اس سے زیادہ چڑکھی تھیں

”پہلے مسئلے مسائل سے پیٹ بھرتی آئی ہوں تمہارا۔۔۔ پہلے کھانا نہیں ملتا کیا تمہیں۔۔۔“ وہ تنگ کر پوچھ رہی تھیں

”پہلے کب۔۔۔؟ میرے پیدا ہونے سے پہلے۔۔۔؟“ وہ ان کے انداز پر ذرا سا نرم پڑا تھا لیکن جملہ منہ سے طنزیہ ہی آتا تھا۔ انہوں نے تنبیہ کرنے والے انداز میں گھور کر اسے دیکھا تھا۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے انہیں ڈسٹرب کیا جانا ذرا بھی پسند نہیں تھا۔

”بکومت۔۔۔ چُپ کر کے یہ دیکھنے دو مجھے۔۔۔ بیچاری غریب لڑکی کا شوہر اسے طلاق دے چکا ہے اور اب اپنے گھر سے بھی نہیں جانے دے رہا۔۔۔ مفتی صاحب تفصیل بتا رہے ہیں اور تم نے درمیان میں اپنا ڈرامہ شروع کر لیا ہے“ وہ سخت خفا ہوئی تھیں۔ اتمش چند لمحے اسی طرح انکی جانب دیکھتا رہا پھر وہ ناراضی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ جسے دیکھو اسکا مزاج سوائیزے پر ہے۔۔۔ ٹھیک ہے میں بھی بات نہیں کرونگا اب کسی سے۔۔۔ نہیں تو نا سہی۔۔۔ اونہہ۔۔۔ سب ہی کمیٹ و نسلیٹ بنی ہوئی ہیں یہاں۔۔۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

”ممائی میں روٹی بنا دوں اسے۔۔۔؟“ سونیا نے دھاگے کو منہ سے توڑتے ہوئے انکی جانب دیکھ کر پوچھا تھا۔ وہ ٹی وی پر دو گرام میں اتنی منہمک تھیں کہ انہوں نے کوئی جواب دینا بھی مناسب نا سمجھا تھا۔

”جی نہیں۔۔۔ شکریہ۔۔۔ میں انسان بڑا لگتا ہوں کیا۔۔۔ جو آپ روٹی بنائیں گی مجھے۔۔۔“ اتمش نے اسکا جملہ سن لیا تھا، اسی لئے باہر سے چلا کر بولا۔

”فضول۔۔۔ دو سو سال پرنا لطیفہ۔۔۔“ سونیا نے دونوں ماں پیٹے کے تاثرات دیکھے تو کندھے اچکاتے ہوئے بولی اور اطمینان سے دوبارہ سے سوئی میں دھاگہ ڈالنے لگ گئی تھی۔

”روٹی کی تاریخ بھی تو دو سو سال پرانی ہی ہے۔۔۔ سنا ہے تمہارے آباء چنگیز خان اور بلاکو خان کی بیگمات گول گول روٹیاں بنانے میں بڑی مہارت رکھتی تھیں“ اتمش دھپ دھپ کر کے دوبارہ میڑھیاں چڑھتے ہوئے مزید چلا کر بولا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اسکی سوزوکی ایک دوست لے کر گیا ہوا تھا ورنہ اب تک گھر سے باہر جا چکا ہوتا۔ کمرے میں داخل ہونے سے بھی پہلے موبائل اسکرین کی جستی بجھتی روشنی اسے باور کروا گئی تھی کہ کالز مسلسل وصول ہو رہی ہیں۔ بیڈ پر اطمینان سے لیٹ کر اس نے پہلے کال کے بند ہونے کا انتظار کیا تھا۔

”بچپن مسڈ کالز۔۔۔“ اس نے اسکرین کی جانب دیکھتے ہوئے بڑبڑا کر کہا تھا۔ یہ سب زمین کی کالز تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ چمکی تھی۔ اسی دوران کال پھر آنے لگی تھی۔ اس نے فون کانوں سے لگا لیا

”بڑی پھنے خان بن رہی تھی۔۔۔“ التمش پر عرب جمار ہی تھی۔۔۔ اب آیا مزہ۔۔۔ چند لمحے برداشت نہیں کر سکتی میری خُگی۔۔۔ جو کبھی ایک گھنڈہ خفا ہو گیا تو کیا کرو گی۔۔۔“ مسکراہٹ ہونٹوں تلے دبائے وہ جتانے والے انداز میں کہہ تھا

”مروں گی تو نہیں۔۔۔ ہاں کسی کو ماضی ورد دو گی“ وہ اسی کے انداز میں بولی تھی۔ اس کے انداز میں جولا چاری تھی اس لمحے التمش کی انا کو بہت بھائی تھی۔ ایک لمحے میں دونوں کی ناراضی ختم ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”بہت اچھی لگ رہی ہو۔۔۔ ماشاء اللہ“ عطیہ بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے بھرپور طریقے سے سراہا تھا۔ سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے کینوں سے بھرے گھیرے دار فراک میں کابل مکارا اور لپ اسٹک غازہ والے سارے لوازمات کے ساتھ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اسی دوران التمش کمرے میں داخل ہوا۔ اسے سر سے اوپر تک دیکھا پھر ماں کی موجودگی کی پرواہ کئے بنا سیٹی بجا کر اسے سراہا تھا۔ عطیہ بیگم نہیں جانتی تھیں کہ وہ دونوں آپس میں معاملات کس طرح حل کر چکے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ویسا کوئی معاملہ نہیں ہے جیسا وہ سب بڑے سوچ رہے ہیں، اس لئے التمش کے چہرے پر سونیا کے لئے در آنے والی پسندیدگی کی جھلک انہیں بڑی امید افزا لگی۔

”ہیل والے سینڈل پہن لینا چارٹ دس فٹ۔۔۔ ورنہ تمہیں دیکھ کر میرے دوست سمجھیں گے ان کے خاندان کا تعلق تھمبلیا (سے ہے۔۔۔ تھمبلیا کا تو پتا ہے نا۔۔۔ وہ ننھی مٹی سی شہزادی جو گلاب کے پھول میں رہتی تھی اور سبز پتوں کو اڑن کھٹولا سمجھ کر ان پر سفر کرتی تھی۔“ وہ لاپرواہ سے انداز میں اسے چڑا رہا تھا۔ وہ خود ڈزسوٹ میں ملبوس تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ پر ٹائی لگائے، کوٹ کو بازو پر سلیقے سے لٹکائے وہ خود واقعی کسی شاہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

”تھی تو شہزادی نا۔۔۔ شہ۔۔۔ زادی۔۔۔“ سونیا نے ناک چدھا کر کہا تھا۔

”ٹھگنی شہزادی۔۔۔“ التمش نے مزید چڑایا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر اپنے سینڈل کے اسٹریپس باندھنے لگی تھی۔ عطیہ بیگم نے اس کے کندھے پر ہاتھ جڑا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے گھر کا تھا لیکن اس نے ذرا پرواہ نا کی تھی۔

”اچھا اب آج ہی چلو گی۔۔۔ یاد دو تین دن بعد آؤں تمہیں پک کرنے۔۔۔“ وہ دروازے کے اوپر لگے چابیوں کے ہولڈر سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سونیا نے آئینے میں خود کو دیکھا پھر اپنا کلچ اٹھا کر بیڈ پر املفوف ڈبہ اٹھا لیا

”یہ کیا ہے۔۔۔؟“ التمش نے اس پائل کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا

”یہ زرد۔۔۔ میرا مطلب تمہارے دوستوں کے لئے کچھ گفٹس ہیں“ ممانی جان کی موجودگی کا خیال کر کے اس نے زمین کا نام لینے

کارادہ ترک کر دیا تھا۔ اتمش مزید سوال کرنا چاہتا تھا لیکن پھر ماں کی موجودگی کی وجہ سے وہ بھی چُپ ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”یہاں تو خیر ہی خیر ہے مہناز۔۔۔ تمہیں کیا بات بتاؤں دونوں بچے کتنے کھل مل گئے ہیں آپس میں۔۔۔ میں تو ہر وقت نظر اتارتی رہتی ہوں۔۔۔“ عطیہ بیگم نے خوشی خوشی بتایا تھا۔ وہ ہر دو تین دن بعد مہناز بیگم کو پوری تفصیل سے آگاہ کرتی تھیں۔ واقعی۔۔۔؟ کیا اچھے طریقے سے بات و ات کرنے لگے ہیں ایک دوسرے سے۔۔۔؟“ وہ پوچھ رہی تھیں۔ عطیہ بیگم نے اس سوال پر ہنستے ہوئے موبائل کی اسکرین پر نظر آنے والے ان کے چہرے کو دیکھا

”بات و ات۔۔۔ ارے بات و ات سے بھی آگے کی بات کرو۔۔۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں۔۔۔ دوستی ہو گئی ہے خوب۔۔۔ ابھی بھی اتمش اسکو لے کر گیا ہوا ہے۔۔۔ دوستوں کی پارٹی رکھی ہے کوئی۔۔۔ سب سے ملوائے گا سونیا کو۔۔۔ ورنہ تو تم جانتی ہی شکل نہیں دیکھتے تھے ایک دوسرے کی۔۔۔“ وہ تین بھرے لہجے میں جتا رہی تھیں پھر انہیں یاد آیا کہ انہوں نے مہناز بیگم کو یہ بات پہلے کبھی نہیں بتائی تھی اس لئے فوراً بات بنا کر بولیں

”میرا مطلب تھا کہ پہلے اتنی دوستی نہیں تھا آپس میں۔۔۔ انیت اور لگاؤ آہستہ آہستہ ہی پیدا ہوتا ہے نا۔۔۔ اچھا ہوا ان دونوں کو ایک ساتھ رہنے کا موقع مل گیا۔۔۔ انڈر اسٹنڈنگ ہو گئی ہے دونوں میں ماشاء اللہ“

مہناز بیگم کی آواز بھی بدلتی تھی کیونکہ وہ بھی جانتی تو تھیں کہ انکی بیٹی اس رشتے پر راضی نہیں تھی۔

”تم تو حیران کر رہی ہو مجھے۔۔۔“ وہ ابھی بھی تذبذب کے عالم میں تھیں لیکن دل سے جیسے بوجھ اترتا جا رہا تھا

”حیران ہونا چھوڑو اور شادی کی تیاریاں شروع کرو مہناز۔۔۔ سب کچھ ویسا ہی ہو رہا ہے جیسا ہم سب نے مل کر سوچا تھا۔۔۔ میرے دل سے تو دعائیں نکلتی ہیں اس لمحے کے لئے جس لمحے میزبان نے تمہیں اپنے پاس بلانے کے لئے سوچا تھا۔۔۔ بس وہی لمحہ بابرکت ثابت ہوا ہمارے لئے تو۔۔۔ تم جب آؤ گی تو دیکھنا خود نظر اتارا کرو گی دونوں کی“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔۔۔“ مہناز بیگم کو دلی خوشی ہوئی۔

”میری بات کرو او سونیا سے۔۔۔؟“ انہوں نے کہا تھا۔

”ارے بتایا تو ہے۔۔۔ کہ دونوں باہر گئے ہیں۔۔۔ دراصل اتمش بھی نوکری مل جانے کی وجہ سے بڑا خوش ہے آجکل ماشاء اللہ مطمئن ہے۔۔۔ اسی خوشی میں باہر لے کر گیا ہے اسے۔۔۔ بتا کر گیا تھا کہ ذرا لیٹ ہو جائیں گے۔۔۔“ عطیہ بیگم کا دل چاہ رہا تھا کہ ذرا ذرا سی تفصیل بھی سہیلی کو بتا دالیں۔۔۔ مہناز بیگم نے بھی خیر مقدمی انداز میں اس خبر کو سنا تھا۔

”ایک ساتھ اتنی اچھی خبریں۔۔۔ شکرانے کے نوافل واجب ہو گئے ہم دونوں پر عطیہ۔۔۔“

”میں تو پہلے ہی ادا کر چکی۔۔۔ اب تم بھی نوافل ادا کرو اور دونوں بچوں کی خوشیوں کی دعائیں مانگو۔۔۔ ماشاء اللہ بہت قسمت والی بچی ہے ہماری سونیا۔۔۔ جس دن سے میں نے التمش کے ساتھ اسکا نام جوڑنے کی بات کی ہے۔۔۔ اس دن سے کچھ نا کچھ اچھائی ہو رہا ہے میرے بیٹے کے ساتھ۔۔۔ ہر اٹنی چیز سیدھی ہو گئی ہے اسکی زندگی میں۔۔۔ ایگرام بھی خیریت سے ہو گئے۔۔۔ اب نوکری بھی مل گئی۔۔۔ انشاء اللہ آئندہ دنوں میں بھی سب کچھ اچھائی ہوتا رہے گا۔۔۔“ وہ کچھ زیادہ ہی پرجوش ہو رہی تھیں اسی لئے دونوں بچوں کے جاتے ہی وقت کی پرواہ کئے بنا کینڈا کال ملائی تھی انہوں نے

۔ مہنا ز بیگم موبائل فون پر انکے چہرے پر پھیلا سکون دیکھ کر دیکھ مطمئن ہوئی جا رہی تھیں۔ دونوں خواتین کے گمان میں بھی نا تھا کہ ان کے بچے ان کے کھینچے ہوئے سیدھے سادے نوے کے زاویے سے بالکل مخالف سمت میں چلنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

☆.....☆.....☆

”یہ میرے لئے ہے۔۔۔“ زرین نے مصنوعی حیرت چہرے پر سجا کر اس بیگم کی جانب دیکھا تھا جو اسے سونیا نے اسے پکوانا چاہا تھا۔ زرین کے انداز میں عجب سی نزاکت خود بخود آ گئی تھی۔ وہ سونیا کو دیکھ کر ذرا محاطی ہو گئی تھی۔ التمش نے ہمیشہ ہی اسکا ذکر اس انداز میں کیا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی یہ توقع نہیں کر رہا تھا کہ ان کا سامنا ایک نارمل سے قد کی مگر بہت خوبصورت لڑکی سے ہونے والا ہے۔ زرین کا اور اسکا تعلق تھا اس حساب سے زرین کو زیادہ ہی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ چھوٹے شہر کی چھوٹے قد والی عام سے نقوش والی سادہ سی آؤٹ ڈیلڈی ”سونیا“ اسے دیکھ کر ہی چاروں شانے حبت ہو جائیگی لیکن یہاں معاملہ کچھ الٹا ہو گیا تھا۔ ٹی بیڈی سے فراک میں ڈوپٹے کی قید سے آزاد بہترین میک اپ والی سونیا نے اسے حیران کر دیا تھا اور مستقبل میں مقابلہ مزید سے مزید سخت ہونے کا امکان صاف نظر آنے لگا تھا۔ سونیا کا لباس، میک اپ کرنے کا ہنر اور پھر گفتگو کا پراعتما انداز چند لمحوں میں ہی وہاں بیٹھے سب لوگوں کو اسکا گردیدہ بنانے لگا تھا۔ ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ان سے پہلی بار ملی ہے۔ زرین کو جلن تو نہیں ہو رہی تھی لیکن اسے یہ سب اچھا بھی نا لگ رہا تھا۔ اسی لئے اس کے انداز پر مصنوعی پن غالب آنے لگا تھا اگرچہ وہ سب ہی پارٹی کی مناسبت سے بہت مناسب طریقے سے ڈریس اپ ہو کر آئی تھیں اور سب ہی بہت پیاری لگ رہی تھیں لیکن زرین اور سونیا کا آپس میں ایک عجیب سا تعلق خود بخود پیدا ہو گیا تھا جو ماحول پر اپنا اثر چھوڑ رہا تھا سونیا سے گفت لے کر وہ ایک سمت میں رکھنا چاہتی ہی تھی کہ اشتیاق بول اٹھا

”ہم بھی تو التمش کے دوست ہیں۔۔۔ ہمارے لئے گفتگو کیوں نہیں لائیں آپ۔۔۔؟“ اسکا جملہ ابھی پورا بھی نا ہوا تھا کہ نمیرہ اور براق نے سیٹی سی بجا کر ذومعنی انداز میں اسے دیکھا۔ سونیا نے مڑ کر انکی جانب دیکھا پھر اسے محسوس ہوا کہ التمش نے ان لوگوں کو کچھ کہا ہے یا آنکھوں ہی آنکھوں میں ٹوک دیا ہے۔ اسے صورتحال کی ٹھیک طریقے سے سمجھنا آ سکی تھی لیکن اسے محسوس ضرور ہوا تھا

”دراصل۔۔۔“ اس نے وضاحت دینی چاہی پھر نا سمجھی کے عالم میں کندھے اچکا دئے۔ حقیقت یہ تھی کہ زرین کے علاوہ کسی کا

خیال بھی اس کے ذہن میں نہ تھا۔

”پلیس اگلی بار لے آئیے گا۔۔۔ اب تو ملاقات ہوتی ہی رہے گی۔۔۔“ یہ جملہ اعتشام نے کہا تھا اور اب کی بار پھر سونیا نے ذومعنی مسکراہٹ کو وہاں موجود سب لوگوں کے چہرے پر چمکتے دکھا تھا

”اچھا چلو زرین دکھاؤ تو سہی یہ ہے کیا۔۔۔؟“ نمیرہ نے کہا تھا۔ اس کے کہنے پر زرین نے ناخوں کی مدد سے اس تحفے پر چپکے کاغذ کو علیحدہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند لمحوں بعد ان سب کے سامنے ایک خوبصورت بڑے سائز کا کلچ پرس آگیا تھا۔ جینز کے میٹیریل سے بنے اس کلچ پر چمکتے ہوئے سیکونس تھے اور اندورنی جانب سنہری زپ لگی تھی لیکن اس کلچ کی سب سے خوبصورت بات اس پر کڑھائی سے بنائی گئی زرین اور اتمش کی تصویر تھی۔ اتنی صفائی سے ان دونوں کی تصویر کو اس کلچ پرس پر مزین کیا گیا تھا کہ وہ ایک اپیشل کسٹمائزڈ پیس کے سانچے میں ڈھل گیا تھا بلاشبہ وہ ایک بہت ہی دیدہ زیب اور بازار میں ملنے والے کلچ سے کچھ مختلف سی چیز تھی جس کی زپ پر تنہا سائیک بھی لگا تھا جس پر ”عرب“ لکھا تھا۔ اتمش کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ زرین کے لئے کیا لائی ہے۔ اس کے چہرے پر ستائش جیسے امدگ آئی تھی۔ نمیرہ نے سب سے پہلے سراہا

”واؤ۔۔۔ بہت خوبصورت۔۔۔ یہ ہینڈ میڈ ہے نا؟“ نمیرہ نے زرین کے ہاتھ سے وہ کلچ پکڑا تھا

”جہاں تک مجھے یاد ہے اتمش نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ ایسی چیزیں بناتی رہتی ہیں۔۔۔ آپ کو شوق ہے نا۔۔۔“ وہ پوچھ رہی تھی

”شوق نہیں۔۔۔ بزنس۔۔۔ میں بزنس کرتی ہوں۔۔۔ میرا برانڈ ہے۔۔۔ عرب کے نام سے۔۔۔ میں آن لائن سیل کرتی ہوں یہ سب“ اس نے تفاخر بھرے لہجے میں کہا تھا۔ زرین کے چہرے پر تسخر چمکا تھا لیکن نمیرہ متاثر ہوگئی۔ اس کے ہاتھ سے وہ کلچ اعتشام نے پکڑ لیا

”یہ واقعی آپ نے خود بنایا ہے۔۔۔ واؤ۔۔۔ جسٹ واؤ۔۔۔ بہت ہی اچھا کام ہے آپکا۔۔۔ یہ تو لگ ہی نہیں رہا کہ ہاتھ سے بنایا گیا ہے۔۔۔ میں تو بہت امپریس ہو گیا ہوں۔۔۔“ وہ بے حد سراہنے والے انداز میں کلچ کو کم اور اسے زیادہ دیکھ رہا تھا۔ سونیا کو اسکی آنکھوں کے رنگ کچھ نامانوس سے لگے۔ اس کے دیکھنے کا انداز کچھ غیر معمولی تھا۔ سونیا کو عجیب لگا اور اس سے بھی بڑھ کر ایک بار پھر براق اور نمیرہ نے اس کے جملے کو سن کر ذومعنی انداز اپنایا تھا۔ سونیا نے حیرانی سے اس صورتحال کو جائزہ لیا تھا لیکن اسے ابھی بھی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

”چلو بھئی یہ تو بڑی مبارک بات ہوئی ہے۔۔۔ اعتشام صاحب امپریس ہو گئے۔۔۔ زرین تمہاری دال گل گئی ہے۔۔۔ جو چاہا تھا، ویسا ہی ہوتا نظر آ رہا ہے۔۔۔ یعنی محنت کئے بناء ہی کام ہو گیا تمہارا تو۔۔۔ مجھے ایک اور پارٹی کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے“ براق شرارتی سی مسکراہٹ ہو

نٹوں پر سجائے کہہ رہا تھا۔ نمیرہ اور اعتشام نے اسکا ساتھ دیا تھا۔ سونیا چونک کر اتمش کا چہرہ دیکھنے لگی۔ یہ سب اسکی سمجھ سے بالاتر ہے

”اچھا۔۔۔ اب بتاؤ آرڈر کریں یا بوفے ٹرائی کرنا ہے؟“ اتمش نے ان سب کو ٹو کا تھا۔ آج کی پارٹی کا میزبان وہی تھا۔ سب کے اتفاق کرنے پر بوفے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی مرضی سے اپنے لئے ڈش منتخب کرنے کے لئے اٹھ گئے تھے۔ زرین اور سونیا

ایک ساتھ پلیٹس لے کر اپنی ٹائورز والے میز کی جانب بڑھی تھیں

”تمہارے باقی بہن بھائی نارمل ہیں نا۔۔۔؟“ وہ فرنج سلاڈ کو سر ونگ چمچ کی مدد سے پلیٹ میں لیتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ سونیا نے چونک کر اسے دیکھا

”نارمل۔۔۔؟“ اس نے دوہرا کر استنہامیہ انداز میں اسکی جانب دیکھا۔ زمین نے دوسری ٹرے میں سے کھیرے اٹھا کر پلیٹ میں رکھے پھر بیٹانی پر آئی بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑتے ہوئے سرسری سے انداز میں بولی

”میرا مطلب انکی ہائیت تو نارمل ہے نا۔۔۔“ التمش نے بتایا تھا مجھے کہ ساری فیملی میں بس تم ہی چارنٹ دس انچ رہ گئی ہو۔۔۔ باقی سب تو بالکل نارمل ہیں“ اس نے ان انداز میں کہا تھا جیسے عام سی بات ہو پھر وہ اسکی جانب دیکھے بناء مزید بولی

”التمش بتا رہا تھا کہ تمہاری مہی بہت پریشان ہیں تمہاری شادی کے لئے۔۔۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔۔۔ چھوٹا قد بھی بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔۔۔ آجکل تو لوگ اچھی خاصی لڑکیوں میں سوکھڑے نکال دیتے ہیں۔۔۔“ اب کی بار جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی گئی تھی اور پھر جیسے تسلی نا ہوئی ہو

”میں نے ہی التمش کوئی مشورہ دیا تھا کہ اپنی کزن کو اعتنا براق وغیرہ سے ملواؤ۔۔۔ شاید کوئی سلسلہ چل پڑے۔۔۔ تمہیں کیسا لگا اعتنا۔۔۔“ وہ پوچھ رہی تھی

سونیا ایک لمحے کے لئے تو اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس لمحے اسے کس طرح ری ایکٹ کرنا چاہیے۔ اسے اس کے چھوٹے قد کا طعنہ بھی اس انداز میں کسی نے بھی نہیں دیا تھا اور پھر ”نارمل“ کا لفظ تو جیسے اس کے دل میں گڑ گیا تھا اور ابھی وہ اس حملے سے سنبھلی نا تھی کہ اس ”گھٹ ٹو گھڈ“ کا اصل مقصد بھی سامنے آ گیا تھا۔ زمین آگے بڑھ کر اپنی پلیٹ میں پائٹلے رہی تھی جبکہ سونیا کا سارا اعتماد جیسے کسی نے لمحہ بھر میں مٹی میں ملا دیا تھا۔ اسکی جھوک جیسے اڑنچھو ہو گئی تھی۔

”میرے دوست ملنا چاہتے ہیں تم سے۔۔۔“ التمش کا جملہ کانوں میں گونجا اور اب زمین کہہ رہی تھی

”التمش کو میں نے ہی مشورہ دیا تھا کہ اپنی کزن کو براق اور اعتنا وغیرہ سے ملواؤ۔۔۔ شاید کوئی سلسلہ چل پڑے“ یہ الفاظ نہیں تھے۔ اس پر کسی نے اہلٹا ہوا پانی انڈیل دیا تھا۔ التمش کے دوستوں کی گھٹ ٹو گھڈیں میں آنے کے لئے اس نے پوری دوپہر تیاری کی تھی۔ التمش کی متوقع منیگر کے لئے تین دن اور دو راتیں لگا کر اس نے وہ کلچ پر س تیار کیا تھا۔ وہ تصویر جو اس کلچ پر بنائی گئی تھی اسکو ٹریس کرنے میں ہی اسے تقریباً دو گھنٹے لگے تھے اور کڑھائی والا سلسلہ تو خیر کافی وقت لگا کر مکمل کیا گیا تھا اور یہ سب کرنے میں غلوں کے ساتھ ساتھ وہ تمام نیک نیتی بھی شامل تھی جو اس کے دل میں التمش کے لئے پیدا ہو گئی تھی۔

اسکا دل جیسے بند سا ہونے لگا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے اپنے اس ماموں کے پیٹے کی خاطر کیا تھا جو اس کے متعلق اپنے دوستوں

سے کس قسم کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ اپنے اونچے قد کاٹھ کے ساتھ، اپنی خوبصورت متوقع منیگریز کی موجودگی سے شاداں و مسرور وہ کیسے اپنے دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ سونیا کا دل چاہا کہ کسی فلمی ہیروئن کی طرح چیخ کر اسے بلائے اور تین چار گالیوں سے نواز دے یا پھر اس کے قریب جائے اور کم از کم دو تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارے مگر۔۔۔ تھکے ہوئے قدموں سے پلیٹ کو لئے وہ آگے بڑھی

”آپ نے کچھ نہیں لیا۔۔۔؟“ احتشام اس کے قریب آگیا تھا

”یہ روٹنڈ ہڈی انڈرائی کریں۔۔۔ بہت اچھے ہیں۔۔۔ بالکل مختلف سا ذائقہ ہے۔۔۔“ اس نے کہنے کے ساتھ ساتھ اپنی پلیٹ سے دو تین ہڈیاں بھی اسکی پلیٹ میں رکھ دئے تھے۔ سونیا نے اسکے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہاں اس کے لئے کچھ انوکھی سی دلچسپی نمایاں تھی۔ اب اسے سمجھ میں آئی تھی کہ ان سب چہروں پر وہ بلاوجہ کی ذومعنی مسکراہٹ جو اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی اسکی وجہ کیا تھی۔ ایک لمحے میں جیسے کتنی ساری چیزیں واضح ہو گئی تھیں۔ وہ بے خبر تھی لیکن باقی سب باخبر تھے۔ وہ سب جانتے تھے جو ”وہ“ نہیں جانتی تھی۔

☆.....☆.....☆

”واہ کزن۔۔۔ تم نے تو مجھے حیران ہی کر دیا۔۔۔ ایسے والٹس بھی بنا سکتی ہو تم؟“ واپس جاتے ہوئے اتش نے پوچھا تھا۔ وہ کتنا خوش اور مطمئن لگ رہا تھا۔ سونیا نے اسکی جانب دیکھا نا اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اس شخص کی جانب دیکھے یا اس کو کوئی جواب دے۔

”کتنا چارج کرتی ہو ایک پیس کا۔۔۔ رشتہ داروں کو رعایت دینے کا رواج ہے یا نہیں۔۔۔ میں چاہ رہا ہوں اپنے سب دوستوں کے لئے بوالوں“ وہ اسکی خاموشی کی پرواہ کئے بنا ہمہ رہا تھا

”بولو نا۔۔۔ بنا دو گی میرے دوستوں کے لئے۔۔۔ میں سب کی تصویریں دوں گا تمہیں۔۔۔ کتنی دیر لگے گی۔۔۔؟“ وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا جیسے۔۔۔ اسے ذرا پرواہ نا تھی کہ وہ سن بھی رہی ہے یا نہیں۔۔۔ اس کا وہ چہرہ چہرہ اپنی کامیابی کے زعم میں چمک رہا تھا۔

”کیا بگاڑ لو گے میرا اتش، اگر میں تمہارا ساتھ دینے کے وعدے سے منکر جاؤں۔۔۔ اگر اپنی اور تمہاری امی کی طرح اس بات پر ڈٹ جاؤں کہ تمہیں کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کرنے دوں گی۔۔۔“ وہ کڑھ رہی تھی۔ اتنا ہرٹ اسے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا تھا۔ اور افسوسناک بات یہ تھی کہ وہ اپنے گھر میں نہیں تھی اسکی امی اس کے ساتھ نہیں تھی۔ غم کا بوجھ برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اکیلے برداشت کرنا بہت زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک دم سے اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔ اپنی جانب سے وہ اس شخص کی بھلائی کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی تھی حالانکہ اس امر سے اسکی اپنی امی کے ناراض ہو جانے کا اندیشہ تھا لیکن پھر بھی وہ یہ ناراضی مول لے رہی تھی اور نتیجے میں اس کے صے میں تزیل کے سوا کیا آیا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو کزن۔۔۔ کچھ تو بولو۔۔۔ میرے دوست کیسے لگے تمہیں۔۔۔“ وہ ایک نظر اسے دیکھتا تھا اور دوسری نظر سڑک پر ڈالتا تھا۔ سونیا مزید چند لمحے خاموش رہی پھر جیسے اس کا صبر تمام ہو گیا تھا

”یہ سب کیا تھا اتمش۔۔۔؟“ اس کے لہجے میں برف سے زیادہ سرد مہری تھی۔ اتمش کی ہمت ناہوئی کہ مذاق میں کوئی جواب دے پاتا۔

”کیا۔۔۔ کیا ہوا؟“ وہ حیران سا ہوا تھا۔

”میں نے تم سے دوستی اس لئے نہیں کی تھی کہ میرے والدین کی ذمہ داریاں بھی تم اپنے سر لے لو۔۔۔ اور ناہی اس لئے کی تھی کہ میری شادی نہیں ہو رہی تھی۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں تمہارے گھر میں کچھ مہینے رہنا چاہتی ہوں۔۔۔ سکون سے، اطمینان سے۔۔۔ تمہارے گھر رہوں اور تم سے بچنے لیتی رہوں۔۔۔ یہ منظور نہیں تھا مجھے۔۔۔ تم سے ہاتھ ملانے کا سبب بس یہی تھا۔۔۔ بس یہی۔۔۔ اور تم۔۔۔؟“ وہ جان بوجھ کر چُپ ہوئی

”ہاں۔۔۔ میں؟۔۔۔ کیا میں؟۔۔۔ بولو؟“ وہ مزید حیران نظر آ رہا تھا۔ سونیا کے سلگتے ہوئے زہریلے لہجے نے اسے بھی سلا دیا تھا

”تم بولو اتمش۔۔۔ تم بتاؤ۔۔۔ تمہیں کس نے حق دیا کہ مجھے اپنے دوستوں کی پارٹی میں بلوا کر میرا سوئمبر رچاؤ۔۔۔ مجھے ان کے سامنے پیش کرو کہ میں انکو پسند آ جاؤں تو مجھ مجبور بے بس لڑکی کے رشتے میں جو رکاوٹ ہے وہ دور ہو جائے۔۔۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ میرا قد تمہارے برابر نہیں ہے۔۔۔ تمہاری اس لمبی گرل فرینڈ کے برابر نہیں ہے۔۔۔ تم کہاں سے ابابن کر آ گئے میرے۔۔۔“ وہ ایک ایک لفظ ادا کرتے ہوئے جیسے اتمش کو پچا چ رہی تھی۔ اتمش کے چہرے کے تاثرات بھی بدلے تھے

”کیا بک رہی ہو۔۔۔ میں نے کس کے سامنے پیش کیا ہے تمہیں۔۔۔ سوئمبر۔۔۔؟ کیا بکواس ہے۔۔۔ ایسا تو کبھی سوچا بھی نہیں میں نے۔۔۔ اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھ دیکھ کر الفاظ بھی ویسے ہی فضول بولنے لگی ہو۔۔۔ سوئمبر۔۔۔ ہوتا کیا ہے وہ۔۔۔؟“ وہ نہایت بُرا مان کر بولا تھا۔

”یہ بات تم اپنی گرل فرینڈ سے پوچھو تو زیادہ اچھا ہے۔۔۔“ وہ بھی اسی انداز میں بولی

”اسکو انوالو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ اپنا معاملہ اپنی ذات تک محدود رکھو“ اتمش نے غرا کر کہا۔ وہ سارا اطمینان جو اس کے چہرے پر چمک رہا تھا لمحہ بھر میں غائب گھیا تھا۔ سونیا کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ چمکی

”کیوں۔۔۔ بڑا لگ رہا ہے نا۔۔۔ ایسے ہی مجھے بھی بڑا لگ رہا ہے۔۔۔ افسوس ہو رہا ہے کہ میں کیوں آئی تمہارے ساتھ۔۔۔“ وہ اسی انداز میں بولی تھی۔

”یہ بات تو تمہیں پہلے سوچنی چاہیے تھی۔۔۔ میں کوئی زبردستی اغوا کر کے نہیں لایا تمہیں۔۔۔“ اس نے ناک چدھا کر کہا تھا

”ہمت بھی نہیں ہے تمہاری مجھے اغوا کرنے کی۔۔۔ میری مرضی کے بناء تو کوئی مجھے کہیں بھی نہیں لے جاسکتا۔۔۔ اور میں اسی بات پر افسردہ ہوں کہ میں نے تم پر اعتبار کیا ہی کیوں۔۔۔ کاش مجھے پتا ہوتا کہ میرے ساتھ یہ سب ہونے والا ہے تو میں یہ غلطی کبھی نہ کرتی۔۔۔“ وہ

اپنی افسردگی چھپا نہیں پائی تھی۔ اُتمش نے اسکی جانب دیکھا پھر بشکل خود کو کچھ کہنے سے رد کا گاڑی گھر کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے جیسے ہار مال لی تھی اور یہ اسکی زندگی میں پہلی بار ہوا تھا

”تم بتاتی کیوں نہیں ہو کہ کیا ہوا ہے۔۔۔ کسی نے کچھ کہا ہے۔۔۔ بات بڑی لگی ہے کسی کی۔۔۔؟“ وہ زچ ہو کر پوچھ رہا تھا۔ جاتے ہوئے تو وہ بہت خوش اور پُر جوش تھی اور اب اسکا رویہ اسے حیران بھی کر رہا تھا اور پریشان بھی۔۔۔ سونیپُپ چاپ اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے شاید اعتنام سے اس طرح ملوائے جانے کی اتنی تکلیف نا ہوتی اگر زمین نے یہ زہر نا اگلا ہوتا

”اعتنام نے کوئی بد تمیزی کی ہے تمہارے ساتھ۔۔۔؟“ اُتمش کو اسکی خاموشی سے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا

”میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اُتمش۔۔۔ تم نے بہت دل دکھایا ہے میرا۔۔۔“ وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی تھی جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔

”ایز یووش۔۔۔ اُتمش نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔ اسکا صبر بس اتنا ہی تھا۔

☆.....☆.....☆

مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔۔۔ لیکن وہ بہت غصے میں تھی۔۔۔ مجھے لگتا ہے اعتنام نے کوئی بد تمیزی کی ہے۔“ رات کو کہیں معمول کے مطابق سونے سے پہلے جب وہ زمین کو شب بخیر کے میسجز کر رہا تھا تو اس نے ساری تفصیل بتاتے ہوئے لکھ دیا تھا۔

”کم آن اُتمش۔۔۔ اعتنام ایسا نہیں ہے اور یہ بات تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔۔۔ اس لڑکی سے دو دن ہوئے ہیں تمہاری دوستی کو جبکہ اعتنام تمہارا بچپن کا دوست ہے۔۔۔“ اس نے طنزیہ انداز والے ایوبی کے ساتھ ایک جوابی مسیج کیا

”اعتنام کا بھی کوئی بھروسہ نہیں ہے زمین۔۔۔ وہ بعض اوقات خواہ مخواہ اور ہو جاتا ہے۔۔۔ تم نے غور نہیں کیا لیکن وہ بلا وجہ سونیا کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ ہو سکتا ہے اس نے کچھ ایرا ویا سمجھ دیا ہو“ اُتمش اپنے موقف پر ڈٹا تھا۔ زمین نے تین چار طنزیہ ایوبی بھیجے تھے

”اُتمش!۔۔۔ تمہاری کزن اب اتنی بھی حسین و جمیل نہیں ہے کہ اسکو دیکھ کر کوئی اور ہو جائے۔۔۔ میں نمیرہ، باب یا یونیورسٹی کی کسی بھی لڑکی نے تو کبھی اعتنام کے متعلق یہ شکایت نہیں کی۔۔۔ تمہاری کزن صاحبہ کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔“ اس نے اتنا لکھا لیکن اُتمش دیکھ سکتا تھا کہ وہ مزید میسج ٹائپ کر رہی تھی۔ اس نے فوراً لکھا

”اس نے شکایت نہیں کی یار۔۔۔ میں صرف اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اصل میں وہاں ہوا کیا ہوگا کیونکہ میری موجودگی میں تو کچھ نہیں ہوا تھا۔۔۔ اس لئے میں تو بالکل لاعلم ہوں۔۔۔ مگر وہ مجترمہ تو ناراض ہی ہو گئی ہیں“

زمین کا میسج موصول ہوا تھا جو پہلے میسج کا بقیہ حصہ تھا

”اور ہاں اعتشام بے تکلف نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ اپنی احمق کزن کو بتاؤ کہ اسکی قسمت کھل گئی ہے۔۔۔ اعتشام کو اچھی لگی ہے وہ۔۔۔ اس لئے بس وہ اس سے متعارف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ انگریزی میں اسے کمفرٹبل ہونا کہتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کو مزید سمجھا جاسکے۔۔۔ اور اپنی کزن کو یہ بھی سمجھاؤ کہ غرے کرنا بند کرے اور اس موقع کو ہاتھ سے ناجانے دے ورنہ اس قد کے ساتھ ان کے محل میں کوئی شہزادہ نہیں آنے والا گھوڑے پر بیٹھ کر۔“

التمش نے میسج کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے دوبارہڑھا تھا پھر مزید ایک میسج موصول ہوا

”اور پلیز یہ بھی اس کے ننھے سے دماغ میں ڈال دو کہ اعتشام تمہاری ایوریج سی کزن میں اس لئے دلچسپی لینے پر مجبور ہوا کہ میں نے اسے آمادہ کیا تھا۔۔۔ تمہاری کزن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے تھے۔۔۔ بناء ملے ہی اسکی اتنی تعریف کر دی تھی کہ وہ اس کو دیکھنے کے بعد میری باتوں کی صداقت پر ایمان لے آیا۔۔۔ اور شاید اسی لئے وہ اسے اچھی لگ گئی۔۔۔ ورنہ تمہاری کزن میں ایسا تھا کیا کہ وہ اسے دوبارہ دیکھ ہی لیتا۔۔۔ بجائے احسان ماننے کہ وہ ناراض ہو گئیں۔“ زمین کا میسج کافی تلخ سا تھا۔ التمش نے تھک کر کال ہی ملا لی اور اس سے پہلے اس نے ٹی وی کی آواز تیز کر دی تھی کہ اسکی امی کو خبر نا ہو کہ وہ رات کے اس پہر کسی سے بات کر رہا ہے۔

”تم کیوں اتنا جل جل کر میسج کر رہی ہو۔۔۔ میں کہہ تو رہا ہوں کہ اس نے کسی کا نام نہیں لیا۔۔۔ لیکن اسے یہ ضرور پتا چل گیا ہے کہ ہم نے اسے بطور خاص اعتشام سے ملوانے کی کوشش کیوں کی ہے۔۔۔ اور وہ اس بات پر ناراض ہو رہی تھی۔۔۔“ التمش نے وضاحت کی۔

”تم اسکی ناراضی سے اتنے خائف کیوں ہو رہے ہو۔۔۔ ہوتی ہے ناراض تو ہوتی رہے۔۔۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آ رہی کہ وہ غرے کر کس بنیاد پر رہی ہے۔۔۔ ایوریج سی لڑکی ہے۔۔۔ قد کاٹھ تو خیر اللہ کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں لیکن میک اپ دیکھا تھا۔۔۔ اور پھر ڈریس سینس بھی زیرو۔۔۔ اور یہ گفٹ کیسا لاتی تھی وہ میرے لئے۔۔۔ کپڑے کا بنا ہوا کلچ۔۔۔ ذرا بھی نہیں پسند آیا مجھے۔۔۔ بہت آؤٹ ڈیٹڈ جو اس ہے بھائی تمہاری عراب عرف سونیائی“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے گویا التمش کو باور کروانے کی کوشش کی کہ اسکی کزن اسے بالکل پسند نہیں آئی

”یار۔۔۔ اب تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو۔۔۔ لڑکی تو خوبصورت بھی ہے اور قابل بھی۔۔۔ میں تو خود حیران رہ گیا۔۔۔ اتنی صفائی سے وہ تصویر بنائی ہے اس نے اس پر بس۔۔۔ مجھے تو اچھا لگا بہت۔۔۔ اور میں حیران تو بس اس بات پر ہوں کہ اچھی مہلی خوش باش گئی تھی میرے ساتھ۔۔۔ مگر واپسی پر ایسے تھی جیسے سر ہی پھاڑ دے گی۔۔۔ کہیں تم نے تو کوئی بات نہیں کی اس کے قد کے حوالے سے۔۔۔“ التمش کی سوتی ایک ہی جگہ کھڑی تھی۔ زمین ایک ٹائیپ کے لئے تو چپ ہی ہو گئی پھر جیسے ہڑبڑا کر فواہ وضاحت دیتے ہوئے بولی

”جی نہیں۔۔۔ میں کیوں کرونگی کوئی بات کسی کے قد کاٹھ کے حوالے سے۔۔۔ یہ تو تم ہی ہو جو اسے چارٹ دس انچ کہتے رہتے ہو

”آتمش بلا وجہ نہں دیا

”ادھو۔۔۔ میری خیر ہے۔۔۔ کزن ہے میری۔۔۔ میری پچھو کی بیٹی۔۔۔ میں کہہ سکتا ہوں” وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
 زرین کی سلگتی ہوئی آواز آتی تھی

”کیوں۔۔۔ تم کیوں کہہ سکتے ہو؟“

”آتمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ چارٹ دس انچ کھوں یادس فٹ چار انچ۔۔۔ سجتا ہے مجھ پر۔۔۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا تھا

☆.....☆.....☆

اگلے دو دن وہ اسکی طرف کن انکھیوں سے دیکھنے کے باوجود اس سے بات کرنے کی ہمت نہ کر سکا کیونکہ وہ اپنے کمرے تک محدود ہو گئی تھی اور اگر نظر بھی آئی تو پھر سے پر تاثرات اس قسم کے تھے کہ مخاطب بھی کیا تو کچا کھا جائیگی۔ عام حالات میں وہ مختلف قسم کی چیزیں اپنے گرد بکھرائے کچھ نا کچھ کرتی نظر آتی تھی لیکن گزشتہ دو دن سے آتمش نے اسے یہ سب کرتے بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ بھی آفس جانے لگا تھا۔ صبح کا گھیا شام کو ہی آرہا تھا لیکن پھر بھی اسکی خواہش تھی کہ اگر سونیا اسکے یا اسکے کسی دوست کی وجہ سے ناراض ہوئی ہے تو اسکا زالہ کیا جاسکے مگر موقع ہی نامل رہا تھا۔ عطیہ بیگم سے پوچھنے کا مطلب اپنی شامت بلوانا تھا سو وہ اس معاملے میں حُب ہو گیا تھا اور یوں چند اور دن خاموشی سے یونہی گزر گئے۔ ویک اینڈ آیا تو چونکہ اگلے دن چھٹی تھی اس لئے اس نے سوچا تھا کہ اس سے بات ضرور کرے گا۔ کھانے کے بعد اس نے اسے آفر کرنی چاہی کہ آؤ آسکر یہ کھا آتے ہیں لیکن پھر اس کے تاثرات دیکھ کر ہمت نہ کر سکا پھر براق نے فون کر کے بلوایا تو وہ اسکی طرف چلا گیا۔ واپسی پر جانے دل میں کیا سمجھا کہ مشہور کافی شاپ سے دو کوئلہ کافی کے کپ لے لئے۔ گھر پہنچ کر پہلے انہیں فریزر میں رکھا پھر کپڑے تبدیل کئے اور پھر لائٹ جانے کا انتظار کرنے لگا کیونکہ وہ لائٹ جانے کی صورت میں ہی صحن میں آکر بیٹھتی تھی۔ اس دن بجلی بھی مقررہ وقت سے دس منٹ بعد ہی گئی مگر وہ اندھیرا ہوتے ہی سیزھیاں اتر کر نیچے آگیا اور اس کے آہنگی میں آکر بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا جیسے ہی وہ آئی۔ وہ بھی دونوں کپ لے کر بالکل اس کے برابر چہوڑے پر آ بیٹھا۔ سونیا نے ذرا توجہ نہ دی اور اس کی جانب سے رخ موڑ کر اپنے موبائل کے ساتھ مصروف ہو گئی

”اس دن تم نے مجھے چائے کا کپ دے کر دوستی کی آفر کی تھی۔۔۔ کیا میں یہ کافی کا کپ دے کر آج تمہیں دوستی کی آفر کر سکتا ہوں؟“ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ پھر سے بددستائی مسکراہٹ تھی۔ سونیا مسکرائی تک نہ تھی

”جی نہیں۔۔۔“ اس نے جواب دیتے ہوئے منہ دوسری طرف کر لیا تھا۔

”خدا کا نام لو کزن۔۔۔ جانتی ہو کہاں سے لایا ہوں۔۔۔ پتا ہے کیا قیمت ہے اس ایک کپ کی۔۔۔ مچا دو دوائے چاکلیٹ لینے کے لئے لائن لگی ہوتی ہے عوام کی“ وہ اسی انداز میں بولا تھا۔ سونیا نے مڑ کر اسکی جانب دیکھا ہی نہیں

”اوکے۔۔۔ تمہاری مرضی۔۔۔ نہیں پٹنی تو مت پیو۔۔۔ لیکن مجھے پیسے دو ان دونوں کے۔۔۔ اپنے کپ کے بھی اور میرے کپ کے بھی۔۔۔ کیونکہ یہ میں تمہاری وجہ سے ہی لایا تھا۔۔۔ ورنہ اس سخت گرمی میں میرا یہ سڑی ہوئی کافی پینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا“ وہ جتا کر بولا ”میرا بھی نہیں ہے۔۔۔ گرمی تمہیں ہی نہیں لگتی۔۔۔ سب انسانوں کو لگتی ہے۔۔۔“ سونیا نے ناک چڑھا جواب دیا۔ گرمی تو تھی لیکن روز ہی شام ہوتے ہو چلنے لگتی تھی موسم تو آنگن میں خوشگورہی تھا۔ رات کی رانی کی دھیمی دھیمی سی مہک بڑی دلفریب تھی لیکن سونیا کے چہرے کی ناراضی نے ماحول کو کشیدہ کر رکھا تھا

”اسی لئے تو کوئلہ کافی لایا ہوں۔۔۔ پنی کر دیکھو گی تو پتا چلے گا نا۔۔۔“ اس نے اپنا کپ وہیں چبوترے پر رکھ کر دوسرا کپ زبردستی سونیا کے ہاتھ میں پکڑ دیا تھا۔ اس نے چند لمحے تو متذبذب کے عالم میں اسے دیکھا پھر منہ بنا کر کپ پکڑ لیا تھا۔ موچا اسکا پندیدہ بھی تھا۔

”اب لے آئے ہو تو پنی لیتی ہوں۔۔۔“ ایک دو لمحے وہ دونوں اسٹرا سے سپ لینے میں مگن رہے پھر اتمش نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا

”دوستی۔۔۔؟“ وہ چھوٹے بچوں کی طرح دایاں ہاتھ اسی جانب کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سونیا ایک سیڑھی اتر کر نیچے چلی گئی اور انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی

”میں تمہاری دوستی اور ڈ نہیں کر سکتی۔۔۔ دوستی برابر والوں میں ہوتی ہے۔۔۔ جبکہ تم کہاں اتنے اونچے لمبے۔۔۔ اتمش۔۔۔ راجا اتمش۔۔۔ بلکہ مہاراجا اتمش۔۔۔ اور میں کہاں چھوٹی سی۔۔۔“ وہ اسکی جانب دیکھے بنا بولی رہی تھی۔ اتمش اس کے طنزیہ انداز پر خوناخواہ مسکرایا اور پھر وہ بھی ایک اور سیڑھی اتر کر اس کے برابر آگیا

”لیکن میں نے تو سنا تھا کہ دوستی میں اونچ نیچ کا فرق معنی نہیں رکھتا۔۔۔ ہاں رشتہ برابر والوں میں کرنا چاہیئے۔۔۔ اور تم سے رشتہ کرنے میں تو میں انٹرٹڈ ہی نہیں ہوں“ وہ کہہ رہا تھا

”ایکسیکو زمی۔۔۔ صرف تم نہیں۔۔۔ میں بھی تم سے رشتہ کرنے میں بالکل انٹرٹڈ نہیں ہوں۔۔۔“ سونیا نے مڑ کر اسکی جانب دیکھا اور طنزیہ انداز میں جواب دیا تھا۔

”خیر یہ تو جھوٹ ہے۔۔۔ تم تو بے حد پسند کرتی ہو مجھے۔۔۔“ وہ اسے چڑا رہا تھا۔ سونیا نے دوبارہ مڑ کر اسکی جانب دیکھا پھر سابقہ انداز میں ناک چڑھا کر بولی

”اچھا۔۔۔؟۔۔۔ واقعی۔۔۔“ تسخراور خٹکی ایک ساتھ چہرے پر پھیلا تھا کہ اتمش کو ہنسی آگئی۔ اتنے دن سے وہ اسکی دوستی کو اہمیت دیتی آئی تھی اور اب جب وہ ناراض ہوئی تھی تو اتمش کو احساس ہوا تھا کہ وہ بھی اسے اہمیت دینے لگا ہے۔ گھر میں اپنے کسی ہم عمر کی موجودگی اسے اچھی لگنے لگی تھی۔ سب سے بڑھ کر کوئی ایسا بھی تھا جس سے وہ بلا جھجک زمین کی باتیں کر سکتا تھا سوا اسکا ناراض ہونا اسے کافی محسوس ہو رہا تھا

”ہاں تو اور کیا۔۔۔ آخر کوئی تو سولڈرین ہے نا اس ساری ناراضی کے پیچھے۔۔۔ میں نے بہت ساری ایسی موویز دیکھی ہوئیں جن میں سائیڈ ہیروئن اسی طرح ہیرو سے ناراض ہو جاتی ہے۔۔۔ جب وہ اسے کسی اور سے ملوانے کی کوشش کرتا ہے تم بھی اسی ہیروئن کی طرح بی ہو کر رہی ہو۔۔۔ ورنہ اعتنا تم سے مل کر ناراض کیوں ہوتی؟“ وہ گردن اکڑا کر اسے چڑانے کی خاطر یہ سب کہہ رہا تھا۔ سونیا نے بے یقینی کے عالم میں اسکی بات کو ہضم کیا پھر اسٹرامنہ سے نکال کر اس کے کندھے پر ایک زوردار مکا مارا تھا

”اتمش دی گریٹ۔۔۔ سب سے پہلے تو اس ساری فلم میں سے اپنا فضول کردار نکال کر الگ کر دو۔۔۔ اور پھر میری بات دھیان سے سنو۔۔۔ مجھے واقعی یہ بات ”بھی“ بہت بری لگی ہے کہ تم نے یہ سب کیوں کیا۔۔۔“ اس نے لفظ ”بھی“ پر زور دیتے ہوئے کہا تھا پھر رک کر ایک سب مزید بھرا اور غرائی

”تم ہوتے کون ہو۔۔۔ میرا رشتہ پکا کرنے والے۔۔۔“ اتمش نے اسے اسکا جملہ پورا کرنے نہیں دیا تھا

”پاکس بمخت نے کیا ہے۔۔۔ بس اتنی سی کوشش کی تھی کہ اگر۔۔۔“ اب کی بار سونیا نے اسکی بات کاٹی

”تمہیں کوشش کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔۔۔ تم نے کیا سوچا کہ بیچاری کزن کا رشتہ نہیں ہو رہا تو اپنے دوست سے درخواست کر لی جائے۔۔۔ کہ بھائی ترس کھالے میری چھوٹی بیٹی کنواری نامر جائے۔۔۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی تھی۔ اتمش کا مزاج ذرا بگڑا۔

”کیا کو اس ہے یا۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ جیسا تم سوچ رہی ہو“

”ایسا ہی ہے۔۔۔ اور اسی بات کا غصہ ہے مجھے اتمش کہ تمہیں مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت بالکل بھی نہیں تھی۔۔۔ میرا رشتہ تمہاری بد اہلم نہیں ہے۔۔۔ نا تھا اور نا کبھی ہو گا۔۔۔ تو پھر تمہیں ہمت کیسے ہوئی یہ سب تماشہ کرنے کی۔۔۔ تم نے کیا سوچا کہ مجھ سے شادی نہیں کر رہے تو مجھے کوئی لڑکا ہی نام ملے گا۔۔۔“ وہ دانت پچکچا کر بولی تھی۔ اتمش نے بمختل اسکی بات کو ہضم کیا

”یہ تو اخیر ہی کر دی تم نے کزن۔۔۔ یہاں تک تو گمان بھی نا گھیا تھا میرا۔۔۔“ وہ وضاحت کر رہا تھا مگر الفاظ ڈھونڈنے مشکل ہو رہے تھے۔ دل ہی دل میں اسے بہت بڑا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اتنے جھنجھٹ پالنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا اور نا ہی یہ منصوبہ بندی اس نے کی تھی۔ زمین کی وجہ سے وہ اس مشکل صورتحال میں پھنس گیا تھا اور اب اسے بات بنانی مشکل ہو گئی تھی

”جہاں تک بھی گھیا تھا تمہارا گمان۔۔۔ وہاں تک بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔۔۔ میری فکر میں گھٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میں تم سے کہیں بہتر اپنے بارے میں سوچ سکتی ہوں۔۔۔ ارے اگر تمہاری اس زمین کو ایک بدھو مل سکتا ہے تو میں بھی ایسا کوئی نا کوئی بدھو ڈھونڈ ہی لوں گی۔۔۔ افسیر چلانا آجکل مشکل ہے کیا۔۔۔ بس ذرا اپنے مقام سے گرنا پڑتا ہے۔۔۔ ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونکنا پڑتی ہے۔۔۔ رات بہ رات کسی کی بکواس سن سن کر اپنا وقت برباد کرنا پڑتا ہے۔۔۔ اپنی سیلف ریلیف کو اپنے ہاتھوں قتل کرنا پڑتا ہے

۔۔۔ اگر تم اور تمہاری زمین یہ سب کر سکتے ہو تو کیا میں نہیں کر سکتی۔۔۔؟" وہ بہت ناراضی کے عالم میں بول رہی تھی۔

"اب تم زیادتی کر رہی ہو سو نیا۔۔۔" وہ بھی سنجیدہ ہوا تھا

"یہ بات تم اپنی اس گرل فرینڈ سے کہنا۔۔۔ کیونکہ ابتداء اس نے کی تھی" اس نے دو بدو جواب دیا

"زمین نے۔۔۔؟" وہ حیران ہوا

"اس نے کچھ کہا ہے تمہیں۔۔۔؟" سو نیا نے اس کے نام پر مزید شکل بگاڑی جیسے دل ہی دل میں کوئی گالی دینے والی ہو مگر پھر

صبر کر لیا اور بولی

"اس نے کچھ نہیں کہا۔۔۔ وہ تو پہلی بار مجھ سے ملی تھی۔۔۔ اس نے وہی باتیں کیں جو میرے متعلق تم اس سے کرتے رہے

ہو۔۔۔ چارٹ دس انچ۔۔۔ یہ تم نے ہی بتایا نا اسے۔۔۔" آتش کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی مگر وہ کچھ بولا نہیں تھا جبکہ وہ خاموش ہونے

کا نام ہی نہیں لے رہی تھی

"۔۔۔ میرے چھوٹے قد سے اتنے ادب سیدھ تو تم کہ اپنے فرینڈز تک سے یہ بات کرتے رہتے ہو۔۔۔ اتنا متاثر رہے ہو مجھ

سے۔۔۔ اب میں کہوں کہ تم بھی پسند کرتے ہو مجھے۔۔۔ محبت کرتے ہو مجھ سے۔۔۔ ورنہ دوستوں میں کزنز کی باتیں کون کرتا ہے۔۔۔ کوئی تو

وجہ ہوگی اس دلچسپی کی۔۔۔؟" وہ طعنہ دے رہی تھی۔ حیرانی والی بات یہ تھی کہ آتش کو ہنسی آ رہی تھی۔

"جذباتی لڑکی۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ لیکن اشتہام اچھا لڑکا ہے۔۔۔ تو میں نے سوچا۔۔۔" سو نیا نے پھر اسکی بات کاٹ دی

"تم نے نہیں۔۔۔ تمہاری گرل فرینڈ نے۔۔۔ یہ اسکی پلاننگ تھی اور اس نے یہ بات اپنے منہ سے بتائی ہے مجھے۔۔۔" کپ

میں دو تین سہ رہ گئے تھے۔ جذبات کی گرمی اور کافی کی ٹھنڈی تلخی نے سو نیا کے چہرے کو گرم کر ڈالا تھا۔ آتش کے لئے اسکا یہ روپ بہت

نیا تھا اور پھر یہ انکشاف کہ زمین نے اسے اصل بات خود بتائی تھی اسے حیرانی میں مبتلا کر گئی

"اب یہ بات تم اپنے ذہن میں بٹھالو۔۔۔ کہ اگر تم تمہاری زمین افسیر چلا سکتے ہو۔۔۔ تو میں بھی چلا سکتی ہوں۔۔۔ اگر تم لوگ

اپنے لئے لائف پارٹنر خود تلاش کر سکتے ہو۔۔۔ تو میں بھی کر سکتی ہوں۔۔۔ تم لوگ اپنی مرضی سے شادی کر سکتے ہو۔۔۔ تو میں بھی کر سکتی ہوں

۔۔۔ چیلنج کر کے تو دیکھو۔۔۔ جس دن تمہاری شادی ہوگی نا اسی دن اپنی شادی کر کے دکھا دوں گی۔۔۔ لیکن۔۔۔" اس نے رک کر سانس

لیا۔۔۔ مہو کے باقی بچ جانے والے مواد کو قلع میں انڈیلا پھر اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مزید بولی

"ماں باپ کے لحاظ کے سوا کچھ بھی ایسا نہیں ہے جو مجھے اس کام سے روکتا ہو۔۔۔ لیکن میری اپنی سیلف ریسپیکٹ، میری ڈگنٹی

۔۔۔ اور میرے ماں باپ کا احترام۔۔۔ اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں میرے لئے۔۔۔ سو وہ کام جو میں خود کر سکتی ہوں۔۔۔ لیکن نہیں کر رہی تو

براہ مہربانی تم بھی میرے لئے مت کرو۔۔۔ اپنے دو تھی فرینڈز کو مجھ سے ملوا کر کسی بھی تھرڈ ریٹ افسیر کی ابتداء کرنے کو فضول کوششیں مت

کردیونکہ تمہیں ناکامی کے سوا کچھ ناملے گا۔۔۔ اور پھر کیسے کہو گے۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ جتنا ہے مجھ پر۔۔۔ کیونکہ کسی کو ہرٹ کرنا کسی کو بھی نہیں سجتا۔۔۔ اب چاہے وہ بادشاہ التمش ہوں۔۔۔ یا گنگو تیلی۔۔۔ "اس نے بات مکمل کی تو جیسے سنا نا چھا گیا۔ التمش کو کبھی کسی نے ان الفاظ میں نہیں لٹاڑا تھا لیکن چونکہ غلطی اسی کی تھی سو وہ چند لمحے اس کا چہرہ ہی دیکھتا رہا۔ کچھ بولنا چاہا لیکن پھر اسے لگا اسکی وضاحت بودی اور غیر ضروری ہے تو چپ بی رہا

سونیا اپنی بلکہ سے اٹھ گئی تھی۔ التمش پھر بھی کچھ نہیں بولا تو وہ آخری سیرچی بھی اتر کر نیچے اتر گئی۔ اس لمحے التمش نے سرعت سے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سونیا نے مڑ کر اسے دیکھا

"اعتنا مبرا لڑکا نہیں ہے سونیا۔۔۔ اور میری نیت بھی۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سونیا نے اپنے دوسرے ہاتھ کی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر کہا

"شش۔۔۔ اس کے علاوہ کچھ کہنا ہے تو بولو" اس کے لہجے ہی نہیں انداز میں بھی دو ٹوک قسم کی تنبیہ تھی کہ اس متعلق کچھ نہیں سنے گی۔ التمش اس کا ہاتھ تھامے، اس کے سامنے آگیا اور اذہات میں سر بلایا

"آئی لویو۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے لاڈ بھرے لہجے میں بولا تھا جیسے ایک دوست دوسرے کو خوش ہو کر بلا وجہ کہہ دیتا ہے

"آئی لویو۔۔۔" سونیا نے کافی اک خالی کپ اس کے ہاتھ میں مارنے والے انداز میں تھمایا اور مصنوعی ناراضی سے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

"ہاں۔۔۔ اب بتاؤ۔۔۔ خود سے بتاؤ گے یا پھینٹی لگاؤں۔۔۔؟" ماسٹر جی نے ان سب کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کیا تھا۔ آج ان کے چہرے پر خفگی ہی نہیں تھی بلکہ بیزاری بھی تھی جیسے اس سارے معاملے سے استنا چکے ہوں اور نا چاہتے ہوئے اس موضوع پر بات کر رہے ہوں۔ وہ سب لائن بنا کر ان کے سامنے خاموش کھڑے تھے کیونکہ یہی فیصلہ ہوا تھا کہ ان کے استفسار پر ہمیشہ کی طرح انہیں کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیا جائیگا۔ ان کی خاموشی کو انہی سازش سمجھ کر ماسٹر جی کا چہرہ مزید سُرخ ہوا تھا۔ انہوں نے چھڑی سمیت ہاتھ پشت پر باندھ کر ان کے سامنے چلنا شروع کر دیا تھا

"میں بس تین تک ہی گنوں گا۔۔۔ تین سے پہلے مجھے قصور وار کا نام پتا چل جانا چاہیئے" انہوں نے آخری فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ رب نواز نے ان سب کی جانب کن آنکھوں سے دیکھا۔ سب نے ہی اسے دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں حوصلہ دیا تھا

"ایک۔۔۔" ماسٹر جی نے مسلسل چلتے ہوئے کہا مگر کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ انہوں نے پورے ایک منٹ کا وقفہ دے کر دوبارہ

کہا تھا

”دو۔۔۔“ وہ چپ ہوئے لیکن چلتے ہوئے مسلسل ایک ایک کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

”مجھے تین گننے سے پہلے قصور وار کا نام چاہیے۔۔۔ ورنہ۔۔۔ تم سب جانتے ہو کہ سزا دینے میں یہ ماسٹر بڑا ظالم ہے“ ان سب کوٹس سے مس ہوتا نادیکھ کر ماسٹر جی نے ایک اور دھمکی دی تھی۔

”تی۔۔۔ن۔۔۔“ ادھر ماسٹر جی کے منہ سے مدد نکلا ادھر سب نے ایک ساتھ کہا تھا

”رَب نواز۔۔۔“ ماسٹر جی وہیں رُک گئے اور ایک قدم واپس چل کر رَب نواز کے سامنے آکھڑے ہوئے

”کھینے۔۔۔ نئے دوست۔۔۔ سب کے سب میر جعفر۔۔۔ کہتے تھے اماں کے ہاتھ کے آلو کے پداٹھے کھلا دے تو سب ماسٹر جی کے سامنے مل جل کر بے عزتی سہہ جائیں گے۔۔۔ کسی ایکم کا نام نہیں لیں گے۔۔۔ ذلیل لوگ۔۔۔ یہ بڑا بڑا آلو کا پداٹھا بنوا کر لایا تھا اماں کے ہاتھ سے۔۔۔ مرجانے کھاپی گئے اور پھر بھی نام لے دیا میرا۔۔۔ بے غیرت۔۔۔“ وہ غُر آنے والے انداز میں بڑبڑا رہا تھا۔ ماسٹر جی نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی اسکی ناگوں پر رسید کی۔

”ایک تو غلطی کرتا ہے۔۔۔ پھر گالیاں بھی بکتا ہے۔۔۔“ وہ سخت ناراضی کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے

”یہ ہیں ہی اسی قابل ماسٹر جی۔۔۔“ اس نے انکی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ سب اب اسے چڑانے والے انداز میں دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے کہ اب آیا ہے اونٹ پہاڑ کے نیچے۔۔۔ رَب نواز کو انکی اس غداری پر سخت افسوس ہو رہا تھا۔ سب کے سب اب سینہ تان کر کھڑے تھے جیسے کوئی جنگ جیت لی ہو۔۔۔

”میری کوئی غلطی نہیں ہے ماسٹر جی۔۔۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ میڈم تھمینہ کی اس انیمینٹ مجھے مت دیا کریں۔۔۔ انہیں اللہ واسطے کاہر ہے مجھ سے۔۔۔ بلا وجہ ڈانٹتی رہتی ہیں، اور بات ایسے کرتی ہیں جیسے میں انکا نوکر ہوں“ وہ انکی جانب دیکھے بنا ہوا تھا۔ وہ ان کو پہلے بھی شکایت لگا چکا تھا لیکن چونکہ ماسٹر جی نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ اس لئے اس بار اسکا لہجہ اتنا ٹھوس نہیں تھا۔

”نہیں۔۔۔ تو تو انکا نوکر نہیں ہے کیا۔۔۔ اوہ پائی! تو نوکر ہی ہے۔۔۔“ ماسٹر جی کے بولنے سے پہلے طیب نے کہا تھا اور ساتھ ہی اسے زبان چڑائی تھی۔۔۔ وہ ماسٹر جی کے شاگردوں میں رَب نواز کے بعد دوسرے نمبر پر آتا تھا اور ان کی آپس میں دوستی بھی بے حد تھی لیکن مقابلہ بازی بھی بہت ہوتی تھی۔

”خوامخواہ۔۔۔ تو ہو گا نوکر۔۔۔ میں کیوں ہونے کا نوکر۔۔۔ نوکر تو مجھے ماسٹر جی نے بھی کبھی نہیں کہا۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولا۔ ماسٹر نے ایک اور چھڑی اسکی ناگوں پر رسید کی

”یہ بات ہے بحث کرنے والی۔۔۔ اس بات پر لڑو گے اب تم۔۔۔ ناہنجار۔۔۔ بد تہذیب۔۔۔ نوکر ہو یا خدمت گزار ہوا۔۔۔ ایک ہی بات ہے۔۔۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا۔۔۔ کہ مزید شکایتیں نا آئیں مجھ تک۔۔۔ ہم یہاں بہنوں بیٹیوں کی خدمت گزاری کے لئے بیٹھے

ہیں۔۔۔" انہوں نے اتنا ہی کہا کہ وہ پھر بول پڑا

"آپکی بہن ہوگی میڈم تمہینہ۔۔۔ میں تو ایسی پچھی بھی نارکھوں۔۔۔" اس کا یہ کہنا مزید مجرم ہو گیا۔ ماسٹر جی کو اس کے مکمل جملے سے زیادہ لفظ "بہن" پر غصہ آیا تھا۔

"دیکھا۔۔۔ یہ تو کچھن ہیں اس کے۔۔۔ ایسے ہی ان کے سامنے بھی بات کرتا ہوگا۔۔۔ تب ہی تو وہ اتنا ناراض ہوتی ہیں۔۔۔" انہوں نے ایک اور چھڑی رسید کرنا چاہی لیکن اس بار وہ ذرا سا آگے ہو کر اپنے آپکو بچا گیا۔

"ماسٹر جی! ماں قسم۔۔۔ میری غلطی کوئی نہیں ہوتی۔۔۔ وہ خود مصیبتوں کا پہاڑ ہیں۔۔۔ ان کا رولا (واویلہ) ہی ختم نہیں ہوتا۔۔۔ مجھے انہوں نے بولا کہ پٹیلہ شلوار کے ساتھ اونچی قمیض بنا دو۔۔۔ حالانکہ وہ ان کو ذرا بھی نہیں چنچی تھی۔۔۔ لیکن میں نے کچھ نہیں کہا۔۔۔ کیونکہ مجھے پتا تھا پھر بھی آپ نے مجھے ہی ڈانٹنا ہے۔۔۔ سو میں نے بنادی۔۔۔ اب میرا کیا قصور کہ جیسی انہوں نے بنوائی تھی۔۔۔ رزلٹ ویرا نہیں آیا۔۔۔ انوشکا شرمائی تصویر اور رضائی کے غلاف جتنا کپڑا لائی تھیں ساتھ۔۔۔ یعنی چھوٹی سوزو کی کو دیکھ کر ٹرک کی تصویر بنانے جیسی سائنمینٹ ملی تھی مجھے۔۔۔ کام سے گھبراتا ہوتا تو اسی وقت انکار کر دیتا ماسٹر جی۔۔۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔۔۔ سب کچھ ویرا ہی کیا۔۔۔ جیسا وہ حکم دے گئی تھیں۔۔۔ ماپ بھی میں نے پورا ہی لیا تھا جو انہوں نے دیا۔۔۔ اب نہیں سچ رہی انکو پٹیلہ شلوار تو میرا قصور ہو گیا۔۔۔ اور وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ماپ ٹھیک نہیں لیا۔۔۔ اپنی ٹیپ سے لیا ہوتا تو یہ نا ہوتا۔۔۔" وہ زچ ہو کر کہہ رہا تھا۔

"ماسٹر جی۔۔۔ میں تو کہتا ہوں۔۔۔ بختی لالو (جوتی اتار لو)۔۔۔ یہ اس کے بغیر نہیں سدھرنے والا "ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر طیب نے مزید ترقمہ دیا تھا۔ رُب نواز نے اسکی کمر میں زور سے کہنی ماری پھر ماسٹر جی کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا

"مجھ سے نہیں ہوتا ماسٹر جی۔۔۔ آپ ان کی اسائنمنٹ کسی اور کو دے دیا کریں۔۔۔ وہ بات بات پر میری بے عزتی کرتی ہیں۔۔۔ گالیاں بھی دیتی ہیں۔۔۔ ہر بات میں کہہ دیتی ہیں۔۔۔ ماسٹر جی نے کمی ٹکین رکھ لئے ہیں اپنے یہاں۔۔۔ کبھی کہتی ہیں۔۔۔ تم جیسے ہوتے ہی نیچ نسل کے ہو جو کام پورا نہیں کرتے۔۔۔ اماں کی قسم ماسٹر جی میں جان بوجھ کر نہیں کرتا غلطیاں۔۔۔ لیکن مجھ سے انکا ہر حکم بھی نہیں مانا جاتا۔۔۔ کہتی ہیں اپنی ٹیپ سے ناپ لو میرا۔۔۔ مجھے شرم آتی ہے ماسٹر جی۔۔۔ آپکو پتا ہے یہ کام میں نہیں کر سکتا۔۔۔ یہ بہنوں بیٹیوں کی خدمت ہے تو مجھے معاف کریں۔۔۔ مجھ سے نہیں ہوتی ایسی خدمت۔۔۔ آپ کتروں کی صفائی اور بٹن کاج والے کام مجھے دے دیں۔۔۔ باقی ان کمنجٹوں سے کروالیا کریں۔۔۔" اس نے دو ٹوک انکار کر دیا تھا۔ ماسٹر جی اسکا چہرہ ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ باقاعدہ کسی اسکول سے نہیں پڑھا تھا لیکن حافظ قرآن تھا۔ چار سال پہلے اسکی اماں اسے ان کی دوکان پر چھوڑ گئی تھی کہ اسے کام سکھا دیں تاکہ وہ اپنی دوکان بنا سکے۔ اس کے ہاتھ میں بڑی صفائی تھی۔ سلائی میں تو وہ بہت جلدی ماہر ہو گیا تھا لیکن کٹائی میں بھی اس نے ان کے باقی سب شاگردوں کو مات دیتے ہوئے بڑی جلدی اپنی جگہ بنائی تھی اسی لئے ماسٹر جی نے اسے اپنی ہی دوکان پر مستقل ملازم رکھ لیا تھا لیکن شرط

اسکی شروع دن سے ایک ہی تھی کہ وہ کسی خاتون کا براہ راست ماپ نہیں لے گا۔ وہ کمٹرن خاتون کے پیزوں سے ماپ لے کر اپنا کام مکمل کرتا تھا اور عموماً کسی کو اس سے شکایت نہیں ہوتی تھی۔ یہ واحد میڈم تھمینہ ہی تھیں جن کی کچھ عرصہ سے مسلسل شکایتیں آنے لگی تھیں۔ وہ بھی اپنی جگہ درست تھا لیکن ماسٹر جی میڈم تھمینہ کو بھی ناراض نہیں کر سکتے تھے اسلئے شش و پنج میں گھر گئے تھے

”ماسٹر جی۔۔۔ چھتر (چہل) لے کر آؤں۔۔۔؟“ طیب نے پھر تابعداری کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔ رُب نواز کی اتنی تقریر کے بعد سب کو نظر آ رہا تھا کہ آج اچھا شغل لگنے والا ہے۔

اوتے۔۔۔ تجھے بوتی (زیادہ) جلدی ہے۔۔۔ ”ماسٹر جی نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی طیب کی ٹانگوں پر رسید کی تھی۔ وہ چونکہ تیار نہیں تھا اسلئے یہ ضرب کافی شدید ثابت ہوئی تھی۔ وہ بلہلا اٹھا۔

”چلو۔۔۔ لگو کام سے۔۔۔ میں یہ معاملہ کسی اور طریقے سے حل کرونگا اب۔۔۔ لکوسب۔۔۔“ ماسٹر جی نے ان سب کو مکاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ سوچ کا گہرا جال ان کے چہرے کا احاطہ کر رہا تھا۔ رُب نواز نے طیب کی کندھے پر زور دار مکا جڑتے ہوئے سب سے پہلے جگہ چھوڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ چند دن بعد کی بات تھی۔ سونیا اور اتمش کی ایک لمبی میٹنگ ہوئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ باقی کے معاملات سونیا اور مہارانی جو دھا بانی مل کر طے کریں گے سو سونیا نے ایک دن صبح کو ان دونوں کے گھر سے چلے جانے کے بعد ماحول بنا کر ان سے کہا تھا

”ممائی جان! مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔۔۔“ وہ دال چاول بنا رہی تھیں۔ چاول دم پر رکھ دئے تھے اور دال کو بگھار لگانے کے لئے گرم تیل میں پیاز سرخ کر رہی تھیں۔ سونیا نے کینٹ کھول کر گرم مصالحہ اور سرخ ثابت گول مرچیں پلیٹ میں لٹائی شروع کر دی تھیں۔ وہ ان کی بہت عورت کرتی تھی اور ان کی محبت کا دم بھی بھرتی تھی اسی لئے وہ جو بات کرنے والی تھی، انکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کرنہیں پارہی تھی۔ انہوں نے فرائننگ پین کا دستہ پکڑ کر اسے زور سے ہلایا تھا تا کہ جو پیاز کناروں پر رہ گیا تھا وہ درمیان میں آجائے کیونکہ کناروں والا پیاز درمیان میں موجود پیاز کی نسبت جلدی سرخ ہوتا جا رہا تھا

”ہاں بولو۔۔۔ کیا ہو گیا۔۔۔ اتمش نے کچھ کہا۔۔۔؟“ اس کے لہجے کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ممکنہ اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ سونیا نے آگے بڑھ کر وہ مرچیں فرائننگ پین میں ڈال دیں۔۔۔ ہلکی سی سرسڑ سرسڑ کی آواز نے دھویں کے مرغولوں کو بھی جنم دے ڈالا تھا۔

”ممائی جان! میں اتمش سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔“ اس نے انکی جانب دیکھے بناء کہہ ڈالا تھا۔ عطیہ بیگم نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ فرائننگ پین اٹھا کر دال والی پتیلی میں انڈیلنے والی تھیں۔ اس کی بات سن کر انہوں نے فرائننگ پین پتیلی میں خالی کر دیا تھا

پہلے سے زیادہ آواز بلند ہوئی تھی۔ دھویں کی وجہ سے عطیہ نیگم کی آنکھوں میں جلن سی لگ گئی۔

”ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے مناسب نہیں ہیں۔۔۔ ہمارے مزاج، سوچ اور شوق ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔۔۔ عداوتاً نہیں حقیقتاً میں مشرق ہوں تو وہ مغرب۔۔۔ ہماری ساری زندگی نیمہ نہیں سکتی“ وہ بشکل لفظ لفظ جوڑ کر مناسب جملہ ترتیب دے رہی تھی۔ ایسی بات اپنی ہی ہونی والی ساس سے کرنا آسان نہیں تھا۔ انکا چہرہ بالکل سپاٹ ہو گیا تھا جیسے کہنے کو ایک لفظ نا بچا ہو۔ انہوں نے گہری ناراجی سے بھری ہوئی سانس لی

”تمہیں اتمش نے کچھ کہا۔۔۔ بتاؤ مجھے۔۔۔ اس نے کوئی بات کی ہے؟“ وہ بے حد خفا لگنے لگی تھیں۔ ان کی امیدیں جیسے ایک دم سے دم توڑ گئی تھیں۔ اتمش اور سونیا کی دوستی کو وہ نتیجہ تو نہیں نکلا تھا جو وہ توقع کر رہی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان انیت نے ایک نیابی گل کھلا دیا تھا۔ انہیں یقین تھا اتمش نے ہی سونیا سے کچھ کہا تھا۔

”نہیں۔۔۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔۔۔ اور پلیر آپ ناراض مت ہوں۔۔۔ بس تحمل سے مجھے بات مکمل کر لینے دیں“ اس نے التجاء کی۔ عطیہ نیگم نے اسکا چہرہ دیکھا۔ پہلی بار انہیں اسکا خوبصورت چہرہ خوبصورت نا لگا تھا

”شادی کرنا مشکل نہیں ہوتا ممانی جان۔۔۔ شادی نبھانا مشکل ہوتا ہے۔۔۔ بے جوڑ شادی ہو جایا کرتی ہے۔۔۔ لیکن ایسی شادی قائم رکھنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔۔۔ میری اور اتمش کی شادی ہو بھی گئی تو زیادہ دیر چل نہیں پائیگی کیونکہ یہ ایک بے جوڑ شادی ہوگی۔۔۔ میں جانتی ہوں آپ، میری بہنیں، میری امی سب مل جل کر ہم دنوں کو ایک کڑی میں جوڑنے کے لئے آن تھک محنت کر رہے ہیں۔۔۔ امی نا چاہتے ہوئے بھی بیٹی کے گھر جا کر رہ رہی ہیں۔۔۔ آپ اتنے دن سے مجھے برداشت کر رہی ہیں۔۔۔ اور پھر مجھے نظر آتا ہے کہ آپ اتمش کو آمادہ کرنے کی اور میری امی مجھے رضامند کرنے کی لا تعداد کوششیں کر رہے ہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ سب بے فائدہ ہے۔۔۔ ہماری شادی ہو بھی گئی تو کامیاب نہیں ہوگی“ اس نے درمیان میں سانس لینے کو لمحہ بھر کا وقفہ کیا تو وہ بولیں

”سونیا۔۔۔ یہ کیوں کہہ رہی ہو تم۔۔۔ کچھ نہیں جانتی تم۔۔۔ زندگی کی باتیں سنی ہیں تم نے۔۔۔ ہم بزرگوں نے اسے برت لیا ہے۔۔۔ ہم تم لوگوں کے لئے غلط فیصلہ تھوڑی کریں گے۔۔۔ تم لوگ ابھی بچے ہو۔۔۔ تم بھی اور اتمش بھی۔۔۔ تم لوگ وہ نہیں دیکھ رہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔۔۔ جو ہمیں نظر آرہا ہے نا۔۔۔ وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے ہم سب اس شادی کو کروانے کے لئے سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔۔۔ لیکن یقین مانو۔۔۔ کامیاب شادیاں وہی ہوتی ہیں جو منصوبہ بندی سے کروائی جاتی ہیں۔۔۔ لڑکی کو لڑکے کے لئے اور لڑکے کو لڑکی کے لئے باقاعدہ رضامند کیا جاتا ہے۔۔۔ جن شادیوں کے لئے دمائیں کی جاتی ہیں۔۔۔ دلچسپے پڑھ جاتے ہیں۔۔۔ وہ شادیاں جن کی ابتداء میں ہی اندھی قسم کا عشق و معاشقہ انوالو ہو۔۔۔ فلمی قسم کا پیار محبت ہو۔۔۔ وہ شادیاں زیادہ کامیاب نہیں ہوتیں۔۔۔ شادی سے پہلے ہی جینے مرنے کے وعدوں اور قسموں والی شادیاں تو پانی کا بلبلہ ثابت ہوتی ہیں۔۔۔ بے رنگ، بے بو پانی کا بلبلہ

۔۔۔ جبکہ تمہاری اور اتمش کی شادی ایسی نہیں ہوگی۔۔۔ اسلئے تم اس بات کی پرواہ چھوڑ دو کہ یہ شادی کامیاب نہیں ہوگی۔۔۔ ”وہ کتنے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ سونیا نے لاچاری سے انکی جانب دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ بہت مصیبت میں پھنس گئی تھی مگر بولنا بھی ضروری تھا

”میں اتمش کو پسند نہیں کرتی ممانی جان۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ تڑپ کر بولی

”تم کسی اور کو پسند کرتی ہو۔۔۔؟“

سونیا نے ایک بار پھر انکا چہرہ دیکھا۔ وہ یکدم جیسے سمجھ سی گئی تھیں۔ وہ اسے سمجھاتے ہوئے کتنی پُر امید لگ رہی تھیں کہ جیسے وہ انکی بات سمجھ ہی جائے گی۔ اپنے دلائل سے زیادہ جیسے انہیں اسکی امی کی تربیت پر بھروسہ تھا۔ اس نے دل ہی دل میں اتمش کو دو چار گالیاں دی تھیں جس نے یہ بات کرنے کی ذمہ داری اسے سونپی تھی

”میں انہیں کبھی کنوئس نہیں کر پاؤں گا۔۔۔ تمہاری بات کو وہ میری بات سے زیادہ اہمیت دیں گی۔۔۔ تمہارا کہنا پتھر پر لکیر ثابت ہوگا۔۔۔ تمہارا انکار تابوت کے آخری کیل والا کام کرے گا“ اس نے جانے کیا کچھ کہہ کر اسے عطیہ بیگم سے بات کرنے کا حوصلہ دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ان سے بات کرنے کی ہمت تو کر بیٹھی تھی اور اتمش کو زبان بھی دے ڈالی تھی کہ آج وہ انہیں ہر طور منا کر دم لے گی چاہے کچھ بھی ہو جائے لیکن انکا چہرہ دیکھ کر اسکا حوصلہ اور دلائل ختم ہوئے جا رہے تھے۔ وہ چند لمحے تو تذبذب کے عالم میں انہی دیکھتی رہی پھر جیسے اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب آیا پار بات تو کرنی ہی پڑے گی۔

”جی۔۔۔“ اس نے کہہ ڈالا تھا۔

☆.....☆.....☆

”یہ زمین ہے۔۔۔“ اتمش نے ماسٹر جی کو اس کی جانب اشارہ کر کے بتایا تھا۔ وہ مشرقی بہو کی طرح آج پہلی بار شلوار قمیض اور ڈوپٹہ پہنے سامنے آئی تھی۔ بال پونی کی شکل میں باندھ رکھے تھے اور میک اپ کے نام پر بس آج نو میک اپ، میک اپ والی لگ کو ترجیح دی گئی تھی۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی لیکن چونکہ آج خوشی کے مارے ہواؤں میں اڑ رہی تھی تو مزید بچ رہی تھی۔ اتمش کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ خوشبوؤں میں بسا بسا یہ آج وہ پہلی مرتبہ زمین کے گھر آیا تھا۔ اسکا حال ایسا تھا کہ شادی سے پہلے ہی خود کو ڈلہا تصور کر رہا تھا۔ خوشی اور طمانیت مارے وجود سے چھلک رہی تھی۔ سونیا بھی ان کے ساتھ ہی آئی تھی۔ زمین نے گھر کے گیٹ پر ملازموں کی بجائے خود ان کا استقبال کیا تھا جو کہ پہلے اس نے کبھی کسی مہمان کی خاطر نہیں کیا تھا۔ عطیہ بیگم تو سلام کا جواب دے کر ذرا سا اندر کی جانب ہو گئیں لیکن ماسٹر جی نے وہیں گیٹ پر کھڑے ہو کر اس کے سر پر پیار دیا تھا۔ انہیں اسکا چہرہ کچھ جانا بچانا سا لگا تھا۔

”آپ۔۔۔ ماسٹر جی ہیں۔۔۔؟“ زمین نے پوچھا تھا۔ ماسٹر جی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ انہیں محسوس ہوا تھا کہ جیسے زمین انکو دیکھ کر کچھ حیران سی ہو گئی تھی

”زرمین۔۔۔ یہ میری امی ہیں۔۔۔ اور یہ سونیا۔۔۔ میری کزن۔۔۔“ آتمش نے مال باپ کے سامنے جان بوجھ کر ان دونوں کو دوبارہ متعارف کروایا تھا۔ زرمین نے سر ہلایا اور پھر وہ انکی رہنمائی کرتی ہوئی انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ انکا گھر بے حد کشادہ، خوبصورت اور مالیشان تھا۔ زرمین نے صبح اپنی موجودگی میں سارا ڈرائنگ روم اچھی طرح سے صاف کروایا تھا۔ ان کی خاطر چائے کے وہ برتن لکوائے تھے جو اسکی مٹی بہت ہی خاص مہمانوں کی آمد پر لگوائی تھیں۔ یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن مہمانوں کو دیکھ کر اس ک سارا وجود دبل سا گیا تھا۔ اسے اپنے چاروں اطراف کچھ سائزن بجتے محسوس ہو رہے تھے جنہیں فی الوقت وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔

”زرمین۔۔۔ کہاں ہو۔۔۔ مجھے بھی تو مل۔۔۔ واؤ۔۔۔ مہما۔۔۔ نوں سے۔۔۔“ تھمینہ بیگم بڑی نزاکت سے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اندر داخل ہوئی تھیں اور پھر ماسٹر جی کو دیکھ کر جیسے اپنی بلکہ پر ختم سی گئی تھیں۔ الفاظ بھی بمشکل ادا ہوئے تھے منہ سے۔۔۔ چہرے سے مسکراہٹ غائب ہی ہو گئی۔ انہوں نے ایک نظر بیٹی کے چہرے کی جانب دیکھا اور دوسری نظر دوبارہ ماسٹر جی پر ڈالی تھی۔ انہیں سمجھ بھی نہیں آرہی تھی کہ انہیں کس طرح پیش آنا چاہیے۔

”ماسٹر غلام حسین۔۔۔ آپ۔۔۔ یہ بچہ۔۔۔ آپکا۔۔۔؟“ انہوں نے ڈرائنگ روم کے پتھوں پیچ آ کر پوچھا تھا۔ وہ اداکاری نہیں کر رہی تھیں۔ ان سے واقعی بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ ایک نظر بیٹی کو دیکھتی تھیں اور دوسری نظر زرمین کو۔۔۔ جو خود بھی کچھ پریشان کھڑی تھی۔ اس نے بھی ماسٹر جی کو پہچان لیا تھا۔ اگرچہ بہت عرصہ سے ان کی دوکان پر نہیں گئی تھی کہ اب ریڈی میڈ کا دور تھا لیکن بچپن سے اپنے کپڑوں کی سلائی اور اکثریشن کے لئے ان کی دوکان پر آنا جانا رہا تھا۔ یہ تو ان کے خاندانی درزی تھے۔۔۔ درزی۔۔۔ آتمش کے والد۔۔۔ ماسٹر جی۔۔۔ ماسٹر جی۔۔۔ یعنی درزی۔۔۔ وہ تو بس ہا بکارہ گئی تھی۔

”جی۔۔۔ جی۔۔۔ میڈم۔۔۔ یہ بیٹا ہے میرا۔۔۔ آتمش غلام حسین۔۔۔“ ماسٹر جی نے فخر سے اس کا پورا نام لیا تھا۔



اس دن ہمارے ساتھ جو ہوا۔۔۔ اللہ کسی دشمن کے ساتھ بھی نا کرے۔۔۔ میڈم تھمینہ میری ہونیوالی سمدھن کے روپ میں سامنے آ کھڑی تو ہوئی تھیں لیکن دل اس صورتحال کو قبول نا کر پا رہا تھا۔۔۔ اب یہاں میرا پانی کا ایک گلاس پینا لازم ہے ورنہ میں یہ قصہ آپ کے سامنے مکمل نا کر سکتا ہوں۔۔۔ میں ذرا پانی پی کر آتا ہوں۔۔۔ آپ بھی حوصلے سے انتظار کیجئے۔۔۔



(غم ہے یا خوشی ہے تو ناول کی نئی قسط اگلے ماہ <http://kitaabghar.com> پر ملاحظہ فرمائیں)

دوستو! یہ میری داستان کا سب سے اہم حصہ ہے۔ اس حصے میں آپ ایک بات ضرور سیکھ لیں گے کہ فہم و فراست کسی کی میراث نہیں ہوتی اور عقل و شعور کسی کو ترکہ میں نہیں ملا کرتا اور نا ہی کسی کی دولت اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ وہی دانش ور ہو گا اور یہ بھی لازم نہیں ہے کہ روپے پیسے سے ہی انسان کے کردار کو جانچا جائے۔

عام انسان بھی اچھے ہوتے ہیں قیمتی ہوتے ہیں۔۔۔ اس لئے انسان کی انسان سمجھ کر بھی عزت کرنا شروع کریں۔ آسان الفاظ میں کہنا میں یہ چاہ رہا ہوں کہ بہت ہنسی آرہی تھی نا آپ کو اس انکشاف پر کہ میں ایک کپڑے سینے والا عام سائیکل ماسٹر ہوں۔۔۔ اس بار آپ کو پتا چلے گا کہ ایک ٹیکل ماسٹر بھی کسی بھی معاشرے کا اہم ترین رکن ہو سکتا ہے۔۔۔ بلکہ ٹیکل ماسٹر ہی نہیں بلکہ دھوبی، موچی، قصائی، نائی۔۔۔ سب کے سب اہم ہوتے ہیں۔۔۔ اگر آپ سمجھیں تو۔۔۔

اس لئے اگلی مرتبہ جب کسی بھی ایسے شخص سے ملیں جو کسی ایسے پیشے سے وابستہ ہو تو اسکی دل سے عزت کیجئے گا کیونکہ وہ بھی اس کا مستحق ہوتا ہے۔ اسکی بھی اولاد ہوتی ہے جس کے لئے انکا باپ بادشاہ ہوا کرتا ہے۔

جی جی مجھے پتا ہے آپ بورہور ہے ہیں۔۔۔ آئیے بتاتا ہوں۔۔۔ آپ کو آگے کا قصہ۔۔۔

☆.....☆.....☆

”التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ یہ بچتا ہے مجھ پر۔۔۔ التمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ وہ بچتا ہے مجھ پر۔۔۔“ مہناز بیگم نے منہ بنا کر اور ناک چوہا کر پیٹنے کی نقل اتاری تھی۔

”ہر وقت کی اس گردان نے دکھایا ہے یہ دن۔۔۔ آج ثابت ہو گیا کہ غرور کا سر ہی نیچا نہیں ہوتا۔۔۔ میں تو اتنا جانتی ہوں ماسٹر جی کہ اگر غرور اتنا ہو جتنا آپ کے ہونہار پیوت کو لاحق ہے تو پھر غرور کا سر ہی نہیں بلکہ ٹانگیں بازو۔۔۔ سر دھڑسب کا سب نیچا ہو جاتا ہے“ انہوں نے توپوں کا رخ انکی جانب کیا۔۔۔ وہ چائے کے انتظار میں ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھے تھے ورنہ دل تو اتنا سمجھا ہوا تھا کہ دل چاہ رہا تھا کہ بس لحاف سر تک چوہائیں اور کسی کی جانب نا دیکھیں۔ میڈم تھمپسن نے چند گھنٹوں میں انکا سالوں کا کمایا اعتماد مٹی میں ملا دیا تھا۔ مہناز بیگم نے ساس پین کو پانی سے بھر کر چو لھے پر پھینکنے والے انداز میں رکھا اور انکی جانب رخ کیا۔ سونیا نے آگے ہو کر ساس پین کو سنہال لیا تھا لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔ ممانی کے غصے سے اسے بھی ڈر لگ رہا تھا آخر اس کا رخیر میں اسکا بھی تو برابر کا حصہ تھا۔ اس نے بھی تو انہیں زمین کے گھر جانے کے لئے کتنی مشکل سے رضا مند کیا تھا۔ انکی جانب دیکھے بناء وہ چائے کی پتی اور چینی وغیرہ نکالنے کے لئے کبسنٹ کی جانب ہو گئی تھی۔ مہناز بیگم ماسٹر جی کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی تھیں

”بہت شوق تھا آپ کو بھی ماسٹر جی پیٹنے کی منشاء کے مطابق چلنے کا۔۔۔ اسکی پسند کی ہوئی لڑکی کے گھر جانے کا۔۔۔ اسے بہو بنانے کا

۔۔۔ بہت بھروسہ تھا آپکو اپنے بیٹے کی عقل و دانش پر۔۔۔ آپکا فرمان تھا نا کہ اتمش نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔۔۔ اب مزا آیا۔۔۔ پتا چلا۔۔۔ ڈھلے ڈھلائے منہ پر ہڈنگی ہے ناچھیر۔۔۔ اب تو بہت خوش ہو گئے آپ۔۔۔ اتنی تو یں کروا کر سکون مل ہو گیا ہوگا آپ کو۔۔۔ اور آپ کے بیٹے کو بھی۔۔۔ جن کا اصول ہی یہ ہے کہ کچرا لینا ہو یا صابن براؤنڈ دیکھ کر لینا چاہیے۔۔۔ اور ساس پرند کی ہیں آج، جابل گھوار۔۔۔ کس قدر بدتمیز اور بد لحاظ عورت تھی وہ۔۔۔ کیسے احمقانہ سوال پوچھ رہی تھی بار بار۔۔۔ میں ماسٹر جی۔۔۔ ہائیں ماسٹر جی۔۔۔ یہ آپکا بیٹا ہے؟۔۔۔ اتنی ہنگامی یونیورسٹی میں پڑھا کیسے لیا آپ نے اپنے بیٹے کو۔۔۔ بینک سے قرضہ تو نہیں لیا تھا۔۔۔؟ اور یہ غریب سی گاڑی قسطوں پر لے کر دی ہوگی آپ نے بیٹے کو؟ ہاں بھائی غریب ہیں تو کیا ہوا دل تو چاہتا ہے نا کہ اکلوتی اولاد کے چو نچلے پورے کئے جائیں لیکن اپنے بڑھاپے کے لئے بھی کچھ بچایا ہے یا ساری پونجی بیٹے کو سجانے سنوارنے میں ہی ضائع کر دی؟۔۔۔؟ ایسے احمقانہ سوال بار بار پوچھ کر ثابت کیا کرنا چاہ رہی تھی وہ۔۔۔ کہ ہم کوئی بھوکے ننگے، بناء نام نسب کے لوگ ہیں جو درختوں سے اتار لئے گئے تھے۔۔۔ یا کھود کھود کر ادرک آلو کی طرح زمین سے برآمد کئے گئے تھے۔۔۔ اگر اتنا ہی زعم ہے انہیں اپنی امارت کا تو ہمیں بلوایا ہی کیوں تھا۔۔۔ اور آپکی تو آواز ہی نہیں نکل رہی تھی اس کے سامنے۔۔۔ کیسے میڈم جی میڈم جی کرنے لگے ہوئے تھے آپ۔۔۔ "انہوں نے لگے ہاتھوں ماسٹر جی کو بھی لتاڑا" مجھ سے خفا ہونے کی ضرورت نہیں ہے بی بی۔۔۔ میں پہلے ہی بہت الجھا ہوا بیٹھا ہوں۔۔۔ جو کچھ بھی آج ہوا۔۔۔ وہ میری توقع کے بالکل برعکس ہے۔۔۔ میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا۔۔۔ لیکن جو بھی ہوا، بڑا ہوا۔۔۔ وہ اگر بد لحاظی پر آتی تھیں تو آپ کے بیٹے نے بھی کچھ اچھا نہیں کیا۔۔۔ کیسے عورتوں کی طرح ان کی ہر بات کے جواب میں بھگو بھگو کر لگا رہا تھا۔۔۔ رشتے کا لحاظ کیا نا انکی عمر کا۔۔۔ ایسے بات کی جاتی ہے بڑوں سے۔۔۔ کیا سوچتی ہوگی وہ۔۔۔ ابھی تربیت کی ہے ماسٹر جی نے بیٹے کی۔۔۔ "ماسٹر جی کھیمانے سے ہو کر بولے تھے میڈم تہمینہ کے رویے نے انہیں بہت تکلیف پہنچائی تھی حالانکہ وہ رات کے کھانے پر مدعو کئے گئے تھے لیکن صورتحال اتنی جگمگاتی تھی کہ وہ لوگ کھانا کھاتے بناء ہی واپس آ گئے تھے اور انہیں کسی نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ماسٹر جی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ساری زندگی جو کام سر اٹھا کر کیا تھا وہ آج ان کے لئے سر جھکانے کی وجہ بن جائیگا۔ وہ ایک الگ ہی تکلیف سے گزر رہے تھے۔ یہ بھی درست ہے کہ میڈم تہمینہ کا رویہ بہت ہتک آمیز تھا لیکن اتمش نے بھی بدتمیزی کی انتہاء کر دی تھی۔ ابتداء میں تو وہ خاموش ہی رہا لیکن پھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا اور اس نے ان کے ہر سوال کا دو بد و جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ ماسٹر جی کو یہ بات بھی اچھی نہیں لگی تھی لیکن فی الوقت وہ اپنی اہلیہ کے سامنے اس بات کو زیادہ دوہرا کر ان کے غصے کو ہوا نہیں دینا چاہتے تھے اسی لئے انکا لہجہ کمزور سا تھا۔ مہناز بیگم انکی بات سن کر بھڑک ہی اٹھیں

"ماشاء اللہ۔۔۔ یعنی آپ ابھی بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ آپ کے متعلق کچھ سوچتی ہوگی۔۔۔ دو نکلے کی سلامی ہے آپکی اس سوچ کو ماسٹر جی۔۔۔" وہ غرا کر بولیں پھر انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بات مکمل کی

”آپ ابھی بھی شاید اس رشتہ داری کے خواب دیکھ رہے ہیں لیکن میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ تو کبھی مڑ کر بھی نادیکھے گی آپ کی طرف۔۔۔ آپ نے دیکھا نہیں اسکا رویہ۔۔۔ لیکن پھر بھی آپ نجائے نوسی امید کے انڈے ٹوکری میں ڈال کر بیٹھے بیچ رہے ہیں کہ نا آپ تھک رہے ہیں۔۔۔ نا انڈے ترخ رہے ہیں۔۔۔ اور اتمش کو کو سننے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اس عورت نے بڑے پن کا ثبوت تو خود نہیں دیا تو وہ تو پھر کل کا بچہ ہے محترمہ کے آگے۔۔۔ اس کے صبر کا پیمانہ تو ویسے بھی لبریز ہونے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔۔۔ آپ نے دیکھا تھا وہ بات کیسے کر رہی تھی جیسے ہم اس کے ملازم ہوں۔۔۔ اتمش نے بالکل ٹھیک کیا۔۔۔ کہیں تو فائدہ ہوا مجھے اسکی منہ پھٹ طبیعت کا۔۔۔ بھلا بتاؤ۔۔۔ ہونے والی ساس پہلی ہی ملاقات میں سوال کیسے کر رہی تھیں۔۔۔ میری بیٹی کو رکھو گے کہاں۔۔۔ کتنے کمروں کا گھر ہے تمہارا۔۔۔ جب خرچ کتنا دو گے۔۔۔ ہنی مون پر کہاں لے جاؤ گے۔۔۔ اتنی ہی خاندانی بنتی ہیں تو یہی لحاظ کر لیتیں کہ ایسی باتیں پہلی ملاقات میں ہی طے نہیں کر لی جاتیں۔۔۔ پہلی ملاقات میں ہی اصلیت دکھادی اس عورت نے تو۔۔۔ ویسے ایک لحاظ سے اچھا بھی ہے۔۔۔ اتمش کو ایسی ہی گنگنی کا ناچ سچانے والی ساس ملنی چاہیے۔۔۔ اس لڑکے نے بھی کونسا اچھی کی ہے ہمارے ساتھ۔۔۔ ذلیل کروا کر رکھ دیا ہے۔۔۔ خود ہی بھگتے ایسی کڑوی ساس کو“ وہ ناجانے بنجید تھی یا طنزیہ انداز میں کہہ رہی تھیں لیکن چائے بناتی سونیا کے لبوں پر مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔

”اتمش غلام حسین۔۔۔ ماسٹر جی آپکا بیٹا ہے۔۔۔؟“ زرین کی ماما کے تختیر آمیز تاثرات اسکے ذہن میں جیسے جم کر رہ گئے تھے۔ سونیا ان ہی کے متعلق سوچتی چلی جا رہی تھی اور اسے اتمش ہی تصور وار نظر آ رہا تھا۔ زرین کی ممی کا چہرہ ماسٹر جی کو دیکھتے ہی کیسے بدل سا گیا تھا۔ وہ اس انکشاف پر ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ اتمش نے اپنی فیملی کے بارے میں جانے کون کون سے جھوٹ بول رکھے تھے زرین سے کہ وہ بھی حیران نظر آتی تھی۔

”افسوس۔۔۔ افسوس۔۔۔ یہ کیا ہو گیا اتمش“ سونیا نے سوچا تھا پھر اس نے ابلتے ہوئے پانی میں جھج بھر کر چائے کی پتی ڈال دی۔ ایک سیکنڈ میں ہی پانی کا بے رنگ چہرہ بھورے رنگ میں ڈھل گیا تھا۔ دن کا آجالا جیسے یکدم بناء دوپہر اور شام میں ڈھلے رات بن گیا تھا۔ اسے لگا جیسے یہ چائے کا پانی نہیں ہے بلکہ اس گھر میں وقوع پذیر ہونے والی صورتحال ہے۔ ایک ہفتے سے جو پڑ مسرت ماحول بنا ہوا تھا اسے کسی کی نظر ہی لگ گئی تھی۔ اتمش کو جس روز اس نے بتایا تھا کہ ممانی زرین کے گھر جانے کے لئے رضامند ہو گئی ہیں اس روز سے وہ بے پناہ خوش تھا۔ ماموں ممانی نے بھی جیسے بیٹے کی مرضی کے آگے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ ان سب کا ہی خیال تھا کہ بس ممانی جان کی رضامندی ہی ایک مشکل مرحلہ تھا۔ ان کے گمان میں ہی نہیں تھا کہ میڈم تھمیزہ بھی ایک ”رکاوت“ ثابت ہو سکتی ہیں۔ وہ تو ان لوگوں کو دیکھتے ہی جیسے ہتھ سے اکھڑ گئی تھیں۔ سونیا جہاں تک سمجھ سکی تھی یہ غلط فہمی کا معاملہ لگ رہا تھا۔ زرین کی والدہ شاید توقع نہیں کر رہی تھیں کہ اتمش کا تعلق ان کے خاندانی درزی ماسٹر غلام حسین سے ہو سکتا ہے تب ہی وہ صورتحال اور اپنے مزاج پر قابو نہیں رکھ پائی تھیں۔

”اتمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ سب بھتا ہے مجھ پر“ سونیا کی سماعتوں میں جیسے کوئی تفاخر بھری آواز سرسراتی ہوئی آئی تھی اور لڑکھراتی

ہوئی گئی تھی۔ ایک استہزائی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔ اس نے مڑ کر عقب میں دیکھا۔ ممانی جان اور ماسٹر جی آپس میں الجھے ہوئے تھے۔ اس نے دوبارہ سے چائے کے ساس پین کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔ یہاں کھڑے ہو کر مسکرانے کا مطلب فی الوقت اپنی شامت کو دعوت دینا تھا۔

ڈیڑھ ایک گھنٹہ ہو چلا تھا ان سب کو زمین کے گھر سے واپس آئے ہوئے۔ الٹش انکو دروازے پر چھوڑ کر بناء کچھ کہے کہیں چلا گیا تھا۔ ماسٹر جی کو اس بات کا بھی ذکر تھا لیکن ممانی جان کی ناراضی سے کے ڈر سے وہ اس متعلق کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔

”الٹش غلام حسین۔۔۔ آج کا دن تو سدا یاد رہے گا تمہیں۔۔۔“ وہ پھر مدہم سا مسکرائی تھی۔ اسے جانے کیوں گدگدی ہوئے چلی

جاری تھی

☆.....☆.....☆

”ارے بہت کچھ ہو گیا ہے اب تو۔۔۔ کیا بتاؤں اور کیا بتاؤں۔۔۔ اس نے اسکو چھوڑ دیا ہے جس کو پہلے گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتا تھا۔۔۔“ مہناز بیگم کی آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی۔

”لاحول ولا قوۃ“ وہ سخت کبیدہ خاطر ہو کر بڑبڑایا تھا۔ امی کہیں نظر نہیں آئیں وہ یقیناً فون پر باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ اسے بھوک لگ رہی تھی لیکن سونیا بھی کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ کھانا کھانے کے لئے اپنے کمرے سے نیچے آیا تھا۔ دو دن گزر گئے تھے زمین کی والدہ سے ملاقات کو اور ان دونوں میں اس نے اپنے آپ پر اتنا جبر کیا تھا جتنا کبھی زندگی میں نہیں کیا تھا۔ اس نے ایک بار بھی زمین کو کال کی تھی نامیہ جڑے تھے اور تپ یہ بھی تھی کہ اس نے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔

”بہت دعوے کرتی تھیں میڈم۔۔۔ تمہارے بناء نہیں رہ سکتی۔۔۔ مر جاؤ گی۔۔۔“ اونہرہ۔۔۔ جھوٹی ”وہ ہر بار بلا وجہ موبائل اٹھا کر دیکھنے لگتا تھا کہ شاید اسکی جانب سے کوئی میسج ہی آیا ہو پھر بڑبڑاتے ہوئے رکھ دیتا تھا۔ یہ کیفیت تو دل میں چل رہی تھی لیکن بظاہر وہ لا پر وانا پھرتا تھا اگرچہ اپنے کمرے تک محدود ہو گیا تھا۔ سب سے بات چیت مختصر ترین کر دی ہوئی تھی۔ آفس سے بہت تاخیر سے واپس آ رہا تھا لیکن یہ ظاہر نہیں کر رہا تھا کہ جیسے اسکو یہ درگت بہت محسوس ہوئی ہے حالانکہ اس دن جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اسکی توقعات ہی نہیں برداشت سے بھی بڑھ کر تھا۔

آج تک کبھی کسی نے ایسے تشویش کی تھی اسکی۔۔۔ ایسا ہنک آمیز سلوک کبھی سہا ہی نہیں تھا اس نے۔ اس کے والدین کے سامنے اسکی پُر اعتماد مغرور شخصیت پر زار دار تھپڑ پڑا تھا اور وہ یہ سب اتنی جلدی بھولنے والوں میں سے نہیں تھا۔ لیکن وہ منہ لٹا کر بیٹھنے والوں میں سے بھی نہیں تھا۔ یہ اس کی انا کا مسئلہ تھا۔ اسے اسکی غربت کا طعنہ ہی نہیں دیا گیا تھا، اسکے والد کا مذاق بھی اڑایا گیا تھا۔ وہ کیسے بھول سکتا تھا یہ سب۔۔۔ لیکن اسکی دلی تمنائی کہ باقی گھر والے سب کچھ بھول جائیں اسی لئے جب وہ نیچے آیا تو امی کی آواز سن کر اسے غصہ آنے لگا تھا۔

”ہونا ہو۔۔۔ میرے متعلق بات کر رہی ہیں کسی سے“ اس نے جل کر سوچا تھا۔ وہ جانتا تھا امی کی ایک ہی سہیلی ہیں جن سے وہ ایسی باتیں کرتی تھیں اور وہ اسکی پھوپھی تھیں۔

”مجھے اس پر غصہ تو آتا ہے لیکن ترس بھی آتا ہے۔۔۔ جو کچھ ہوا ہے اس نے یہ سب نہیں سوچا تھا لیکن ذہن بہت ہے عطیہ۔۔۔ بدوں پر پانی نہیں پڑنے دیتا۔۔۔ ایسی کھری کھری کی ہے نا اس نے اس ملکہ کے ساتھ کہ میرے دل میں ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔“ وہ مسلسل بول رہی تھیں اور انکی آوازیں سارے گھر میں گونج رہی تھیں۔

”ہاں وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ ذہن تو میں ہوں۔۔۔ لیکن اس بات کا ڈھنڈورا بٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ امی کے پیٹ میں بھی کوئی بات نہیں کہتی“ اس نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے چڑ کر خود سے کہا تھا اور سامنے بڑا بار اپنے قریب کیا تھا۔۔۔ میز پر ایک بڑے جار کے اندر خشک میوہ جات اور چاکلیٹس ہمیشہ ہی پڑی رہتی تھیں۔ یہ اسکا شوق تھا اور وہی یہ سب چیزیں لا کر رکھا کرتا تھا۔ جار میں سے ایک چاکلیٹ نکالتے ہوئے اس نے پھر امی کی آواز کی جانب توجہ کی

”ٹھیک کہہ رہی ہو عطیہ۔۔۔ مغرور تو ہے لیکن اسکی پردہ اہ کرتا ہے۔۔۔ دم بہت بھرتا ہے اسکا۔۔۔ محبت کرتا ہے اس سے۔۔۔ اپنے منہ سے کئی بار تو کہہ چکا ہے۔۔۔ وہ بھی سب سمجھتی ہے اور یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ ماں کی وجہ سے مجبور ہے“

انکی آواز میں بیزاری اور شکوہ ایک ساتھ محسوس ہوا تھا آتش کو۔۔۔

”سب کچھ آج ہی بتا دیں پھوپھو کو۔۔۔ وہ بھی فون پر۔۔۔ کل تو جیسے پانچ سال بعد آئی ہے۔۔۔“ اس نے جھنجھلاتے ہوئے چاکلیٹ کے دو بڑے بڑے بائٹ ایک ساتھ لئے تھے۔

لڑکی بہت لاڈلی ہے بھائی اسکی۔۔۔ اسکی خاطر سب کچھ کر سکتا ہے۔۔۔ جان دیتا ہے اس پر۔۔۔ اسی کی خاطر کر رہا ہے سب۔۔۔ لیکن تم دیکھ لینا عطیہ یہ لڑکی ہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی مصیبت بن جانی ہے۔۔۔ یہ قدرت کے اصول ہیں۔۔۔ یہ لڑکی اس کا سارا طنطنہ خاک میں ملا ڈالے گی“

”یا اللہ۔۔۔ کیا ہو گیا ہے امی آپکو۔۔۔ کوئی پردہ بھی رکھیں گی اکلوتی اولاد کا یا نہیں“ اس بار وہ ذرا بلند آواز میں بڑبڑایا تھا۔ جواب نہایت قریب سے آیا

”وہ تمہاری بات نہیں کر رہیں۔۔۔ امی تو میرے سلطان کی نئی قسط کا خلاصہ سن رہی ہیں اور کے اسی متعلق بحث کر رہی ہیں۔۔۔“ سونیا کی آواز میں مسخر تو نہیں تھا لیکن کہیں دبی ہوئی ہنسی ضرور ٹھنک رہی تھی۔ آتش نے یکدم مڑ کر دیکھا۔ وہ فریج کی سائید پر لگے سوچ بوج کے قریب کرسی پر بیٹھی تھی۔ گیوگن ہاتھ میں پکڑے گود میں چمکتی دمکتی چیزیں پھیلائے جانے کیا کرنے میں مگن تھی کہ اسکو نظر ہی نا آئی۔ اسے اپنے غلط انداز سے پر شرمندگی تو ہوئی مگر اعتراف کرنے میں تو کبکی تھی سو اسی انداز میں چڑ کر بولا

”پچھل پیری۔۔ تم کہاں سے آگئی ایک دم؟“

”تم خود ہو گے پچھل پیری۔۔“ اس نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ اسکی ساری توجہ اپنے سامنے پرے چھوٹے چھوٹے شیشیوں میں تھی۔ گلیوگن سے وہ یہی شیشے جینز کے کپڑے پر چپکانے میں مصروف تھی۔

”خان صاحب! اپنے مذکور منٹ درست کر لیں۔۔ پچھل پیری کا کوئی پچھل پیرا نہیں ہوتا۔۔ اس لئے میں یہ لقب مکمل آپکو تمنا ترسکاری اعزازات کے ساتھ واپس کرتا ہوں“ وہ اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ وہ بہت مثاثی اور نفاست سے اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک نظر اسکی جانب دیکھا پھر سر جھکاتے ہوئے بولی

”مزاج درست ہو گئے ہوں تو ایک سوال پوچھ لوں۔۔۔؟“ التمش نے میکینڈ کے ہزارویں حصے میں اس کے چہرے کے تاثرات کو شرارتی ہوتے دیکھا تھا

”نہیں۔۔۔“ وہ ناک چر دھا کر بولا تھا۔ سونیا ہنسی پھر خوشی سے بولی

”اس کا مطلب مزاج ابھی بھی آسمان پر ہی ہیں۔۔۔ حالانکہ زمین کی مدد نے نیچے لانے کی کوشش تو بہت کی تھی لیکن خیر۔۔۔ اپنے اپنے نصیب۔۔۔“

”ٹٹ اپ۔۔۔“ اس نے نہایت بڑا مان کر کہا تھا۔ سونیا ہنسی تھی پھر بے جملت بولی

”تمہیں دیکھ کر اچھا لگا۔۔۔ کمرے میں بند ہونے سے کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ باہر نکو دنیا کا سامنا کرو۔۔۔ تم التمش ہو۔۔۔ تمہیں تو سب بتاتا ہے۔۔۔ یہ تو ذرا سی بے عرتی تھی“ وہ ابھی بھی بخیدہ نہیں تھی۔۔۔ التمش نے گھور کر اسے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ وہ ایک بار پھر سابقہ انداز میں بولی

”اچھا سوری۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔ مذاق کر رہی تھی۔۔۔ دل پر نا لے لینا“ وہ جانتی تھی کہ یہ جملہ اسکو تیر کی طرح لگا ہوگا سو فوراً

معذرت بھی کر لی۔

”اونہ۔۔۔ شکل دیکھی ہے اپنی۔۔۔ تمہاری باتیں دل پر لونگا میں۔۔۔ بلی۔۔۔ وہ بھی چار فٹ کی“ التمش بڑبڑاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور خشک میوہ جات والا جار میز سے اٹھاتے ہوئے باہر نکل گیا

☆.....☆.....☆

”ماسٹر جی آپکی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“ زب نواز نے انکی جانب تشویش بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ چند دن سے انکے بدلے بدلے اطوار کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ بات کر رہے تھے نا کسی بات پر ٹوک رہے تھے۔ چپ چاپ بس ان لوگوں کو کام کرتا دیکھتے رہتے تھے۔ تو فینق نے بلند آواز میں موبائل پر گانے لگا رکھے تھے اسکو بھی نہیں ڈانٹ رہے تھے ورنہ عام حالات میں اسے تاکید کرتے رہتے تھے کہ آواز باہر نہیں جانی چاہیے حالانکہ اکثر وہ مینڈ زفری لگا کر مصروف رہتا تھا۔ حبیب اور رضا ذرا اسی بات پر جھگڑ رہے تھے لیکن ماسٹر

جی نے ایک دفعہ بھی انہیں نہیں گھورا تھا۔

”کوئی کام ہے کیا۔۔۔ فرماؤ۔۔۔ ورنہ جاؤ“ وہ سادہ سے انداز میں بولے۔ ان کا پورا وجود جیسے تھکا تھکا سا لگتا تھا۔ رب نواز آگے بڑھا اور ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا

”آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے ماسٹر جی۔۔۔“ وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اسے انکے مزاج کی بڑی پہچان تھی۔ وہ ایک عرصہ سے ان کے پاس کام کر رہا تھا حالانکہ اس کے پاس اتنا سرمایہ تھا کہ کہیں بھی اپنی ذاتی دوکان بنالیتا لیکن اسے ان سے لگاؤ بھی بہت تھا۔ وہ بہت احساس کرنے والے نیک آدمی تھے۔ وقت پر تنخواہ دیتے تھے، دونوں عیدوں پر بونس دیتے تھے اور عیدوں پر ان سب کو ایک ایک نیا جوڑا سلوا کر دیتے تھے۔ بلاوجہ ڈانٹتے ڈپٹتے نہیں تھے اور سب سے بڑھ کر ان کی نگاہ میں حیا تھی۔ آدھانا سہی پونا کراچی سہی لیکن شہر کی خواتین میں ان کے کام کی پہچان تھی۔ لوگ دور دور سے کمپنوں کی سلائی کے لئے ان کے پاس آتے تھے اسکی وجہ صرف انکی سلائی نہیں تھی بلکہ انکی شرافت بھی تھی۔ ان کے گاہکوں میں ہمیشہ انکی شرافت کی تعریف ہوتی تھی۔ رب نواز نے اس دوکان پر بہت سی خواتین کو بھی آتے دیکھا تھا جو بیاہ کر دوسرے شہروں میں بلکہ صوبوں میں چلی گئی تھیں لیکن اپنے کمپنوں کی سلائی کے لئے ابھی انہی کے پاس آتی تھیں بلکہ کئی ایک شرعی پردے کی پابند خواتین بھی انہی کی دوکان سے کپڑے سلوانے کو ترجیح دیتی تھیں

”چلو۔۔۔ اب تمہیں بھی ٹھیک نہیں لگ رہے ہم۔۔۔ ہاں بھائی بہت خراب ہیں ہم۔۔۔ وہاں چوک میں لٹکا دو ہمیں“ اس کی بات کے جواب میں وہ بولے تھے۔ آواز میں معمول والی خوشی نہیں تھی۔ رب نواز نے بغور انکا چہرہ دیکھا۔

”میرا اشارہ آپکی طبیعت کی طرف تھا ماسٹر جی۔۔۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے آپکی طبیعت کچھ اچھی نہیں ہے ماسٹر جی۔۔۔ میں چائے بنادوں آپکو ماسٹر جی“ وہ ان کے پاؤں دابستے ہوئے بولنے لگا تھا۔ انہوں نے جھنجھلا کر پاؤں پیچھے کو کھسکا لئے

”کیا ماسٹر جی ماسٹر جی کی رٹ لگا رکھی ہے۔۔۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے جگر میں کر رہا ہے۔۔۔ چُپ نہیں رہ سکتا رب نواز۔۔۔ تو دخرم تو نادھیر“ وہ کسی اور ہی کیفیت میں تھے۔ رب نواز کے دل میں غدشات سراٹھانے لگے تھے۔

”آپ گھر چلے جائیں۔۔۔ میں سنہال لونگا سب یہاں۔۔۔ گھر جا کر آرام کریں“ اس نے انہیں مشورہ دیا تھا۔ وہ مزید جھنجھلا گئے

”اوتے تیرا مسئلہ کیا۔۔۔ تو جا یہاں سے۔۔۔ ٹھیک ہوں میں۔۔۔ کہہ تو رہا ہوں کہ سب ٹھیک ہے۔۔۔ سب ٹھیک ہو گیا ہے“ وہ

ناراضی بھرے لہجے میں بولے تھے

”وہ تو نظر آ رہا ہے کہ کتنے ٹھیک ہیں۔۔۔ بیوقوف سمجھتے ہیں مجھے۔۔۔“ وہ ناراض ہوا

”ہاں۔۔۔“ ماسٹر جی نے یک لفظی جواب دیا تھا۔ رب نواز اٹھ کر ان کی پشت پر جا کھڑا ہوا اور ان کے کندھے دبائے شروع

کردے

”بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں۔۔۔ انسانوں کی اتنی اچھی پرکھ ہے آپکو۔۔۔ ایک کے علاوہ آپکی کسی رائے سے کبھی اختلاف نہیں کیا میں نے آج تک۔۔۔“ وہ سمجھ گیا تھا کہ ماسٹر جی کسی بات سے الجھے ہوئے ہیں۔ اس لئے بس ان کا درد بانٹنے کو باتیں کرنے لگا تھا۔

”بس ایک تو ہی مداح ہے میرا۔۔۔ لیکن بھلا ایک مداح سے کیا ہوگا۔۔۔ ایک سے تو مشاعرہ تک نہیں لوٹا جاسکتا۔۔۔ اور میں بیٹے کے لئے بڑ مانگنے نکلتا تھا“ وہ بہت آزرده ہو رہے تھے۔ رب نواز کو ساری بات تو سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اسے یہ پتا ضرور چل گیا تھا کہ ماسٹر جی کی مغموں طبیعت کا تعلق ان کے گھر سے ہے۔ اسے حیرت بھی ہوئی کیونکہ اسے ماسٹر جی کے گھریلو حالات سے مکمل واقفیت تھی۔ وہ ایک شفیق باپ اور بہت ہی نرم مزاج شوہر تھے۔ بی بی صاحبہ اور ایش بھائی کو کبھی ان سے کوئی شکایت نہیں ہوتی تھی۔

”میں صرف مداح نہیں ہوں آپکا۔۔۔ میں تو عاشق ہوں آپکا۔۔۔ آپکو پتا ہے نامیرا بہنوئی ہوتا ہے سکھر میں۔۔۔ کب سے کہہ رہا ہے کہ سرمایہ میں دیتا ہوں رب نواز۔۔۔ تو بس اپنی دوکان بنا لے۔۔۔ لیکن میں نہیں بنا سکتا۔۔۔ میں تو بس آپ کے پاس ہی رہونگا۔۔۔ آپ میرے لئے استاد ہی نہیں ہیں۔۔۔ آپ تو میرے باپ کے جیسے ہیں۔۔۔ میں نے اپنے باپ کو تو نہیں دیکھا لیکن اگر وہ زندہ ہوتا تو میری خواہش ہے کہ وہ بالکل آپکے جیسا ہوتا۔۔۔ اس لئے نہیں ماسٹر جی کہ آپ ایک اچھے باپ ہیں۔۔۔ بلکہ اس لئے کہ آپ ایک اچھے انسان ہیں۔۔۔ سارے زمزمہ میں کسی دوکان کا مالک ایسا نہیں ہوگا جو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کوئی چیز لینے سے پہلے اپنے نوکروں کے لئے چیز خریدے۔۔۔ لیکن آپ ایسا کرتے ہیں۔۔۔ ہمارے عید کے کپڑے ایش بھائی کے عید کے کپڑوں سے پہلے سل کر تیار ہو جاتے ہیں۔۔۔ سارے زمزمہ میں کسی مالک نے اپنے نوکروں کے والدین کو حج کروانے کے لئے، انکی بہنوں کی شادیوں کے لئے یا بیمار یوں میں مدد کے لئے الگ سے ایک گلہ نہیں رکھا ہوگا لیکن آپ نے رکھا ہوا ہے۔۔۔ آج تک کبھی ایسے ہوا کہ آپ نے مرغی کھائی ہو اور ہمیں دال نصیب ہوئی ہو۔۔۔ نہیں۔۔۔ جب جب آپ نے مرغی کھائی ہمیں بھی مرغی ہی کھلائی اور جب جب ہم نے دال کھائی۔۔۔ آپ نے بھی ہمارے ساتھ وہی کھائی۔۔۔ انسان دولت جائیداد سے۔۔۔ روپے پیسے۔۔۔ رنگ روپ۔۔۔ کام کاج۔۔۔ اونچ نیچ۔۔۔ حسب نسب سے نہیں بنتے ماسٹر جی۔۔۔ اگر بنتے ہوتے تو میرے نبی نے آخری خطبہ ایسا نادیا ہوتا کہ برتری صرف تقویٰ کو حاصل ہے۔۔۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا ماسٹر جی کہ انسان تو دل سے بنتے ہیں۔۔۔ جس کا دل اللہ والا ہے نا۔۔۔ پرہیزگار، محبت کرنے والا۔۔۔ اخلاص برتنے والا۔۔۔ بس وہی انسان ہے۔۔۔ اور آپ سے بڑھ کر میں نے کوئی معتبر انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔۔۔ آپ تو میرا فخر ہیں ماسٹر جی۔۔۔“ وہ ان کے شانے دباتے دباتے جانے کیا کیا کہتا چلا جا رہا تھا۔ اسے پتا بھی نا چلا تھا کہ ماسٹر جی کی ٹھیں بالکل بھیگ گئی تھیں

”چُپ کر جا رب نواز یا۔۔۔ میں بھی بڑا معتبر بنا پھر تا تھا۔۔۔ لیکن میں نے اپنی اولاد کو ذلیل کروا دیا۔۔۔ بڑی بے عزتی ہو گئی میری وجہ سے اسکی۔۔۔“ انکی آواز گلو گئی تھی۔ رب نواز کے تیزی سے چلتے ہاتھ کچھ مدمم ہوئے۔ اس نے کن انکھوں سے انکے چہرے کو دیکھنا چاہا جو کہ پشت سے ممکن نا تھا لیکن اسے یقین ہو گیا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے ورنہ اتنا سنجیدہ و رنجیدہ اس نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”میرا درزی ہونا میرے پیٹے کے لئے گالی بن کر رہ گیا ہے رب نواز۔۔۔ جو میں نے زندگی بھر نہیں سوچا تھا۔۔۔ وہ ہو گیا میرے ساتھ۔۔۔ میرا بچہ کیا سوچتا ہو گا میرے بارے میں۔۔۔ اکو اک میرا شہزادہ پُتر ایسی ایسی باتیں سن کر آیا ہے کہ دل میں ضروری سوچتا ہو گا کہ اس درزی باپ سے تو اچھا تھا یتیم ہو جاتا۔۔۔“ انکا لہجہ اتنا بھیکا ہوا تھا کہ رب نواز کے دل کو دھکا سا لگا۔ وہ تڑپ کر ان کے سامنے آگیا اور ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گیا۔

”مجھے نہیں پتا مسٹر جی۔۔۔ آپ کے دل میں کیا کیفیت چل رہی ہے۔۔۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں یا کیا سوچتے ہیں۔۔۔ لیکن میں اس کام سے بے حد خوش ہوں۔۔۔ مجھے اس کام سے زیادہ آج تک کوئی کام اچھا نہیں لگا۔۔۔ اس میں بے ایمانی کرو تو فوراً پتا چل جاتا ہے۔۔۔ ایک انچ کی غلطی بھی پہلی نگاہ میں سامنے آجاتی ہے اور پھر ذرا سی اونچ نیچ ہو جائے تو لوگ جواب طلبی کرنے آجاتے ہیں۔۔۔ آپکو ڈر ہی لگا رہتا کہ کہیں کوئی خامی نارہ جائے۔۔۔ یعنی بہت محتاط رہنا پڑتا ہے کیونکہ ایک ایک بخیر کے لئے آپ گاہک کو جواب دہ ہوتے ہیں۔۔۔ آپ خود سوچیں مسٹر جی جس کام میں غلطی کی گنجائش ہی نا نکلتی ہو۔۔۔ اسے تو بہت دھیان سے کرتا ہے نا انسان۔۔۔ بہت نیت لگا کر۔۔۔ پورے اخلاص کے ساتھ۔۔۔ تو پھر ایسے کام میں چارونا چار حرام کمائی کے مواقع بے حد کم ہو جاتے ہیں۔۔۔ یقین کریں مسٹر جی اس سے زیادہ اعلیٰ کام کوئی ہو ہی نہیں سکتا جس میں حرام کمائی کے مواقع کم سے کم ہوں۔۔۔“ وہ انکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بہت آہستہ آہستہ اپنی بات مکمل کر رہا تھا۔

”رہن دے رب نواز یا! وہ زمانہ گھیا۔۔۔ اب تو درزی ہونا گالی سی لگنے لگا ہے۔۔۔ بھلا بتاؤ کیا کمتر پیشے والا انسان رشہ بھی نہیں مانگ سکتا اپنی اولاد کا۔۔۔ اتنا گھیا گزرا ہوتا ہے درزی“ وہ لا چاری بھرے لہجے میں بولے تھے۔ اس نے ان کی بات کی تردید کرنے کے لئے سختی سے نفی میں گردن ہلاتی

”آپ غلط سوچ رہے ہیں مسٹر جی۔۔۔ آپ کمتر نہیں ہیں۔۔۔ اور کوئی کام بھی کمتر یا برا نہیں ہوتا۔ میں جب مدر سے جاتا تھا تو ہمارے قاری صاحب کہا کرتے تھے کہ جس پیشے سے بھی انسان کو حلال کمائی ملتی ہونا۔۔۔ وہ چھوٹا نہیں ہو سکتا۔۔۔ کیونکہ کمائی کا حلال ہونا شرط ہے۔۔۔ پھر چاہے آپ جہاز چلائیں یا سلائی مشین۔۔۔ آپ ایک برابر ہیں۔۔۔ آپکی ایک جتنی عزت ہے۔۔۔ طیب سوئی سے زخم پوشی کرتا ہے اور دس سے بارہ دن میں زخم بھرتے ہیں۔۔۔ درد جاتا ہے۔۔۔ اور درزی سوئی سے ستر پوشی کرتے ہیں اور چند لمحوں میں پردہ ہو جاتا ہے۔۔۔ کسی کا پردہ رکھنا تو بڑائی والی کام ہے مسٹر جی۔۔۔ آپ خود بتائیں ستر پوشی کرنا کیا کوئی ادنیٰ کام ہو سکتا ہے۔ مان لیجئے مسٹر جی! یہ پیشہ ادنیٰ نہیں ہو سکتا۔۔۔ یہ پردہ داری والا کام ہے۔۔۔ آپ لوگوں کی بے لباسی کو لباس فراہم کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔۔۔ آپ کیوں خود کو کمتر سمجھتے ہیں۔۔۔ میرے نبی نے تو جو تے بھی گانٹھے، پیوند بھی رفہ کئے۔۔۔ اینٹیں بھی ڈھوئیں اور بکریاں بھی چرا لیں۔۔۔ مچھلیاں بھی پکڑیں اور بھیڑیں بھی پالیں۔۔۔ انہوں نے تو سارے کام سر اٹھا کر کئے، فخر سے کئے کہ خدا نے کسی کام سے نہیں روکا تھا بلکہ

حرام سے روکا تھا۔ اس نے رک کر انکا چہرہ دیکھا پھر نرمی سے بولا

”کوئی بھی کام بڑا نہیں ہوتا۔۔۔ حرام بڑا ہوتا ہے اسلئے کام کو بڑا نہیں سمجھتے ماسٹر جی۔۔۔ حرام کو بڑا سمجھتے ہیں۔۔۔ حلال کمائی والے سب ہی پیشے اچھے ہوتے ہیں۔۔۔ معتبر ہوتے ہیں۔۔۔ سب ہی پیشہ ور لوگ چاہے وہ موچی ہوں یا دھوبی۔۔۔ مزدور ہوں یا کھہار۔۔۔ سب ہی محنت کر کے اپنا رزق کشید کرتے ہیں۔۔۔ خون پینہ بہا کر اپنی آل کے لئے کماتے ہیں۔۔۔ اسلئے میرے لئے آپ اور میرا پیشہ دونوں بہت معتبر ہیں۔۔۔ آپ سمجھ رہے ہیں میری بات؟“ وہ ان سے پوچھ رہا تھا۔ ماسٹر جی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے الفاظ نے انکے حوصلے کو کافی بلند کر دیا تھا۔ چند دن سے جو بیزاری ان پر سوار تھی پھٹنے لگی تھی۔ انہوں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔ رب نواز انکے چہرے کی جانب ہی دیکھ رہا تھا

”اتنے دن ہوئے میں نے کوئی میٹھی چیز نہیں کھائی۔۔۔ دماغ بند ہو گیا ہے میرا۔۔۔ مجھے کہاں سمجھ میں آئیں گی تیری باتیں۔۔۔ پہلے جلیبی لے کر آ۔۔۔ پھر پوچھنا ایسے سوال۔۔۔“ وہ بولے تھے۔ رب نواز کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی

”ابھی لے کر آتا ہوں“ وہ فوراً باہر کو لوٹا۔

”کوئی کام بڑا نہیں ہوتا۔۔۔ حرام بڑا ہوتا ہے“ رب نواز کے الفاظ جیسے ان کے گرد پھیلے رہ گئے تھے۔ انہیں یکدم ہر طرف روشنی سی محسوس ہونے لگی تھی۔



تمہیں کچھ کہنا ہے؟“ التمش نے زمین کے چہرے کی جانب دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے لٹھ مار انداز میں کہا تھا۔ اپنے لہجے کی تلخی اور تیشی کو چھپانے کی اس نے کوئی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ زمین کا حلیہ بتانے کو کافی تھا کہ وہ کس قدر بے چین ہے۔ اس کے چہرے پر آرائش کا کوئی سامان موجود نہیں تھا۔ بالوں کو بھی اجڑے بچڑے جوڑے کی شکل میں باندھ رکھا تھا۔ دو دھیانگ کی سنہری سنہری بنوں والی شکتوں بھری شرٹ کے ساتھ میروں ٹاؤرز پہنے وہ بالکل نڈھال سی لگ رہی تھی۔ التمش کے دل کو اسے اس حال میں دیکھ کر بے پناہ سکون ملا تھا لیکن میڈم تہمینہ کے ہاتھوں جو بے عرتی اس نے سہی تھی وہ ابھی بھولی نہیں تھی اسے اور کبھی بھولنے والی بھی نہیں تھی۔ وہ جان بوجھ کر مقرر کردہ وقت سے کچھ تاخیر سے اس کا فی ثاپ میں پہنچا تھا جہاں زمین نے اسے آنے کے لئے کہا تھا اور آتے ساتھ ہی اس نے جیسے یلغار کرنے والے انداز میں گھٹگو شروع کر دی تھی جو کہ زمین کی توقع کے برخلاف تھا

”میں کہوں۔۔۔؟“ اسکے چہرے پر طنز کی پرچھائیاں چمکی تھیں پھر بات کو مزید بڑھاتے ہوئے استفہامیہ انداز میں کہنے لگی

”سبیا مجھے کچھ کہنا چاہیے؟“ اس نے انتہائی بڑا امان کر ”کچھ“ پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ چونکہ اس نے خود رابطہ کر کے صلح کی پہل کر لی ہے تو التمش کا رویہ مثبت ہو گا اور وہ اپنی بدتمیزی پر معذرت کر لے گا اور جیسے چیزیں ایک خراب دن نے بگاڑ

ڈالی تھیں ویسے ہی ایک اچھا دن سب معاملات کو سدھار دے گا اور سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا

اتمش چند ٹانے تو مسخرانہ انداز میں اسکا چہرہ دیکھتا رہا پھر کرسی پر بیٹھے ہوئے بولا

”ارے نہیں۔۔۔ تم کیوں کچھ کوگی بھلا۔۔۔ اور باقی بچا ہی کیا ہے کہنے کے لئے۔۔۔ سب کچھ کہہ تو دیا تھا تمہاری والدہ محترمہ نے۔۔۔“ زمین نے اس کے بلند لہجے پر غاف ہو کر ادھر ادھر دیکھا تھا۔ لنچ کا وقت تھا اس لئے فوڈ کورٹ میں لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بڑھنے لگا تھا

”ماما نے ایسا بھی کیا کہہ دیا تھا کہ تم آؤٹ آف کنٹرول ہی ہو گئے۔۔۔ اور کھانا بھی نہیں کھایا۔۔۔ تمہیں اندازہ بھی ہے کہ کتنی انسٹ ہوئی ہے تمہاری وجہ سے میری۔۔۔ تمہاری وجہ سے کتنی باتیں سننی پڑی ہیں مجھے“ زمین ضبط سے کام لیتے ہوئے کچھ کہہ ہی رہی تھی کہ اتمش نے اسکی بات کاٹ دی

”تمہاری انسٹ۔۔۔“ وہ ایک بار پھر غرا کر بولا

”زمین بی بی انسٹ میری ہوئی ہے۔۔۔ میرے پرنس کی ہوئی ہے۔۔۔ تم کھانے کی بات کر رہی ہو۔۔۔ ہم سے تو وہ چائے ختم نہیں ہو رہی تھی جو تمہاری والدہ محترمہ نے احسان جتاتے ہوئے سامنے رکھ دی تھی۔۔۔ انکا انداز دیکھا تھا تم نے اور پھر بھی تم مجھ سے شکوہ کر رہی ہو۔۔۔ ایک نظر ان کے رویے پر بھی غور کر لینا تھا ذرا۔۔۔“ وہ سخت ناراض لہجے میں کہتے کہتے ایک لمحہ کے لئے رکا پھر بولا

”معاف کرنا زمین لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی۔۔۔“ وہ جان بوجھ کر لفظ ”ال مینرڈ“ کہتے کہتے رکا گیا تھا لیکن اسکے چہرے کے تاثرات نے زمین کو بخوبی باور کروا دیا تھا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔ اسے بے حد برا لگا لیکن اتمش مزید کہہ رہا تھا

”تم انکی غلطیاں نکلانے کی بجائے ذرا اپنے رویے کی بھی وضاحت کر دو۔۔۔ تم نے کتنی بد تمیزی کی تھی ان کے ساتھ۔۔۔“ وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ سی ہو گئی

”میں نے کوئی بد تمیزی نہیں کی۔۔۔ بلکہ انہوں نے کی۔۔۔ تم خود سوچو کہ وہ کس قدر تنھیک کے ساتھ میرے پرنس سے پیش آ رہی تھیں۔۔۔ ہم خود نہیں آتے تھے۔۔۔ بلوائے گئے تھے۔۔۔ اور وہ ہم سے ایسا سلوک کر رہی تھیں جیسے ہم زبردستی ان کے محل میں گھس آتے ہوں۔۔۔ چار بار انہوں نے مجھے اوپر سے نیچے دیکھ کر پوچھا ہو گا کہ۔۔۔ ماسٹر جی یہ واقعی آپکا بیٹا ہے۔۔۔ اور پھر یہ سوال کرتے ہوئے وہ مسخرانہ انداز میں تمہیں دیکھ دیکھ کر ہنستی کیوں تھیں۔۔۔ مجھے کیا سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا جتنا ناچا رہی تھیں۔۔۔ تین بار انہوں نے انتہائی طنزیہ انداز میں مجھے ”پیارے افضل“ کہا۔۔۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں کیا مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔۔۔ کب تک برداشت کرتا میں۔۔۔ ہاں بھی مان لیا بہت امیر میں وہ۔۔۔ بہت پیسہ ہے ان کے پاس۔۔۔ لیکن یاد رہے میں بھی پھونک مار کر اڑایا جائیگا جہاز نہیں ہوں“ وہ انگلی سے اسکی جانب انتباہ کرنے والے انداز میں کہتا ہوا ایک بار پھر رکا۔ اسکی آنکھوں سے انکارے نکل رہے تھے۔ ایسی تحقیر تو اس نے کبھی نا

سہی تھی

”کتنی ہتک محسوس ہو رہی تھی مجھے اپنی باتیں سن کر۔۔۔ اپنی امی اور ماسٹر جی کے سامنے۔۔۔ یہ کوئی بات تھی کرنے والی کہ مجھے انسانوں کی بالکل صحیح پرکھ ہے۔ میں تو انسان کا چہرہ دیکھ کر ہی بتا دیتی ہوں کہ وہ مسکلی ہے یا چوڑا۔۔۔“ اتمش کو نئے سرے سے جیسے سارے حساب کتاب یاد آ گئے تھے۔ زمین نے گہری سانس بھر کر توانائی جمع کی۔۔۔ وہ تو اس کے سامنے جیسے پنچایت لگا کر بیٹھ گیا تھا اور جب جرح شروع ہو ہی گئی تھی تو بہتر تھا کہ ساری جمع تفریق ابھی ہی کر لی جاتی

”تم نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اتمش۔۔۔ کتنا روڈی جواب دیا تھا تم نے انہیں کہ رہنے بھی دیں مسز تھمینہ آپ ذات برداری کی بات کرتی ہیں۔۔۔ آپ جیسے لوگ تو دو ہوا ٹھے دیکھ کر یہ نہیں بتا سکتے کہ آلودہ کونسا ہے اور مولی والا کونسا۔۔۔ آپ بچپائی کی لوگوں کو۔۔۔“ اس نے جتنا کر کہا تھا۔ اتمش کے چہرے پر ہتک آمیز مسکراہٹ مزید بڑھ گئی تھی

”یہی پرفیکٹ جواب تھا۔۔۔ انکو بھی پتا چلنا چاہیے تھا کہ اکیلی وی سیٹھانی نہیں ہیں شہر کی۔۔۔ ہم بھی گئے جاتے ہیں معززین میں۔۔۔ اگر آدھا شہران کی تعظیم میں جھکتا ہے تو باقی آدھا ہمیں بھی سلام کئے بغیر آگے نہیں جاتا۔۔۔ اور وہ ہمیں کس طرح ٹریٹ کر رہی تھیں جیسے سارے تھانوں میں ہماری ہی تصویریں تو لگی رہتی ہیں۔“ وہ ہر جملہ ایسے ادا کرتا تھا کہ زمین کو نئے سرے سے بات کرنی مشکل ہو جاتی تھی

”تم کسی باتیں کر رہے ہو اتمش۔۔۔ تمہیں تو ذرا بھی افسوس نہیں ہے اپنے رویے پر۔۔۔“ وہ زچ سی ہو گئی۔ اسکا خیال تو تھا کہ اتمش شرمندہ ہو گا مگر یہاں صورتحال ہی مختلف تھی۔

افسوس کس بات کا۔۔۔ میں نے خود سے کسی چیز کا آغاز نہیں کیا۔۔۔ اتنا بد تمیز نہیں ہوں میں۔۔۔ طبل جنگ انہوں نے بجایا تھا اور پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں میں۔۔۔ اب معرکہ ہو گا اور بھرپور ہو گا۔۔۔ میں نے جو بھی کہا وہی کہنا چاہیے تھا مجھے

۔۔۔ اور تم مجھے لتاؤنے کی بجائے اپنی ٹریننگ پر زور دو۔۔۔ انہیں سکھاؤ کہ تمیز سے بات کیسے کی جاتی ہے۔۔۔ گھڑ آئے ہوئے مہمانوں کو کیسے ٹریٹ کیا جاتا ہے۔۔۔ اور شادی جیسے سینیٹیو ایڈو پیسیڈ پارٹی سے گفتگو کرنے کا کیا طریقہ ہوتا ہے۔۔۔ لیکن وہ کیوں سیکھیں گی ابھی۔۔۔ وہ تو میڈم تھمینہ ہیں۔۔۔ دامیڈم تھمینہ اس نے انتہائی بد تمیزی سے کہا تھا۔ زمین کو بہت برا لگا۔ ایسی بد لگائی اس نے اتمش کو پہلے کرتے نادیکھا تھا۔ اسکا چہرہ سرخ ہو چلا تھا

”تم تو تم بھی نہیں ہو اتمش۔۔۔ اور سیکھنا تو تمہیں بھی بہت کچھ چاہیے۔۔۔ سب سے پہلے تم یہ سیکھو کہ اس طرح کے معاملات میں جھوٹ نہیں بولا کرتے۔۔۔“ اتمش نے غر کر اسکی بات کاٹی

”جھوٹ۔۔۔؟ میں جھوٹ نہیں بولتا زمین صاحبہ!“

”تو پھر تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا کہ تمہارے فادر پچر نہیں بلکہ۔۔۔“ وہ جان بوجھ کر چُپ ہو گئی جیسے منہ سے مزید کوئی لفظ نکالنا تو

زبان داغدار ہو جائیگی" اتمش کے چہرے کے تیور مزید جارحانہ ہو گئے

"بلکہ۔۔۔ کیا بلکہ؟ بات پوری کرو" اس نے اسی انداز میں کہا تھا

"میں ابھی تک شاک میں ہوں اتمش۔۔۔ میں تو تمہارے فادر کو بہت عالم فاضل سمجھتی تھی۔۔۔ اور وہ تو۔۔۔ درزی ہیں" اس نے انتہائی تحقیر آمیز انداز میں اگل ڈالا تھا۔ یہی بات تو اسکی سب سے بڑی پریشانی بنی ہوئی تھی۔

"تم سوچو تو سہی کہ میری اپنی پوزیشن کتنی آکورڈ ہو گئی ہے ماما کے سامنے۔۔۔ میں تو ماما کے سامنے شرمندگی سے سر نہیں اٹھا

پارہی۔۔۔ تمہیں پتا ہے وہ ہمارے خاندانی درزی ہیں۔۔۔ سب جانتے ہیں انہیں۔۔۔ ہمارا سارا خاندان ان کے ہاتھ کے سلے کپڑے پہنتا

ہے۔۔۔ شادی بیاہ ہر چھ چھ مہینے پہلے سے ہم اپنے کپڑے ان کی شاپ پر دے جاتے ہیں۔۔۔ میری پچھو کی شادی کا، میری خالہ کی شادی کا

۔۔۔ چچی کی شادی کا۔۔۔ اور جتنی بھی میرڈ کنز ہیں نا۔۔۔ ان کی شادی کے لہنگے ماسٹر جی کی شاپ پر سلائی ہوئے ہیں۔۔۔ سارا خاندان ماسٹر

غلام حسین سے واقف ہے۔۔۔ سب کو پتا ہے کہ وہ درزی ہیں۔۔۔ اور۔۔۔" وہ لہجہ بھر کے لئے چُپ ہوئی تھی

"اور۔۔۔ بات مکمل کرو زرمین۔۔۔ کیا اور۔۔۔" اتمش نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ اسکی آنکھوں میں تیز دھار آلے جیسی کاٹ تھی

۔ اسکی آنکھیں اتنی سُرخ ہو رہی تھیں کہ زرمین کو اس سے خوف آیا

"اور تم ایک درزی کے بیٹے ہو۔۔۔ اتمش۔۔۔ یہ بہت شائستگی ہے میرے لئے۔۔۔ ماما تو ایک اسکول ٹیچر کے بیٹے کے لئے

راضی نہیں تھی اور یہاں تو معاملہ بی الٹ ہو گیا ہے۔۔۔ میری کسی درزی کے بیٹے سے شادی ہمارے خاندان میں کبھی نا بھولنے والا واقعہ

بن جائیگی۔۔۔ تمہیں یہ بات چھپانی نہیں چاہیے تھی۔۔۔" وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔ اتمش کو جیسے اب سمجھ میں آیا تھا کہ ماسٹر جی کا غریب ہونا انہیں

بلکہ اصل میں "ماسٹر جی" ہونا سارے فساد کی جڑ تھی

"ایکسکیوز می۔۔۔ درزی ہونا کوئی گالی نہیں ہے۔۔۔ اور میں نے کبھی چھپایا بھی نہیں تھا۔۔۔ اتمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ دوغلا پن

سمجنا نہیں مجھ پر۔۔۔ ہمیشہ بتایا تمہیں کہ میرے والد کو زمانہ ماسٹر جی کہتا ہے۔۔۔ بلکہ میں تو خود انہیں ماسٹر جی ہی کہہ کر پکارتا آیا ہوں۔۔۔" وہ

ایک لمحے کے لئے چُپ ہوا پھر اسکا چہرہ بغور دیکھا۔

"یہی تو غلطی ہو گئی مجھ سے۔۔۔ میں سمجھ کیوں نہیں پائی کہ تم اپنے فادر کو ماسٹر جی اس وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہتے ہو" وہ خود

ہی اپنا موقف ٹھیک سے بیان نہیں کر پارہی تھی لیکن اس کے باوجود اتمش اسکی بات بہت اچھی طرح سمجھ چکا تھا

"تم اس کو بویا اس کہو۔۔۔ وہ میرے باپ ہی رہیں گے اور مجھے ان پر فخر ہے۔۔۔ بخدا زرمین مجھے پتا نہیں تھا کہ تمہارے لئے مجھ

سے زیادہ میرے باپ کا پروفیشن میٹر کرتا ہے۔۔۔ مجھ سے زیادہ تمہارے لئے اس بات کی اہمیت ہے کہ میرے باپ کیا کرتا ہے ورنہ میں

تمہیں ہر روز تاکید سے بتایا کرتا۔۔۔ مجھے تو حیرت ہے کہ اتنی سی بات سے تمہارا سارا عشق اڑ نچھو ہو گیا۔۔۔ یعنی درزی کے بیٹے سے محبت کرنا

بھی گناہ ہو گیا لوگوں کے لئے۔۔۔ واہ! اسکا لہجہ آج دینے لگا تھا۔ اسکے کانوں کی لویں سرخ ہو چلی تھیں۔ زمین کو اسے دیکھ کر بھی دکھ ہوا تھا۔
 عشق اڑنچھو نہیں ہوا! التمش۔۔۔ یہ کیسے کہہ سکتے ہوتے۔۔۔ وہ روہی پڑی تھی۔ التمش نے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ سجا کر ہنکارا بھرا
 ”اونہ۔۔۔ بی بی آپ وہی ہیں نا۔۔۔ جو محبت کے بڑے بڑے دعوے کیا کرتی تھیں۔۔۔ میرے ساتھ گولہ بھنڈائی ریڑھی لگانے
 کو بھی تیار تھیں۔۔۔ اور اب اس بات سے خائف ہیں کہ میرا باپ ایک درزی ہے۔۔۔ اور بائی داوے اگر کسی کا باپ درزی ہے تو اسکا یہ مطلب
 تو نہیں کہ کسی کی ماں کو بے عرتی کرنے کا لائسنس مل جائے۔۔۔ درزی ایک پیشہ ہے۔۔۔ گالی نہیں ہے۔“

اس انداز میں بات نہیں کرو! التمش۔۔۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے میرے درمیان صدیوں کا فاصلہ حامل ہو گیا ہو۔۔۔ محبت
 کرتی ہوں میں تم سے۔۔۔ بے پناہ محبت۔۔۔ لیکن تم میرا پوائنٹ آف ویو بھی تو سمجھو۔۔۔ میرا سارا خاندان میرا مذاق اڑائے گا۔ وہ اسکی بات
 کاٹ کر بولی اور پھر ضبط کے سارے بندھن جیسے ٹوٹ گئے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ التمش کے دل کو کچھ ہوا۔ اتنے دن سے وہ
 بھی تو کانٹوں پر لوٹ رہا تھا۔ کوئی سراہی ہاتھ نا آتا تھا کہ ہوا کیا۔۔۔ وہ مالی حیثیت میں ان سے کم تھے لیکن پھر بھی اس سلوک کے مستحق نا تھے
 ۔۔۔ آج اسکی سمجھ میں آیا تھا کہ اصل بات تو ”یہ تھی۔ اس نے زمین کے پچکیاں لیتے وجود کی جانب دیکھا۔ وہ اس سے دامن نہیں چھڑوا سکتا تھا
 ۔۔۔ واقعی اس سے محبت کرتا تھا۔ اسکی دوبارہ کبھی شکل نا دیکھنے کے، اس سے بات نا کرنے کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ
 گئے تھے۔

”اب رونا تو بند کرو۔۔۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔۔۔ کیا سوچتے ہو گئے میرے بارے میں۔۔۔ پلیز زمین۔۔۔“ وہ مسلسل رو رہی تھی
 التمش کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا

”اچھا ٹھیک ہے روتی رہو۔۔۔ میری ذات کے وہ پرچے جو تمہاری اماں نے بچا دئے تھے، وہ تم اڑاؤ“
 اس کے رونے سے اتنا اطمینان تو ضرور ہوا تھا کہ دل میں اسکی محبت کا یقین مزید پختہ ہو گیا تھا۔ یہ احساس ہو گیا تھا کہ نقصان
 دونوں کا ہی ہوا تھا۔ دونوں ہی عشق کی آتشزدگی کے متاثرین میں سے تھے۔

☆.....☆.....☆

”ممائی جان! میرا دل چاہ رہا ہے پکڑے بنانے کو۔۔۔ بنالوں؟“ اس نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ ٹی وی
 پر کوئی سیریل لگے نہ نہایت انہماک سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے سوال پر انہوں نے اسکی جانب دیکھے بنا نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ شرمندہ
 ہو گئی۔ دس دن ہو گئے تھے زمین والے واقعہ کو لیکن ان کے گھر کی صورتحال ابھی تک نارمل نا ہو سکی تھی۔ ماسٹر جی تو بالکل ہی بالکل غم غم
 ہو گئے ہوئے تھے۔ التمش کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔ وہ آفس کے لئے بھی جلدی کل جاتا تھا اور واپسی پر بھی تاخیر سے آنے لگا تھا۔ سونیا خود بھی
 اپنے کمرے میں محدود رہنے لگی تھی کہ کہیں ممائی جان اسے بھی کھری کھری نا سنا دیں لیکن وہ اس صورتحال سے استہوار تھی۔ سب ہی نارمل نظر

آنے کی کوشش کرتے تھے لیکن ہونہیں رہے تھے۔ اسے اس تناؤ والی کیفیت سے الجھن ہونے لگی تھی تب ہی اس نے ممانی جان سے کچھ بنانے کی فرمائش کر ڈالی تھی تاکہ ذرا ملاکلا کیا جاسکے لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ وہ چند لمحے اسی طرح بیٹھی رہی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو وہ اسے گھور رہی تھیں

”اگر پکڑے بھی اجازت لے کر ہی بنانے ہیں۔۔۔ تو بہتر ہے ناباؤ“ وہ طنز نہیں کر رہی تھیں۔ انہیں سونیا کا اتنا تکلف اچھا نہیں لگا تھا جبکہ سونیا ان کے لہجے سے پریشان ہو گئی تھی۔

”آپ ناراض ہیں مجھ سے۔۔۔؟“ اس نے پوچھ ہی لیا، انہوں نے فوراً نفی میں سر ہلایا

”تم سے کیوں ناراض ہونے لگی بھلا۔۔۔ تم سے بالکل بھی ناراض نہیں ہوں میں۔۔۔ بلکہ تمہاری جانب سے تو دل کو مزید سکون ہو گیا ہے کہ جولا کی میرے پیٹے کی مدد کے خیال سے جھوٹ بول سکتی ہے۔۔۔ وہ جب پیٹے کی مدد کرنے کو بچ بولا کرے گی تو اس گھر میں کتنی برکت ہو جائیگی۔۔۔ میں تو شکر ادا کر رہی ہوں کہ ابھی عطیہ کو اس پروگرام کی خبر نادی تھی ورنہ بات بنانی کتنی مشکل ہو جاتی۔۔۔“

ان کے لہجے میں اس قدر یقین اور بھروسہ تھا کہ لمحہ بھر کو سونیا کچھ بول ناسکی پھر اسے احساس ہوا کہ اس کا کچھ کہنا بہت ضروری ہے تو سر ملاتے ہوئے بولی

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں ممانی جان۔۔۔ بات یہ نہیں۔۔۔ انہوں نے اس کی بات کاٹنے میں لمحہ بھی نہیں لگایا تھا پھر اس کی بات کو قطعی رد کرتے ہوئے بولیں

”میں جانتی ہوں بات یہ نہیں تھی۔۔۔ بات وہی تھی جو میں کہہ رہی ہوں کہ تم تو صرف اکتش کی مدد کرنا چاہ رہی تھی اور سچ کہوں تو ناراض میں اکتش سے بھی نہیں ہوں ہماری توین تو جو ہوئی سو ہوئی لیکن اس نے اپنی متوقع ساس کے ساتھ اس روز جو کیا ہے نا، اس نے میرے دل کو عجیب سا سکون بخش دیا ہے ورنہ اس کے ہر طعنے کے جواب میں ماسٹر جی کی خاموشی مجھے غصہ دلارہی تھی۔۔۔ ماسٹر جی کے دل میں بڑی عورت تھی میڈم صاحبہ کی لیکن وہ اب نہیں پوچھنے والی انکو۔۔۔ تم دیکھنا مہناز کا کہا کبھی غلط نہیں ہوتا۔۔۔ بیٹی دینا تو دور کی بات۔۔۔ وہ اب انہیں سلائی کے لئے ساڑھیاں بلاؤ زتک نہیں دینے والی۔۔۔ خیر چھوڑو سب کو۔۔۔ تم بتاؤ جھوٹ بولا تھا نا تم نے مجھ سے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو“ انہوں نے اس قدر پر یقین لہجے میں کہا کہ سونیا گڑبڑ اسی گئی۔ گزشتہ بار بھی ان دونوں کے درمیان یہ موضوع اُدھو راہ گیا تھا۔ سونیا اس متعلق زیادہ تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اس نے یہ ساری بات ابھی تک اپنی امی کو نہیں بتائی تھی بلکہ اس نے مہناز بیگم کو بھی یہی کہا تھا کہ وہ اس متعلق ابھی اس کی امی سے بات نا کریں۔ اگر اس کی امی کو ذرا سی بھی بھسک پڑ جاتی تو ان کا خفا ہو جانا بھی لازمی امر تھا۔ وہ واقعی کسی کو پسند کرتی ہوتی تو شاید برملا کہہ بھی دیتی لیکن اس موضوع پر مسلسل جھوٹ بولنا اسے اچھانا لگ رہا تھا۔ اسے اس بات کو ٹول دینا اس لئے بھی بڑا لگتا تھا کہ اس سے اس کی ماں کی تربیت پر حرف آتا تھا۔ اس کا اس بات پر مکمل ایمان تھا کہ کسی کو پسند کرنے میں کوئی برائی نہیں

ہوتی لیکن اس معاملے میں جھوٹ بولنا یا والدین کو اندھیرے میں رکھنا غلط تھا سوائیک ماموں کے بیٹے کی خاطر وہ اپنی ماں کو ان کی بچپن کی سیمپلی کے سامنے شرمندہ نہیں کروا سکتی تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ ممانی پرانے خواب دیکھنے میں کسی عجلت کا شکار ہوں سو اس نے بات بنانی چاہی

”آپ ابھی بھی غلط سمجھ رہی ہیں ممانی جان۔۔۔ میں واقعی۔۔۔“ اس نے بےجملت کہنا چاہا کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ممانی جان دوبارہ سے اسکی اور التمش کی شادی کے خواب دیکھنے لگیں اسی لئے وہ ایک من گھڑت نام لینے کو تیار ہی بیٹھی تھی کہ انہوں نے اسکی بات کاٹ دی

”یعنی ابھی بھی اعتراف نہیں کرو گی کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔ لیکن خیر جاؤ بنالو پکوڑے۔۔۔ پکوڑے بنانا مجھے الحق بنانے سے تو زیادہ ہی اچھا کام ہے“ وہ چُپ کی چُپ رہ گئی۔ مہناز بیگم دوبارہ سے ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں

”اور ہاں وہ میرے برخوردار بھی موجود ہیں آج۔۔۔ ان سے بھی پوچھ لو کہ غم بھانکنے سے فرصت مل گئی ہو تو کچھ کھاپنی لیں۔“ اسے باہر نکلتا دیکھ کر انہوں نے کہا تھا۔ سو نیا غاموشی سے کچن کی جانب آگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”کہاں سے آرہی ہے تشریف۔۔۔؟“ زرین کی مامانے اسے لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھ کر دور سے ہی کہا تھا۔ وہ پارلر جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ گہرے گریبان کے سادہ سے شلوار قمیض میں کاؤچ پر بیٹھی موبائل سے کھیلتی ہوئی وہ جانے کس کا انتظار کر رہی تھیں۔ زرین نے کوشش کی کہ چُپ چاپ لاؤنج کی سیڑھیاں چل کر اپنے کمرے تک چلی جائے لیکن انہیں نے دیکھتے ہی سوال مار دیا تھا۔

”نمیرہ کی طرف گئی تھی۔۔۔“ اس نے سادہ سے انداز میں جواب دیا۔ اسکا دل التمش سے ملاقات کے بعد کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔ اس نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ اس سارے مسئلے کا کوئی حل جلد ہی نکال لے گا۔ مسئلہ حل تو نہیں ہوا تھا لیکن دل ضرور مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ کافی دن بے چین رہنے کے بعد آج ہی ذرا پُر سکون ہوئی تھی اور اسکا چہرہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا۔ میڈم تھمینہ نے گھور کر اسے دیکھا

”میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ باہر جانے سے پہلے مجھے بتا کر جانا۔۔۔ ایک بار کبھی بات تمہیں کبھی سمجھ نہیں آتی نا؟“ وہ ناراضی بھرے لہجے میں گلہ کر رہی تھیں

”میں نے آپکو تلاش کیا تھا لیکن آپ شاید نہیں گئی ہوئی تھیں“ اس نے ابھی بھی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ جس کیفیت سے گزر رہی تھی اس میں اسے سب سے زیادہ انہی کی ضرورت تھی اور وہ اسکا خیال رکھ بھی رہی تھیں لیکن وہ اسکی جانب سے مشکوک بھی رہتی تھیں

”میں کہاں گئی ہوئی تھی۔۔۔ میں تو نہیں جاتی ہی نہیں ہوں۔۔۔ تمہاری وجہ سے سارا دن گھر میں رہتی ہوں کہ میری بیٹی کو آجکل میری سب سے زیادہ ضرورت ہے جبکہ تم۔۔۔“ انہوں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی پھر آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا

”اسی کجمنت سے ملنے گئی تھی نا“ انہوں نے جتاتے ہوئے اسی انداز میں شکوہ کیا تھا۔ زرین نے انکا چہرہ دیکھا۔ اس سے جھوٹ

نہیں بولا گیا تھا اور اسکی می کو اس کے چہرے سے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ جو سمجھ رہی ہیں وہی حقیقت ہے۔ ان کے چہرے پر پھیلے تناؤ میں مزید اضافہ ہوا۔

”واقعی۔۔۔ ہیں زمین؟۔۔۔ اسی کہنے سے مل کر آئی ہو۔۔۔؟“ وہ حیران و پریشان اسکا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ ابھی بھی خواہش کے باوجود کچھ بولنا پانی تھی۔ ان سے بھی کس بنیاد پر بحث کرتی۔۔۔ اگرچہ انش نے تسلی دی تھی لیکن وہ اپنا تصور سمجھنے اور تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا نا ہی زمین اسے یہ بات سمجھا پا رہی تھی کہ اس کے والد کا پیشہ اس کے لئے بے حد تک آمیز تھا۔ وہ ایک درزی گھرانے کی بہو کس طرح بن سکتی تھی۔ وہ تو اپنی ان کزن کی تضحیک کرنے میں سب سے آگے رہتی تھی جن کی شادیاں الگ گھرانوں میں ہوئی تھیں۔ اسی لاؤنج میں بیٹھ کر جانے کس کس کس بات پر مذاق اڑاتی رہی تھیں دونوں ماں بیٹی۔۔۔ اپنا جاہ جلال، حسب نسب انگلیوں پر گنا گنا کر کتنوں کی مٹی اسی لاؤنج میں بیٹھ کر پلید کرتی آئی تھیں وہ۔۔۔

فلاں قصائی کا بیٹا۔۔۔ فلاں دھوبی کا۔ فلاں نے جولاہوں میں بیٹی دے دی اور فلاں کہہ ماروں کے یہاں مٹی مٹی ہوئی جاری ہے۔ سرائٹھا کر، گردن سن کر ایسی باتوں پر جانے کتنے لوگوں کی بے عزتی کرتی رہتی تھیں وہ۔۔۔ زمین کو تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔ میڈم تھمینہ نے سر پیٹ لیا تھا

”زمین! تجھے کب عقل آئیگی۔۔۔ کب تو سمجھے گی کہ تیری ماں تیری دشمن نہیں ہے۔۔۔ چھوڑ دے اسکا بیچھا۔۔۔ کچھ ہاتھ نہیں آنے والا تیرے۔۔۔ کیوں نہیں سمجھتی تو۔۔۔ وہ کنکلا ہی نہیں کمی (کم ذات) بھی ہے۔۔۔ اور اوپر سے شکل بھی اچھی ہے کچھ چھو نہ کر۔۔۔ وہ جو چار پیسے کمائے گا۔۔۔ وہ بھی اپنی کریموں لوشنوں میں ضائع کر دیا کرے گا۔۔۔ چلو روپے پیسے کی پھر بھی خیر ہے۔۔۔ جو میرا ہے۔۔۔ وہ بھی تیرا ہی ہے۔۔۔ پورا کرتی رہو گی تیرا۔۔۔ لیکن خاندان والوں کو کیا منہ دکھائیگی۔۔۔ کیسے سامنا کرے گی انکا۔۔۔ کیسے برداشت کرے گی ان کے طعنے۔۔۔ وہ تو باتیں سنا سنا کر تیرا جینا دو بھر کر دیں گے زمینے۔۔۔ تیرے تائے چاچے کی بیٹیوں نے ہی طعنے دے دے مار دینا ہے تجھے۔۔۔ اور پھر وہ تیری خالہ جو اتنے چاؤ سے اپنے دیور کا رشتہ لاتی تھی۔۔۔ اس دو ٹکے کے درزی کی اولاد کو دیکھ کر اسکی تو فطری ہی کچا کھائیں گی تجھے۔۔۔ کیسے برداشت کرے گی۔۔۔“ وہ تو دہائیاں دینے لگی تھیں۔ زمین نے ان سب باتوں پر پہلے ہی کافی سوچ بچار کر لی ہوئی تھی اور سوچ سوچ کر ہی اسکی یہ حالت ہوئی جاری تھی۔ اس کے آگے کتواں تھا تو پیچھے بھی کھائی نہیں بلکہ کھائیاں تھیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ میڈم تھمینہ اپنی جگہ چھوڑ کر لپک کر اس کے قریب آئیں۔ وہ ناراض تو تھیں اس سے۔۔۔ لیکن اکلوتی بیٹی تھی۔۔۔ اسکی آہ و زاریاں بھی برداشت نہ ہوتی تھیں ان سے۔۔۔

”ہا۔۔۔ میری بیٹی۔۔۔ روتی کیوں ہو۔۔۔ رونے سے کیا ہو جائیگا۔۔۔ مت رو میری جان“ وہ اسکا سراپہ کندھے سے لگا کر اسے پچکارنے لگیں تھیں۔ زمین اتنی سی تسلی پا کر مزید رونے لگی تھی۔ اس کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

”میں ہوں نا میری بچی۔۔۔ میں سنبھال لوں گی سب۔۔۔ دفع کر اس کنگلے کو۔۔۔ اچھا ہوا جان چھوٹ گئی“ انہوں نے اسکی پشت تھپتھپائی تھی۔

”مئی! میں کیا کروں۔۔۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔۔۔ میرے ساتھ ہی کیوں ہوا ایسا۔۔۔ اب کیا کروں گی میں۔۔۔ میں نہیں رہ سکتی اسکے بغیر۔۔۔ مر جاؤں گی مئی۔۔۔ اور یہ بھی کیسے برداشت کروں کہ وہ درزی کا بیٹا ہے۔۔۔ دماغ پھٹ جائیگا میرا مئی۔۔۔ پلیز کوئی سولیوشن نکالیں مئی۔۔۔“ اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا تھا۔ میڈم تھمبہ کی پیشانی پر تیوریاں پڑ گئیں

”فنے ای منہ اس اندھے عشق کا۔۔۔“ انہوں نے منہ بگاڑ کر خود سے کہا تھا۔ زمین کی تو ایسی حالت ہی نا تھی کہ اسے مزید کچھ کہا جاتا۔ وہ بس اسکی پشت تھپتھپاتے ہوئے التمش اور اس کے خاندان کو کونسنے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”میں سمجھ رہی تھی کہ تم آجکل بس جگجگت سنگھ کی غزلیں سن سن کر وقت گزارتے ہو گے“ سونیا نے پکڑوؤں اور کچھ اپ والی ٹڑے اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔ اس میں دو چائے کے کپ بھی موجود تھے۔ التمش کے چہرے کے تاثرات بالکل نامول تھے۔ اپنی امی کی توقع کے برعکس وہ غم پھانکتا ہوا تو بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ دفلورکشن اپنے نیچے اور دو پشت پر ٹکائے وہ ٹی وی پر گیم لگے بیٹھا تھا اور مسلسل اسی میں مگن تھا۔ کمرے میں کوئی وحشیانہ قسم کا گانا بھی بج رہا تھا جس کی سونیا کو بالکل سمجھ نا آتی تھی۔ اسی لئے اس نے مذاق میں کہہ دیا تھا۔

”جگجگت سنگھ کی غزلیں سنیں میرے دشمن۔۔۔“ اسے ہاتھ کے اشارے سے دائیں جانب پڑے سنگل کاؤچ پر بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوئے وہ نخوت سے بولا تھا۔

”تمہارا مطلب زمین کی مدر؟۔۔۔“ سونیا نے چڑانے کو کہا تھا اور وہ چڑ بھی گیا۔ چہرے کے تاثرات ناگوار ہو گئے تھے

”دیکھو چارفٹ دس انچ۔۔۔ میرا موڈ بہت اچھا ہے۔۔۔ لیکن اگر تمہیں گوارا نہیں تو وہ دروازہ ہے۔۔۔ سڑی ہوئی باتیں کرنے سے بہتر ہے اس دروازے کو استعمال کر لو۔۔۔ باقی تم خود سمجھو“ سونیا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اسے ہنسی آ گئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسے اب التمش کے رنگ ڈھنگ سمجھ آنے لگے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بہت سی ایسی باتیں بلا وجہ ہی کر جاتا تھا۔۔۔ وہ ویسے بھی اس کے کمرے میں آ کر کم ہی بیٹھتی تھی لیکن آج اسکا ارادہ تھا کہ ذرا تفصیل سے بات کرے گی سو وہ اس کے چائے کے کپ کے ساتھ اپنا کپ بھی واپس لے آئی تھی۔

”اللہ اللہ۔۔۔ زمین کی باتیں اب تمہیں سڑی ہوئی لگتی ہیں۔۔۔؟“ اسے اس طرح مگن دیکھ کر اسکا موڈ بھی خوشگوار ہو گیا تھا

”خدا نا کرے۔۔۔ اسکا تو نام لینے سے ہی میرے چاروں طرف پھول کھل جاتے ہیں۔۔۔ انا پ شاپ بول کر کیوں رنگ میں بھنگ ڈالتی ہو کزن۔۔۔ کہا تو ہے میرا موڈ بہت اچھا ہے۔۔۔“ وہ واقعی کافی مطمئن لگ رہا تھا۔ سونیا کو کچھ حیرت ہوئی

”یہ تو اچھی بات ہے۔۔۔ اسکا مطلب تمہاری زمین سے بات ہوئی ہے۔۔۔“ اس نے ہوا میں تیر نہیں چلایا تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ

ایسا ہی کچھ ہوا ہو گا کیونکہ گزشتہ کئی دن کے بعد آج ہی التمش اتنا مسرور نظر آ رہا تھا اور نہ تو بات کرنے کا روادار بھی نہیں تھا۔ اس کے انداز نے سونیا کو باور کروادیا تھا کہ الجھتا ہوا مسئلہ کچھ گھیا ہے یا سمجھنے کی کوئی سبیل نکل آئی ہے

”روز ہوتی ہے۔۔۔ نیکسٹ کو لکچن پلیر“ وہ مسلسل ایل ای ڈی کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سونیا سمجھ گئی کہ وہ اس متعلق بات نہیں کرنا چاہتا سو وہ بھی چپ ہو گئی پھر اپنا چائے کا ذرا سا جھک کر زمین پر پڑی ٹرے سے اٹھایا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر پیچھے لگے سوچ بورڈ سے ٹی وی کا پلگ اتار دیا تھا۔

”بٹ۔۔۔“ اس نے پہلے چمت کی جانب دیکھا۔ پچھا تو چل رہا تھا اور ٹیوب لائن بھی روشن تھی۔ اسکا مطلب تھا بجلی تو نہیں گچی تھی پھر ایک ساعت میں ہی اسے سونیا کی حرکت سمجھ آ گئی تھی۔

”یہ کیا کیا کریں۔۔۔؟“ وہ سخت تاؤ کھا کر بولا۔

”بد تمیزی۔۔۔“ سونیا نے اطمینان سے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا کر کہا تھا۔ التمش نے منہ بنایا

”اونہ۔۔۔ تم ہی کر سکتی ہو۔۔۔“

”شروع تم نے کی تھی۔۔۔ میں چائے بنا کر لائی ہوں۔۔۔ پکوڑے اور کچ اپ کا جھنجھٹ بھی خوشی خوشی مول لیا ہے۔۔۔ اپنا سارا کام چھوڑ چھاؤ کر تمہارے کمرے میں پہلی بار اس طرح آکر بیٹھی ہوں۔۔۔ اور تم ہو کہ مسلسل گیم کھیل رہے ہو اور کسی بھی بات کا جواب ڈھنگ سے نہیں دے رہے۔۔۔ کوئی اکیلا میرے سامنے بد تمیزی کرتا رہے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔۔۔ امید ہے اتنا تفصیلی جواب کافی ہے

”التمش کے چہرے پر ذرا سی مسکراہٹ چمکی پھر غائب ہو گئی۔ اس نے پکوڑوں والی پلیٹ اپنی جانب سرکائی تھی اور اس پر کچ اپ انڈیل لیا پھر فورک کی مدد سے ایک بڑا سا پکوڑا منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے بولا

”مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی والی سونیا ہو جو کچھ عرصہ پہلے ساہیوال میں ملی تھی۔۔۔ خاموش طبع۔۔۔ چپ چاپ رہنے والی۔۔۔ تمیز دار۔۔۔ بانی داوے یہ کراچی کے پانی کا اثر ہے یا پھر۔۔۔“ اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ سونیا اس کے جتانے پر ہنس دی تھی

”دوسری بات ٹھیک ہے۔۔۔ یہ تمہاری صحبت کا اثر ہے۔“ وہ ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں بولی تھی۔ التمش نے کچ اپ میں لتھڑا ہوا ایک اور پکوڑا منہ میں رکھا

”میری بات سنو۔۔۔ یہ جو کپڑے وہڑے تم سیتی رہتی ہو۔۔۔ اتنی کانٹ چھانٹ کرتی رہتی ہو۔۔۔ آئی ایم شتورا نہیں کاٹنے کے لئے قینچی تو استعمال نہیں کرتی ہوگی۔۔۔ ماشاء اللہ۔۔۔ زبان کی دھار ہی کافی رہتی ہوگی“ وہ پھر بولا تھا۔ اب کی بار سونیا کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ التمش نے دلچسپی سے اسکی جانب دیکھا تھا

کیسی دلفریب سی ہنسی تھی اسکی۔۔۔ کھن کھن کرتے سرسماعتوں میں رس سا گھول گئے۔ التمش نے یہ بات پہلے بھی محسوس کی تھی کہ

خدا نے اسے بہت خوبصورت ہنسی سے نوازا تھا۔ ننھے ننھے ترتیب سے قطار میں سبے دانت ذرا سا مسکرانے پر ہی نمایاں ہونے لگتے تھے اور یہاں وہاں رنگ سے لکھر جاتے تھے۔ ایسا لگتا تھا ننھے ننھے جگنو، تتلیاں اس پاس اڑنے لگے ہوں۔ وہ خوبصورت تو تھی لیکن مسکرانے سے اور بھی خوبصورت لگنے لگتی تھی۔ التمش نے مزید کچھ ساعتیں اس کے چہرے کی جانب دیکھا پھر گہری سانس بھر کر پکڑوں کی پلیٹ کی جانب دیکھتا ہوا مصنوعی تاسف بھرے لہجے میں بولا

”اعتشام تیرے نصیب۔۔۔ جب قدرت ہی تجھ پر مہربان نہیں تو تیرا بھائی کیا کر سکتا ہے“ سونیا کو یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی لیکن یہ ذکر بھی اسے اچھا ناگ

”جناب کا ذکر کہاں سے آگیا درمیان میں۔۔۔؟“ وہ چائے کے کپ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر التمش کی جانب نادیکھا تھا

”جب جب تمہیں دیکھتا ہوں تو اسکی یاد ضرور آتی ہے۔۔۔ اچھا لڑکا ہے۔۔۔ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت چچو گے۔۔۔ اور خوش بھی رہو گے۔۔۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم اس کے متعلق سوچو۔۔۔ تم دونوں میں بہت سی چیزیں کامن ہیں۔۔۔ وہ بھی بہت ایڈیٹ ہے۔۔۔ بالکل تمہاری طرح۔۔۔ شکل وکل بھی تمہاری طرح واجبی سی ہے اسکی۔۔۔ منہ پھٹ بھی دونوں ایک سے ہی ہو۔۔۔ اور پھر سب سے بڑھ کر۔۔۔ سیونٹھ کلاس سے ہم ساتھ ہیں۔۔۔ ساری زندگی اس نے مجھے تانے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا۔۔۔ اسے اسکی سزا تو ملنی چاہیے نا“ وہ لاپرواہی سے بولا تھا۔ اسکی کوئی بہن نہیں تھی۔ وہ بعض اوقات گفتگو کے معاملے میں تمیز کے دائرے سے نکل جایا کرتا تھا۔ سونیا ایک ساعت کے لئے اسکی طرف دیکھتی رہی۔ یہ عجیب سی بات تھی کہ التمش کے منہ سے اپنی شادی کا ذکر اسے اچھا نہیں لگتا تھا لیکن اسکی شادی کے معاملے پر وہ خوب بڑھ چڑھ کر بولتی رہتی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ بہت سی باتیں اس نے مذاق میں کہی ہیں لیکن پھر بھی وہ بنجیدہ ہو گئی تھی۔

”تم نے شاید دھیان نہیں دیا کہ وہ لمبا بھی بہت ہے تمہاری طرح۔۔۔ اور میں کسی لمبے لڑکے کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔۔۔ ساری زندگی چارٹ دس انچ کا طعنہ سننے کو ملتا رہے گا“ وہ عام سے انداز میں بولی تھی۔ التمش نے ایک بار پھر بغور اسکا چہرہ دیکھا پھر ناک چڑھا کر بولا

”خواخواہ ملتا رہے گا۔۔۔ وہ دے کر تو دکھائے۔۔۔ اتنی خوبصورت لڑکی محنت کئے بنا مل جائیگی۔۔۔ اسے شرم نا آئیگی طعنہ دیتے ہوئے۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ پلیٹ میں دو پکڑے ابھی بھی موجود تھے اور کچھ اپ ختم ہو گئی تھی۔ اس نے مڑ کر کچھ اپ کی بوتل اٹھائی۔

”تمہیں تو کبھی نہیں آئی۔۔۔“ سونیا نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنے آپ سے خوش تھی۔ قد کاٹھ کو سر پر سورا نہیں کرتی تھی لیکن یہ بھی تسلیم شدہ امر تھا کہ ”چارٹ دس انچ“ والا یہ طعنہ اسے تازیا نہ لگتا تھا۔ التمش دل کھول کر رہا

”مجھے آئے گی بھی نہیں۔۔۔ میں یہ طعنہ جب چاہے دے سکتا ہوں۔۔۔ میں تو التمش ہوں نا۔۔۔ سجتا ہے مجھ پر۔۔۔“ وہ بہت مطمئن لگ رہا تھا۔ سونیا نے پشت پر پڑا کٹن اٹھا کر اس کے کندھے پر مارا

”ویسے تم اگر اس وجہ سے اعتراض کر رہی ہو تو میں اسے سمجھا دوں گا۔۔۔ تم ایک بار ہاں تو کرو۔“ وہ مگن سے انداز میں بولا تھا۔

”ٹٹ اپ۔۔۔ تمہیں کہا تھا نا اس متعلق کوئی بات مت کرنا مجھ سے۔۔۔“ وہ چڑ کر بولی۔ التمش چند لمحے خاموشی سے پلیٹ کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے سونیا کی جانب دیکھا اور اسی کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا اور اسکی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا

”اچھا چلو نہیں کرتے اعتنا تم کی باتیں۔۔۔ لیکن تمہاری لائف میں کوئی نہیں ہے کیا۔۔۔ اتنی خوبصورت ہو۔۔۔ کوئی تو ہو گا۔۔۔ کسی کے متعلق تو سوچتی ہو گی تم۔۔۔ کسی کے خواب تو دیکھتی ہو گی نا۔۔۔ کسی شہزادے کے جو گھوڑے پر بیٹھ کر تمہیں لینے آئیگا“ سونیا نے منہ بگاڑا

”مجھے کسی گھوڑے والے شہزادے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میں خود شہزادی ہوں۔۔۔ میں اپنا گھوڑا دوڑانا خود سیکھ لوں گی“ وہ پُر عزم لہجے میں بولی تھی۔ التمش نے انتہائی دلچسپی سے اسکے چہرے پر پھیلے استحکام کو دیکھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی کیسی چھوٹی سی لگتی تھی لیکن خواب پہاڑوں سے اونچے دیکھتی تھی۔ اس کے دل میں گھمگھمی سی ہوتی تو کہہ اٹھا

”سیڑھی پر چڑھنا بھی سیکھ لینا۔۔۔ کیونکہ گھوڑے پر چڑھنے سے پہلے تمہیں سیڑھی پر چڑھنا پڑا کرے گا۔“ وہ شرارتی انداز میں کہہ رہا تھا۔ ایک دفعہ پھر اس کے چھوٹے قد پر چوٹ کی تھی۔ سونیا مسکرائی تک نہیں لیکن چہرے پر پھیلا استحکام مزید وسیع ہو گیا

”تم نے کبھی اونٹ کی سواری کی ہے؟ وہ اس کے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی پھر مزید بولی

”جب اونٹ پر سواری کرنی ہوتی ہے نا تو سیڑھی نہیں لگائی جاتی بلکہ اونٹ کو سیدھا لایا جاتا ہے۔ اونٹ جب دیکھتا ہے کہ کوئی اس پر سوار ہونا چاہتا ہے تو وہ نیچے جھک کر یہ موقع فراہم کرتا ہے اور پہلے خود زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔۔۔ تاکہ سوار ہونے کا خواہشمند آسانی سے سوار ہو سکے۔۔۔ سمجھ رہے ہو میری بات۔۔۔“ وہ اس سے ایک اور سوال کر رہی تھی۔ وہ کچھ نہیں سمجھا۔ سونیا کی آنکھوں میں عزم مزید گہرا ہو گیا تھا۔۔۔ اتنا گہرا کہ التمش کو اپنے چہرے پر اسکی تپش محسوس ہوئی

”تم میری فکر مت کرو التمش۔۔۔ مجھے گھوڑے کو اونٹ اور اونٹ کو گھوڑا بنانا آتا ہے۔۔۔ وقت آنے دو میں اپنے گھوڑے کو اونٹ بنا لوں گی“ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ التمش اس عزم کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا تھا لیکن ایک چیز تھی جس میں وہ بہر حال وہ سونیا سے بہتر تھا، باتیں بنانا اسے خوب آتی تھیں

”اونہ۔۔۔ اودہ دن ڈبا۔۔۔ جدول گھوڑی چڑھیا کُبا۔۔۔ (وہ دن کبھی نہیں آئیگا جب یہ خواب پورے ہو گئے)“ اس نے آخری پکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ماما تم سے ملنا چاہتی ہیں التمش!“ زرین نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے جھجک کر کہا تھا۔ اسے پتا تھا کہ وہ فوراً انکار کر دے گا لیکن ایرا نہیں ہوا تھا۔

”زہے نصیب۔۔۔ بتاؤ کب ملنا چاہتی ہیں۔۔۔ ویسے بھی کافی دن ہو گئے کوئی مزاحیہ مووی نہیں دیکھی۔۔۔ مزا آئیگا“ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے اطمینان سے بولا تھا۔ انہوں نے باربی کیو کا آرڈر دے رکھا تھا اور گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کر رہے تھے۔ زمین کے کال کر کے ڈرائیو کے ساتھ کرنے کی پیشکش سے ہی وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کوئی اہم بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہوگی۔ اسے یہ بھی گمان تھا کہ وہ اسے دوبارہ سے اپنی می سے ملنے کے لئے مجبور کرے گی، اس لئے وہ مکمل تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب کی بار وہ اسکی می سے ملتے وقت خود کو پرسکون رکھے گا اور ان سے بدتمیزی نہیں کرے گا۔ اسے اس بات کا بہت حوصلہ اور اطمینان تھا کہ زمین کا ووٹ اسکی طرف تھا۔ وہ کچھ بھی کہہ لیتیں زمین اسی کا ساتھ دینے والی تھی اور اس امر نے اس کے اعتماد میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔

”تم ایسے کیوں ہو اتمش۔۔۔؟“ وہ اس کے انداز پر الجھ کر بولی تھی۔ اتمش نے کندھے اچکائے

”یہ بات تو مجھے بھی حیران کرتی ہے۔۔۔ لیکن بچپن سے ہی ایسا ہوں۔۔۔ ہینڈسم اسمارٹ۔۔۔ دل موہ لینے والا۔۔۔ نیندیں چڑا لینے والا۔۔۔“ وہ نہایت بنجیدگی سے بولا تھا۔ زمین کو اسکا انداز بالکل اچھا ناگ تھا۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ صورتحال کتنی پیچیدہ ہے۔ اسکی راتوں کی نیند اڑی ہوئی تھی جبکہ وہ ہنستا کھلکھلاتا تروتازہ اس کے سامنے بیٹھا ٹھٹھے لگا رہا تھا۔

”اتمش خدا را سیریس ہو جاؤ۔۔۔ صورتحال کو سمجھو۔۔۔ ہر معاملے میں نان سیریس نیس اچھی نہیں ہوتی“ وہ ناراض سے لہجے میں

بولی تھی

”اچھا جی۔۔۔ فرمائیے کیا کروں۔۔۔ ڈوپٹ لے کر مصلے پر بیٹھ جاؤں؟“ وہ بھی اسی انداز میں بولا تھا۔ اسکا مقصد صرف زمین کو چڑا نا تھا تاکہ وہ ہنس دے اور اس کے اعصاب کچھ دیر کو پرسکون ہو جائیں۔ وہ واقعی بہت پریشان لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ آج بھی سادہ تھا حالانکہ یونیورسٹی میں وہ کبھی بناؤ میک اپ کے نہیں آتی تھی۔ اسکی آنکھوں کے نیچے حلقے نمایاں تھے اور ایک عجیب سی ویرانی اسکی آنکھوں میں نمایاں تھی۔ زمین نے چند ساعتیں اسکا چہرہ دیکھا پھر اسکے گال پر دو آنسو لڑھکے تھے۔ اتمش نے چونک کر اسے دیکھا

”مائی گاڈ۔۔۔ رونے لگی ہو؟“ وہ اب اسکی جانب مڑ چکا تھا۔ زمین کے گالوں پر مزید کئی آنسو لڑھک کر اسکی گود میں پڑے ہاتھوں پر گرے تھے۔ اتمش کی آنکھوں نے اسکی آنکھوں سے گالوں اور پھر ہاتھوں تک کا سفر کیا تھا۔

”اچھا آئی ایم سوری۔۔۔ چُپ ہو جاتا ہوں میں۔۔۔ میرے چُپ ہونے سے تمام مسائل حل ہو جائیں گے تو چُپ ہو جاتا ہوں میں“ وہ نرم سے لہجے میں بولا تھا۔ آنکھوں میں تاسف چمکنے لگا تھا۔ زمین اسکی وجہ سے کبھی روئے گی یہ تو سوچا بھی نا تھا کبھی اس نے۔۔۔ زمین چُپ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ اتمش نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا

”اس دن تمہاری می کے الفاظ نے دل چیر کر رکھ دیا تھا میرا۔۔۔ آج تمہارے آنسو بھی یہی کام کر رہے ہیں۔۔۔ چیر پھاڑ کا اتنا شوق ہے تم لوگوں کو۔۔۔ مجھے تو یقین ہو چلا ہے کہ تم لوگ بھی قصائی ہو۔۔۔ لیکن مجھے پھر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ میرا تعلق ایک

باشعور گھرانے سے ہے۔۔۔ ہم کسی کو خود سے کمتر نہیں سمجھتے۔۔۔ نا ہی ہمارے یہاں اس قسم کی فضول سوچ کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔۔۔ اسلئے میں دل و جان سے تمہارے ساتھ ساری زندگی ہنسی خوشی گزارنے کو تیار ہوں" اسکا تسلی دینے کا بھی اپنا ہی انداز تھا۔ زمین کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے تھے

"کہہ تو رہا ہوں سوری۔۔۔ کیوں کر رہی ہو ایسا۔۔۔" وہ بالا آخر زوج سا ہو کر بولا تھا۔ دل ہی دل میں افسوس بھی ہو رہا تھا۔ زمین نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں اور اس کی جانب دیکھا۔ سیاہ شلوار قمیض پہنے وہ بے حد فریش لگ رہا تھا جبکہ اسکی اپنی حالت بالکل خراب ہو چکی تھی۔ اسے اپنا کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔ اس بار وہ اپنی می سے مکمل مشورہ کر کے اس سے مل رہی تھی اور توقع کر رہی تھی کہ اتمش اس کی باتوں کو غیر اہم سمجھتے ہوئے لاہروائی نارتے۔ وہ اس سارے مسئلے کا ایک درمیانی حل ڈھونڈ کر لائی تھی اور چاہتی تھی کہ اتمش اس حل کو قبول کرتے ہوئے اسکی می سے مل لے۔

"اتمش! میں واقعی تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔۔۔ تمہیں پانا نہیں سکوگی۔۔۔ یہ سوچ کر ہی میری جان نکلنے لگتی ہے۔۔۔ سانس رکھنے لگتی ہے۔۔۔ میں تمہارے علاوہ کسی کو قبول نہیں کر سکتی" وہ ایک بار پھر گلوگیر لہجے میں بولی تھی۔ اس بار اتمش کو مزید شرمندگی ہوئی۔ وہ اپنے آپکو نارمل ظاہر کرنے کے لئے یہ سب کر رہا تھا لیکن اسکی تدبیر الٹی ہو گئی تھی۔ زمین کے اس درجہ خدشات نے اس کے دل کو بھی بے چین کر ڈالا تھا۔ وہ اس قدر پریشان تھی اور وہ تسلی دینے کی بجائے غیر سنجیدہ گفتگو میں وقت ضائع کر رہا تھا۔

"ارے یار! ایسا کیوں سوچتی ہو۔۔۔ کیوں نہیں پاسکوگی تم مجھے۔۔۔ بلکہ تم مجھے پاچکی ہو۔۔۔ میں تمہارا ہوں اور تمہاری رہو نا۔۔۔ تم میری فکر مت کرو۔۔۔ اور تم اتنا پریشان مت ہو۔۔۔ ہمارے پیرنٹس بیوقوف نہیں ہیں۔۔۔ چھوٹی چھوٹی باتیں، غلط فہمیاں تو سب خاندانوں میں ہوتی رہتی ہیں۔۔۔ پھر وہ دور ہو جاتی ہیں۔۔۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ زمین نے اسکی بات کاٹ دی

"تمہارے پیرنٹس مان جائیں گے نا۔۔۔؟" اتمش نے کچھ حیران ہو کر اسکا چہرہ دیکھا۔ زمین کے ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھے

"میرے پیرنٹس مانے ہوئے ہی ہیں۔۔۔ اسی لئے تو تمہارے گھر آئے تھے۔۔۔ کھراک تو تمہاری می نے ڈالا ہے۔۔۔ تم بتاؤ وہ مان جائیگی" زمین نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑوایا تھا

"اتمش۔۔۔ می تم سے ملنا چاہتی ہیں۔۔۔ بات کرنا چاہتی ہیں۔۔۔ ان کے کچھ خدشات ہیں۔۔۔ وہ تم سے اس متعلق بات کرنا چاہتی ہیں۔۔۔" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اتمش نے کندھے اچکائے

"ہاں تو ٹھیک ہے۔۔۔ کہہ تو رہا ہوں کہ مل لوں گا۔۔۔ ایک بار پھر مل لوں گا۔۔۔ اگر تمہیں بار بار ان کے ہاتھوں میرا ذلیل ہونا اچھا لگتا

ہے تو یہ بھی کرونگا۔۔۔ کیونکہ تمہاری خاطر تو کچھ بھی کر سکتا ہوں میں۔۔۔ کالے پانی میں اتر سکتا ہوں۔۔۔ کریلے بھنڈی تک کھا سکتا ہوں۔۔۔ اپنے ایکس باکس کو توڑ سکتا ہوں۔۔۔ بی اونسے اور ایڈ ایل کے گانے سننا چھوڑ سکتا ہوں۔۔۔ اور بتاؤ۔۔۔ حکم کرو۔۔۔ بندہ حاضر ہے۔۔۔ "اس نے سرک چھاپ ماشقوں کی طرح بات مکمل کی تھی۔ زمین اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی اور مسکرائی تک نا تھی۔ اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا تھا۔" اتمش کی نگاہوں میں استنبہامیہ تاثر بڑھ رہا تھا۔ وہ مزید اسکی جانب مڑی اور بولی "اپنے پیرنس کو چھوڑ سکتے ہو۔۔۔؟" اتمش ساکت رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ اپنا کام مکمل کر کے گلیو والے ہاتھ دھونے کے لئے کمرے سے نکلی تھی جب بلا وجہ ہی نگاہ اتمش کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ آہنگن میں سناٹا تھا، ممانی جان اور ماسٹر جی سونے کے لئے لیٹ چکے تھے۔ اتمش کے کمرے میں تاریکی اور سنائے کا راج تھا جو کہ غیر معمولی سی بات تھی۔ ٹیرس کے بالکل سامنے سیڑھیاں چڑھتے ہی اسکا کمرہ تھا۔ وہاں بالکل تاریکی تھی۔ عموماً ایسا ہوتا نہیں تھا۔ وہ بہت تاخیر سے سونے کا عادی تھا۔ اس کے کمرے سے میوزک کی آواز مسلسل سنائی دیتی رہتی تھی اور کھڑکی کے شیشوں میں سے یہ بھی پتا چلتا تھا کہ ٹی وی آن ہے۔ وہ بہت دیر تک ویڈیو گیمز کھیلنے کا بھی عادی تھا۔ سونیا اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے یا اندر جاتے ہوئے یہ بات نوٹ کرتی رہتی تھی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہاں بالکل سناٹا چھایا ہو۔ اس کو تجسس محسوس ہوا۔ وہ جب گھر سے اچھی طرح تیار ہو کر خاموشی سے نکل رہا تھا تو سونیا نے اسے چرانا چاہا تھا۔ سیاہ شلوار قمیض کے ساتھ پٹاوری جپل پہنے، اچھے سے پرفیوم کا اسپرے کئے وہ بہت فریش لگا تھا اسے۔۔۔ وہ صرف مذاق کرنے کو بولی تھی

"میں بتاتی ہوں ممانی جان کو کہ تم پارٹی میک اپ کر کے پھر زمین سے ملنے جا رہے ہو۔" اس نے آہنگن میں لگے واش بین کے اوپر آویزاں آئینے میں اپنے بالوں کو دیکھنے کے بعد مڑ کر اسے دیکھا پھر منہ چڑا کر بولا "تم واقعی پچھل پیری ہو۔۔۔ نہیں سے بھی نکل کر سامنے آ جاتی ہو" وہ کھل کر ہنسی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی اتمش نے اپنے ہونٹوں پر انگی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ ممانی جان کچن میں تھیں اس وقت رات کے کھانے کی تیاری ہو رہی تھی "زمین کے ساتھ ڈنر کا پلان ہے۔۔۔" اتمش نے بہت دھیمی سی آواز میں اسے بتایا تھا۔ سونیا نے ہونٹوں کو مسکرا کر سیٹی بجانے والے انداز میں اسے دیکھا۔ اس نے پھر ہونٹوں پر انگی رکھی تھی

"شش۔۔۔" سونیا اس کے قریب ہوئی تھی اور پھر اسی کے انداز میں آواز کو دھیمہ کر کے بولی

"ممانی جان کو نہیں بتانا کیا۔۔۔ ان سے چھپ کر جاؤ گے؟"

"چھپ کر نہیں جا سکتا ان سے نہیں بھی۔۔۔ وہ مہارانی جو دھابائی ہیں۔۔۔ ان سے چھپ کر کچھ نہیں کر سکتا میں۔۔۔ جب جب ان

سے چھپ کر کچھ کیا۔۔۔ منہ کی کھائی ہے" اس نے ہنستے ہوئے اعتراف کیا تھا۔

"اتنا ڈرتے ہو ان سے۔۔۔؟" آواز ابھی مدھم تھی لیکن آنکھوں میں شرارت کی گونج بہت بلند تھی

"نہیں۔۔۔" آتمش نے کہنے کے ساتھ سر بھی نفی میں ہلایا تھا پھر اس کے سر پر چپت لگا کر بولا

"ڈرتا نہیں ہوں۔۔۔ محبت کرتا ہوں ان سے۔۔۔ اگر بتا کر گھیا کہ ان کی ہونے والی بہو کے ساتھ ڈنر کرنے جا رہا ہوں تو ناراض

ہو جائیں گی۔۔۔ جو مجھے منظور نہیں" وہ اسی طرح مدھم انداز میں بولا تھا۔ سونیا متاثر ناہوئی تھی

"مجھے کیوں بتا رہے ہو۔۔۔ میں انکو شکایت بھی لگا سکتی ہوں" وہ اسے چڑا رہی تھی

"چل اے۔۔۔ پچھل پیری۔۔۔ اب تم سے ڈرونک میں" آتمش نے دھیمی آواز میں کہتے ہوئے ایک بار پھر اسے منہ چڑایا اور پھر

با آواز بلند بولا

"امی۔۔۔ میں باہر جا رہا۔۔۔ اعتنا تم کے ساتھ ڈنر کے آؤنگا۔۔۔ اس پچھل پیری کو ساتھ لے جاؤں؟" یہاں تک کہہ کر اس

نے آواز کو دوبارہ دھیمایا تھا اور اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولا

"اعتنا تم خوش ہو جائیگا۔۔۔" اسکی چمکدار آنکھوں میں شرارت جیسے ناز رہی تھی۔ سونیا کو ناچاہتے ہوئے بھی اس کے انداز پر ہنسی

آگئی تھی۔ اس سے کوئی بات نا بن سکی تو وہ اسے ناک چڑھا کر کچن کی جانب چل دی تھی۔ اس کے بعد وہ کب گھیا اور کب واپس آیا۔۔۔ اسے

پتانا چلا تھا لیکن رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اب تک واپس نا آیا ہوتا۔۔۔ وہ زمین سے ملنے گیا تھا اور ان کے

درمیان صورتحال تو پہلے ہی کشیدہ تھی۔ اسے کھد بد سنی لگ گئی تھی کہ اب کیا معاملہ ہوا ہوگا۔ اس نے ماسٹر جی کے کمرے کی طرف دیکھا۔ وہ لوگ

یقیناً سوچکے ہوئے تھے۔ اس نے چند لمحوں میں کھڑے ہو کر سوچا کہ اسے کیا کرنا چاہیے پھر وہ کسی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ دھیرے

دھیرے بیڑھیاں چڑھتی چند بیڑھیاں اوپر تک گئی تھی کہ صرف باہر سے ہی دیکھ سکے آیا وہ کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔ وہاں چند لمحوں

کھڑے رہنے کے بعد بھی اسے اندازہ نا ہوسکا تھا۔ وہ مایوس ہو کر نیچے اترنے لگی تھی جب نگاہ ٹیرس تک چلی گئی۔ وہاں کافی تاریکی تھی واضح تو

کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن چنگاری سی چلتی محسوس ہوتی جیسے بہت ننھا سادیا روشن ہو۔ اس نے دوبارہ غور سے دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ وہ ٹیرس

پر بیٹھا تھا۔ سونیا چند لمحوں پھر اسی طرح کھڑی رہی۔ وہ فیصلہ نہیں کر پارہی تھی کہ اسے وہاں جانا چاہیے یا نہیں پھر جیسے بنا سوچے سمجھے وہ دھیرے

دھیرے چلتی اس کے قریب چلی گئی تھی۔ اسکا خیال تھا وہ اسے دیکھ کر چونک جائیگا اور پھر اسے پچھل پیری کا خطاب دے گا لیکن سونیا کو

حیرت ہوئی۔ وہ بالکل بھی ناچونکا تھا۔ سونیا اس کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ وہ ٹیرس کی گرل کے قریب کھڑا گرلٹ جلائے کھڑا تھا

"رات کے اس پہر یہاں کھڑے ہو کر غم غلط کرنے کا یہ کونسا طریقہ ہے؟" وہ بہت خوشگوار انداز میں بولی تھی۔ آتمش نے گردن موڑ

کر اسکی جانب دیکھا۔ اسکا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ سونیا کو اس کے انداز میں کچھ غیر معمولی سے اثرات محسوس ہوئے جنہیں وہ کوئی نام نا دے سکی

تھی۔ وہ کوئی جواب دے بنا۔ دوبارہ بارہ مگر یہ لکھنے لگا تھا۔

”ممائی جان کو پتا ہے کہ تم یہ شوق بھی رکھتے ہو؟“ اس نے دوبارہ اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ اب بھی کچھ نہیں بولا تھا، سونیا نے ایک بار پھر اس کے چہرے کو دیکھا۔ اب کی بار اسے خوف آیا۔ رات کے اس پہر ایسے منہ اٹھا کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

”آتمش۔۔۔ سب ٹھیک ہے نا۔۔۔؟“ اس نے اب کی بار ذرا سا پریشان ہو کر سوال کیا تھا۔ آتمش نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکیت تھی۔ سونیا ذرا سا جھجھک کر پیچھے ہٹی تھی۔

”ہاں۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔۔ کوئی اعتراض۔۔۔؟“ وہ دوبارہ سے کس لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سونیا نے سوچا اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

”زرین ٹھیک تھی؟“ اس نے جاتے جاتے بھی ایک ایک اور سوال کر لیا تھا۔ آتمش نے اب کی بار پھر مڑ کر اسے دیکھا پھر انگلیوں میں دبا مگر یہ کادھ نہ بھا ہوا انگوٹھا زین پر گرا کر اپنے جوتے سے مل ڈالا تھا۔

”کون زرین۔۔۔؟ میں کسی زرین کو نہیں جانتا؟“ اس کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی اتنی سرد مہری تھی کہ سونیا اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”زرین آگئی۔۔۔؟“ میڈم تھمپسن نے گھر میں داخل ہوتے ہی بیٹی کے متعلق پوچھا تھا۔ پٹھان چوکیدار نے سر ہلایا۔ انہیں اطمینان ہو گیا تھا۔ لاؤنج میں آکر انہوں نے اپنے شوہر کی جانب دیکھا تھا۔ وہ دونوں ایک ڈز میں مدعو تھے اور کافی تاخیر سے واپس آئے تھے۔

”آپ چلیں۔۔۔ میں ذرا زرین کو دیکھ کر آتی ہوں“ انہوں نے کہا تھا پھر ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر تیز قدم اٹھائی وہ زرین کے کمرے کی جانب چل دیں تھیں۔ انہیں بہت بے چینی لاحق تھی۔ انہوں نے ڈز کے دوران بھی اسے کال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے کال پک نہیں تھی۔ وہ اس کے لئے پریشان تھیں۔ یہ لڑکی ان کی توقع سے زیادہ ضدی ثابت ہو رہی تھی۔ اسی کی خاطر انہوں نے ایک درمیانی راستہ نکالا تھا۔ وہ لاٹوا تو انہیں ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ زرین اس سے ملنے والی تھی یہ تو پتا تھا انہیں لیکن اس ملاقات کا

نتیجہ کیا نکلا تھا اس بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی تھیں۔ تیز قدم اٹھاتیں وہ بیٹی کے کمرے تک پہنچی تھیں۔ اس کا کمرہ لاکڈ تھا۔ انہوں نے دستک دی تھی لیکن اندر سے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ ان کا دل لرزنے لگا تھا۔ زرین اس لڑکے کی محبت میں جتنی پاگل نظر آ رہی تھی اس سے بعید نا تھا کہ وہ اپنے ساتھ کچھ کر بی بیٹھتی۔ وہ مزید پریشان ہو گئی تھیں۔ انہوں نے دروازہ دھڑ دھڑاٹا تھا مگر پھر بھی کوئی جنبش سنائی تک نادی تھی۔

☆.....☆.....☆

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی؟“ سونیا نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پریشان کن لہجے میں کہا تھا۔ وہ غم سُم سا تھا۔ اس نے

اسکی جانب نہیں دیکھا تھا لیکن سونیا کو اس کے چہرے کے تاثرات بگڑتے ہوئے محسوس ہوئے

”کیا لوگی یہاں جانے سے۔۔۔؟ کہہ تو رہا ہوں سب ٹھیک ہے“ وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ سونیا چند لمحے پھر اسی کی جانب دیکھتی رہی۔ اس کے اپنے دل میں عجب کشش چل رہی تھی۔ دل بہہ رہا تھا کہ کچھ دیر یہاں بیٹھی رہے اور اپنے اس بد دماغ کزن کو تسلی دے لے جبکہ دماغ کہہ رہا تھا کہ ہدائے پھڑے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت کیا ہے۔

”جاتی کیوں نہیں ہو۔۔۔ جاؤ۔۔۔ کیا مصیبت ہے انسان اپنے ہی گھر میں دو گھڑی سکون سے اکیلا نہیں بیٹھ سکتا“ وہ پہلے سے زیادہ بدتمیزی سے بولا تھا۔ سونیا جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی

”تمہارے ساتھ جو بھی ہوا۔۔۔ اب مجھے اس پر ذرا بھی افسوس نہیں ہے۔۔۔ تمہارے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا۔ تم اسی کے متعلق ہو“ وہ بھی اسی کے انداز میں بولی پھر دھپ دھپ کرتی میز چیموں کی جانب بڑھی تھی

”مجھے پتا تھا تم یہی کہو گی کیونکہ تمہاری بد دعاؤں کی وجہ سے ہی ہوا ہے یہ سب۔۔۔ اچھا بھلا سب ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔۔۔ تمہارے قدم جس دن سے اس گھر میں پڑے ہیں۔ اسی دن سے کچھ نا کچھ بُرائی ہو رہا ہے“ وہ اسکی پشت کو دیکھتے ہوئے چلا کر بولا تھا۔ سونیا میز چیمیاں اترنے ہی والی تھی، اس طعنے کو سن کر اسکا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ وہ مُڑ کر آتی تھی

”بد دعاؤں کے بچے۔۔۔۔۔ میری وجہ سے سب ٹھیک ہونے والا تھا۔۔۔ میں نے تمہاری انی کو راضی کیا۔۔۔ سارا الزام اپنے سر لیا۔۔۔ جھوٹ بولا۔۔۔ کہ میں کسی کو پسند کرتی ہوں۔۔۔ اور تم کہتے ہو کہ میری بد دعاؤں کی وجہ سے ہوا یہ سب۔۔۔“ وہ غرا کر بولی تھی۔ التمش کا مزاج مزید بگڑ گیا

”جھوٹ سچ تو تم نے بول رکھے تھے اس زمین سے۔۔۔ کیوں ظاہر کر رکھا تھا اسکے سامنے کہ تم کسی نواب کی اولاد ہو۔۔۔ کیوں نہیں بتایا تھا اسکو۔۔۔ کہ تم ایک ٹیلر ماسٹر کے بیٹے ہو۔۔۔ کیوں غلط بیانی کی تھی اس سے۔۔۔؟“ سونیا اسکو بولنے کا موقع دے بغیر مزید بولی تھی۔ وہ سامنے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں سن کر اس نے مُڑ کر اسکی جانب دیکھا۔ سونیا کا خیال تھا کہ وہ اب کوئی سخت بات تو ضرور کہہ ڈالے گا لیکن وہ دوبارہ سے سامنے دیکھنے لگا تھا

”میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔۔۔ میں نے اس سے فلرٹ نہیں کیا تھا۔۔۔ محبت کی تھی۔۔۔ اور محبت میں جھوٹ کی گنجائش نہیں ہو کرتی“ اب کی بار وہ مستحکم سے لہجے میں بولا تھا۔ اسکا انداز اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ سونیا چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکی پھر جیسے اسے اس شخص پر ترس آیا تھا۔ وہ دوبارہ دو قدم چلی اور پھر اس کے پاس جا کھڑی ہوئی

”التمش! چلو جاؤ اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔۔۔ ابھی یہ سب بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔۔۔ صبح کو اس موضوع پر اطمینان سے بات کریں گے اور کوئی حل نکال لیں گے۔۔۔ فی الوقت یہاں کھڑے ہو کر جلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے“ وہ تسلی دینے والے انداز میں بولی تھی

اسکا اشارہ اس کے سرگیت پھونکنے کی طرف تھا۔ اتمش نے اسکی بات سنی ہی نہیں تھی جیسے

”اب کسی بھی چیز کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔۔۔ جل جاؤں۔۔۔ یا مر جاؤں۔۔۔ سب ایک برابر ہے۔۔۔ ختم ہو گیا ہے سب“ وہ کسی اور ہی کیفیت میں تھا۔ سونیا زچ ہوئی۔ اسے لوگوں کے ایسے انداز سے ہمیشہ ہی الجھن ہوتی تھی جس میں مایوس ہو کر لوگ مرنے مارنے کی باتیں کرنے لگیں۔

”سب کچھ کبھی ختم نہیں ہوا کرتا۔۔۔ کچھ نا کچھ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔۔۔ قدرت امید جگائے رکھنے کے لئے کچھ نا کچھ ضرور چھوڑ دیتی ہے۔۔۔ پھر اسی“ کچھ سے بہار پھوٹ پڑا کرتی ہے۔۔۔ کوئی نا کوئی حل نکل آئیگا۔۔۔ صبح ہونے دو۔۔۔ جل کر کر لیں گے کچھ“ وہ چاہتی تھی کہ وہ ابھی اپنے کمرے میں چلا جائے لیکن وہ اٹھنے کو تیار نہیں تھا۔

”نہیں۔۔۔ اب اس معاملے میں کچھ نہیں کرنا۔۔۔ یہ چیپٹر کلوز ہو گیا ہے۔۔۔ مجھے ابھی یا کل کبھی بھی اس معاملے میں کچھ نہیں کرنا۔۔۔ میں اپنے پیرنٹس کو نہیں چھوڑ سکتا“ وہ جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔۔۔ سونیا نے اس کے جملے سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کی تھی۔ بات کچھ کچھ تو سمجھ میں آرہی تھی۔ وہ اس کے مزید قریب ہوئی تھی حالانکہ غدشہ تھا کہ اگر گمانی یا ماسٹر جی میں سے کوئی اٹھ گیا اور باتوں کی آوازیں سن کر ادھر آ گیا تو اچھا نہیں ہو گا لیکن پھر بھی وہ رسک لے رہی تھی

”زمین نے تم سے کہا یہ۔۔۔ وہ چاہتی ہے کہ تم اپنے پیرنٹس کو چھوڑ دو“ وہ پوچھ رہی تھی۔ اتمش نے اسکی جانب دیکھا پھر نفی میں سر ہلایا۔ سونیا نے چڑکرا سے دیکھا۔ وہ بات مکمل کرنے میں کس قدر تاخیر سے کام لے رہا تھا

”تو پھر۔۔۔؟“

”وہ اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی۔۔۔ لیکن اسکی ماں یہی چاہتی ہے۔۔۔ اور وہ اپنی ماں کی زبان بول رہی تھی۔۔۔ ورنہ اتنے آرام سے اتنی بڑی بات کبھی نا کہتی“ وہ ایک بار پھر جیسے اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا تھا۔

”اتمش۔۔۔ میری بات سنو۔۔۔ تم یہاں بیٹھو۔۔۔ مجھے بتاؤ تفصیل سے کیا بات ہوئی ہے تمہاری زمین سے۔۔۔“ وہ اسے ایک جانب پڑی چار پائی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی تھی۔ اتمش اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔ وہ جیسے خود کلامی میں مگن تھا

”زمین چاہتی ہے میں اور وہ آسٹریلیا چلے جائیں۔۔۔ اس کے پیرنٹس ہمیں اپنا سر کر دیں گے۔۔۔ ہم وہاں جائیں اور وہاں جا کر شادی کریں۔۔۔ پانچ سات سال وہیں رہے تاکہ اسکے خاندان والوں کو یہ تاثر دیا جاسکے کہ زمین نے وہاں آسٹریلیا میں کسی ایکس وائے زیڈ کے سے شادی کر لی ہے۔۔۔ یہ سب قبول ہے اسے لیکن وہ یہ نہیں چاہتی کہ میری اور اسکی شادی کے بارے میں ابتداء میں کسی کو پتا چلے۔۔۔ اس کے خاندان والے کسی ٹیلر ماسٹر کے بیٹے سے شادی پر اسکا مذاق اڑائیں گے اور وہ یہ بات برداشت نہیں کر سکے گی۔۔۔ چند سال گزر جائیں گے تو بات پرانی ہو جائے گی اور پھر ہم واپس آجائیں گے۔۔۔ وہ کہتی ہے پانچ سات سال تو بس یونہی گزر جائیں گے۔۔۔ پتا

بھی نہیں چلے گا

”تم نے کیا جواب دیا؟“ زمین نے سوال کیا تھا جیسے اسے ساری بات جاننے کی بے چینی ہو۔ اتمش کی گفتگو میں غیر ضروری وقفے اسے بچھ رہے تھے۔ اتمش نے مڑ کر اسے دیکھا۔

”پانچ سات سال ایسے ہی گزر جاتے ہیں کیا۔۔۔؟“ وہ اس سے پوچھ رہا تھا

سونیا کو دھچکا سا لگا۔ اس اونچے لمبے لڑکے کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی تھیں۔ جب دل ٹوٹتا ہے تو کچیاں آنکھوں سے باہر نکالتی ہیں۔ وہ رو نہیں رہا تھا لیکن اسکی آنکھوں میں چمکتی نئی تاریکی میں بھی نظر آرہی تھی اور باور کروا رہی تھی کہ دل پر پڑنے والی ضرب بے حد کاری تھی۔ وہ خود کو کسی شہزادے سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اسے ہمیشہ اپنی ذات پر کیسا غرور رہا تھا۔ وہ اپنی ذات کی نفی برداشت نہیں کرتا تھا آج اسے سمجھ میں آئی تھی کہ دکھ کا ذائقہ ہر ایک کے لئے ایک جیسا ہوتا ہے۔۔۔ تلخ اور پٹھتا ہوا۔۔۔ سونیا سے اگلا سوال نہیں کیا گیا تھا

”نہیں کزن۔۔۔ اتنی آسانی سے نہیں گزرتے پانچ سات سال۔۔۔ میں پانچ بجے واپسی کا کہہ کر جاؤں اور پانچ بج کر سات منٹ پر واپس آؤں تو میری ماں کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوتی ہیں۔۔۔ اتنی سی دیر میں سات چکر گھٹ کے لگا آتی ہیں کہ اکلوتا بیٹا جانے کہاں رہ گیا ہے۔۔۔ اور ماسٹر جی۔۔۔ وہ تو گھر آ جانے کے بعد پانچ گھنٹے میں دس بار میرے کمرے میں جھانک کر جاتے ہیں کہ اتمش کیا کر رہا ہے۔۔۔ اپنے ان ماں باپ کو چھوڑ کر میں زمین کے ساتھ چلا جاؤں جنہوں نے میرے علاوہ کسی کا خواب بھی نہیں دیکھا۔۔۔ جن کا جاسنا سونیا میں۔۔۔ جن کا اوڑھنا بچھونا میں۔۔۔ جن کا ہونا اور نا ہونا میں۔۔۔ میرے علاوہ تو کسی کے متعلق سوچتے بھی نہیں ہیں وہ۔۔۔ میرے علاوہ ان کا ہے کون۔۔۔؟ ان کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔۔۔ اتنا کمینہ نہیں ہوں میں۔۔۔ اولاد ہوں۔ منڈیر پر بیٹھا کوئی نہیں ہوں۔۔۔ کھایا پیا اور اڑ گیا“ وہ نہایت بڑا امان کر بولا تھا۔ سونیا کو اسکا انداز بڑا انہیں لگا تھا۔ اتمش کے لہجے کی ناگواری اس کے لئے نہیں تھی۔۔۔ زمین کے لئے تھی۔ وہ تسلی کے لئے الفاظ ہی ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ بولا

اسے اعتراض یہ ہے کہ میرا باپ ایک درزی ہے۔۔۔ یہ اعتراض تو زندگی بھر ختم نہیں ہوگا کیونکہ میرے لئے میرے باپ کا درزی ہونا کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔۔۔ میں اس کو اپنے لئے اعزاز سمجھتا ہوں۔۔۔ جس سے میں کبھی سبکدوش نہیں ہونا چاہوں گا۔۔۔ میں ساری زندگی اس بات کو تنغے کی طرح سینے پر سجا کر رکھوں گا کہ میرا باپ ایک درزی ہے۔۔۔ میں تو پانچ سات منٹ اس بات کو نہیں بھلا سکتا اور وہ پانچ سات سال کا کہہ رہی ہے۔۔۔ تمہیں پتا ہے سونیا۔۔۔“ وہ اب اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا

”میرے پیرنٹس مجھ جیسے بیٹے کو بھی کتنے فخر سے اون کرتے ہیں۔۔۔ جس نے ابھی تک ان کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔۔۔ اتنے سال ہو گئے صرف ان سے لے ہی رہا ہوں۔۔۔ دینے کا تو سوچا بھی نہیں کبھی۔۔۔ اور اسی پیشے کی کمائی سے کھایا پیا ہے۔۔۔ اوڑھا پہنا ہے۔۔۔ تعلیم حاصل کی ہے۔ زندگی کی ہر نعمت کو انجائے کیا ہے۔۔۔ یہ جو سرائٹھا کر غرور سے گردن اکڑا کر کہتا ہوں نا۔۔۔ اتمش ہوں میں

--- سب بچتا ہے مجھ پر --- یہ سب اسی لئے بچتا ہے مجھ پر کہ میرے باپ نے حلال کی کمائی سے جو بھی حاصل کیا۔۔۔ مجھ بخت پر لگا دیا۔۔۔ اور کبھی جتایا بھی نہیں۔۔۔ امی ٹوک دیتی ہیں اکثر۔۔۔ لیکن ماسٹر جی نے تو کبھی کچھ بھی نہیں کہا۔۔۔ کبھی کوئی شکوہ بھی نہیں کیا۔۔۔ بلکہ ہمیشہ دیا ہی دیا ہے۔۔۔ کبھی ان کے لئے پانچ روپے کی جلیبی بھی لے آؤں تو اگلے ہی دن پانچ سو روپے دے دیتے ہیں کہ رکھ لے اتمش۔۔۔ کام آئیں گے۔۔۔ اسی پیشے نے یہ بہار دکھائی ہے اتمش کو۔۔۔ اور اتمش یہ سب بھول نہیں سکتا سونیا۔۔۔ مجھے فخر ہے میرے باپ پر۔۔۔ ایک میڈم تہمینہ کی خاطر میں اپنے باپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔ کیوں چھوڑ دوں۔۔۔ اس لئے بہتر ہے کہ زمین کو چھوڑ دیا جائے۔۔۔ "وہ کر بناک لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سونیا کے پاس الفاظ ہی ختم ہو گئے تھے۔ وہ اسے تسلی کیا دیتی۔



دوستو! اب اس مقام پر انسان اپنی اولاد کو تسلی دے یا قصے سنا پھرے۔۔۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ فٹافٹ سب آپ کے گوش گزار کر دوں۔۔۔ نا بھئی۔۔۔ اس ماسٹر سے نہیں ہو گا یہ سب۔۔۔ کر لو جو کرنا ہے۔



(غم ہے یا خوشی ہے تو ناول کی نئی قسط اگلے ماہ <http://kitaabghar.com> پر ملاحظہ فرمائیں)

رنگارنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجئے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ابھی sohndigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

ساتھیو! میرے بیٹے کے لئے وہ وقت بہت مشکل تھا لیکن آپ سب کو اس کے حوصلے کی داد دینی چاہیے کہ وہ بہت ہمت کے ساتھ یہ سب برداشت کر رہا تھا۔ آپ کو اب احساس ضرور ہوا ہوگا کہ وہ منہ پھٹ اور خود پسند تو تھا لیکن خود غرض نہیں تھا۔ اس نے ہماری خاطر زمین کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن اس نے اس مسئلے کا جو حل نکالا تھا وہ ہمارے گمان میں بھی نہ تھا اور محراب عرف سونیا ہر قدم پر اس کے ساتھ تھی۔ اس کے باجود ہماری زوجہ محترمہ کی خواہش کے پورے ہونے کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہ ملتا تھا۔۔۔ میں آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں۔

☆.....☆.....☆

”مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔۔۔۔۔“ عطیہ بیگم نے ماسٹر جی کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی دوکان سے واپس آئے تھے اور عادت کے مطابق انہوں نے آتے ہی التمش کے متعلق سوال کیا تھا۔

”آپ کے لخت جگر کے مزاج کو سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے ماسٹر جی۔۔۔“ عطیہ بیگم نے بے تاثر سے لہجے میں کہا تھا۔

”پہلے ہر وقت کمرے میں بند رہتا تھا پھر کچھ بہل سا گیا اور ہنسے بولنے لگا۔۔۔ کھانا بھی وقت پر اور گھر میں کھانے لگا تھا۔۔۔ اب پھر کچھ دن سے پھر ہر وقت جلا بھٹنا نظر آ رہا ہے۔ صبح کا گیمارات کو واپس آتا ہے اور بات کرو تو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔۔۔ کھانے کا جب بھی پوچھا تو فرما دیتے تھے کہ کھا کر آیا ہوں یا بھوک نہیں ہے۔۔۔ میں نے بھی ناراض ہو کر پوچھنا ہی چھوڑ دیا تو سونیا سے کہتا ہے کہ تم نے میری امی کو ناصرف کاہل بلکہ خود غرض بھی بنا دیا ہے۔ انہیں فکر ہی نہیں ہوتی کہ اکلوتے بیٹے کو کھانے کا بھی پوچھنا ہے۔۔۔ بتاؤ کل کی بچی سے ماں کی شکایتیں کر رہے ہیں حضرت۔۔۔“ عطیہ بیگم شکوہ کر رہی تھیں۔ ماسٹر جی بیٹے کی حمایت میں کچھ بولنے سے پہلے ذرا سا مسکرائے۔ عطیہ بیگم نے سر جھٹکا جیسے انہیں یہ مسکراہٹ ایک آنکھ نہ بھائی ہو

”جی جی مجھے پتا ہے۔۔۔ اب آپ کہیں گے بچہ ہے۔۔۔ اسکا مزاج ہی ایسا ہے۔۔۔ وہ بدتمیز نہیں ہے۔۔۔ بس کچھ لا پرواہ ہے۔۔۔ ورنہ محبت تو بہت کرتا ہے مجھ سے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ دراصل آپ کی انہی باتوں نے اسکا مزاج سوانیرے پر پہنچا رکھا ہے ماسٹر جی۔۔۔ بچپن سے آپ نے اسے کبھی نہیں ٹوکا۔۔۔ ہمیشہ اسکی حمایت کی ہے۔۔۔ اس کی ہر بات مانی ہے تب ہی یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں ہمیں۔۔۔ بہت بد مزاج اور خریلا سا ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ مجھے تو اس بات کی فکر ہے کہ بچپن کی سہیلی کے سامنے ناک کٹ جائیگی میری۔۔۔ کیسے گزرا کرے گی سونیا اس کے ساتھ۔۔۔“ وہ پریشانی کا اظہار کر رہی تھیں۔

ماسٹر جی چونکے اور کچھ کہنا چاہا۔ اپنی اہلیہ کو یاد کروانا چاہا کہ یہ قصہ تو ختم ہو چکا تھا لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش رہے کہ وہ اس بحث سے اتنا چلے تھے اب اور یہ بات بخوبی سمجھ چکے تھے کہ ہر تیسرے روز اہلیہ کو پند و نصائح کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ آج تو انکا مزاج کچھ اچھا تھا اور

بیگم سے الجھ کر وہ اسے خراب نہیں کرنا چاہتے تھے جبکہ وہ عادت کے مطابق مسلسل التمش کی شکایتیں کرنے میں مگن تھیں

”میری بات کہیں لکھ کر رکھ لیں ماسٹر جی۔۔۔ یہ آپکا ہونہار بیٹا ہمیں خاندان میں خوب شرمندہ کروانے والا ہے۔۔۔ بیچاری بچی کو بہت مشکل ہوگی اس کے ساتھ رہنے میں۔۔۔ کوسنے دیا کرے گی مجھے کہ ممانی نے خاک تربیت نہیں کی اپنی اکلوتے بیٹے کی“ وہ جیسے جلی بھٹی بیٹھی تھیں۔ التمش چند دن سے پھر الجھا الجھا سا نظر آتا تھا جس وجہ سے وہ کچھ پریشان سی تھیں لیکن ان کا خیال رکھنے کا انداز ایسا ہی تھا تب ہی ماسٹر جی سے اسکی شکایتیں کرنے لگی تھیں۔ ماسٹر جی نے لفظ ”ممانی جان“ پر گہری سانس بھری تھی۔ اب تو بالکل واضح ہو گیا تھا کہ وہ سونیا کی ہی بات کر رہی تھیں

"آپ یہ کس سمت چل پڑیں۔۔۔ آپ کو سمجھ کیوں نہیں آ رہی کہ اس اسٹیشن پر کھڑے رہنا کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ آپ کے بیٹے کی ٹرین اس اسٹیشن کو چھو کر بھی نہیں گزرنے والی۔۔۔ اس لئے آگے بڑھیں اور مزید کچھ سوچیں" ماسٹر جی پہلی بار اس موضوع پر نہایت اکتائے ہوئے انداز میں بات کر رہے تھے۔ عطیہ بیگم جھنجھلا گئیں۔ انہوں نے زندگی میں کسی بھی بات پر ماسٹر جی کا اعتراض یا مزاحمت برداشت نہیں کیا تھا لیکن اس موضوع پر وہ ہمیشہ ہی اپنی مخالفت کرتے تھے جو انہیں بالکل اچھی نہیں لگتی تھی۔

”ماسٹر جی! آپ اب بھی نہیں سمجھے تو خدا جانیں کب سمجھیں گے۔۔۔ آپ نے اتمش کی مان کر دیکھ لی ہے نا۔۔۔ کچھ نہیں ہاتھ آیا آپ کے۔۔۔ اب آپ کو میری سسنی پڑے گی۔۔۔ اور میرا فیصلہ یہی ہے۔۔۔ سونیا ہی میری بہو بنے گی۔۔۔ اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے جانے دوں۔۔۔ پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔۔۔ انہوں نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ماسٹر جی اس سمت میں بیٹھے تھے کہ باہر آنگن تک میں نگاہ پڑتی تھی۔ انہوں نے کچھ دیر پہلے وہاں کرسی پر رکھے سونیا کو بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ اگرچہ اب وہاں موجود نہیں تھی لیکن وہ وہیں کہیں آنگن میں موجود تھی۔ اس نے یقیناً وہ سب سنا تھا جو عطیہ بیگم کہہ رہی تھیں۔ ماسٹر جی کو اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ باتیں بار بار سونیا تک پہنچیں لیکن عطیہ بیگم اس معاملے میں لاپرواہ ہوتی جا رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”کیا سوچا ہے تم نے۔ اب کیا کرو گے؟“ سونیا نے اس کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ عطیہ بیگم پڑوس میں کسی کی بیمار پرسی کرنے لگی ہوئی تھیں۔ التمش آفس سے جلدی آگیا تھا۔ اسکی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ اسی لئے سونیا اس کے لئے کھانا اور دوا لے آئی تھی۔

یہ کافی دن بعد کی بات تھی۔ اس رات کے بعد سے ان دونوں کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ سونیا چاہنے کے باوجود اسے کرید نہیں رہی تھی کیونکہ وہ بلاوجہ کی جرح سے بہت جلدی چڑھایا کرتا تھا اور بدتمیزی پر اتر آتا تھا۔ اسی لئے اس رات کے بعد سے اس معاملے میں سناٹا ہی چھایا ہوا تھا لیکن پھر اسکی مسلسل خاموشی سے اختتام کر سونیا کو ہی یہ موضوع چھیڑنا پڑا تھا۔ وہ اس موقع کو ضائع

نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسکے والدین کینیڈا سے آنے والے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ امی کی واپسی کے ساتھ ہی پھر وہی پرانا موضوع چھڑ جائیگا۔ وہ اپنی واپسی سے پہلے سب چیزیں ٹھیک کرنا چاہتی تھی اسی لئے اس نے خود ہی بات کا آغاز کیا تھا۔ التمش نے سنی ان سنی کرتے ہوئے پہلے تو شور بے والے سالن کو دیکھ کر منہ بنایا پھر استراحت کر بیٹھ کر جان بوجھ کر اشارہ کرتے ہوئے استفہامیہ انداز میں پوچھنے لگا

”کھانا تم نے بنایا ہے؟ سونیا نے اسکے چہرے کے تاثرات کی جانب دیکھا پھر ذرا سا آگے ہو کر اسکی بیٹھ کی جانب دیکھا

”ہاں۔۔۔۔۔ لیکن تمہیں کیسے پتا چلا“ اس نے کچھ حیران ہو کر پوچھا تھا کیونکہ اس نے تو ابھی ایک لقمہ بھی نالیا تھا۔ التمش کے چہرے کے تاثرات مزید خراب ہوئے

”اتنا وسیع و عریض شور بے والا سالن میری امی نہیں بنا سکتیں۔۔۔ انہیں پتا ہے میں ایک بوٹی کی خاطر شور بے کے اس تالاب میں سونمگ کرنے کے سخت خلاف ہوں“ روٹی کے ٹکڑے کو توڑ کر بیٹھ میں گھماتے ہوئے اس نے ناپسندیدگی سے کہا تھا۔ سونیا کو اس کا یہ حملہ سخت برا لگا۔

”یہ ذرا سا شور بہ تمہیں تالاب لگ رہا ہے؟“ وہ بھی ناک چڑھا کر پوچھ رہی تھی۔ عطیہ بیگم کی طبیعت کچھ ناساز تھی سو اس نے سالن بنالیا تھا۔ التمش نے سر جھٹک کر ٹرے بالکل اپنے سامنے کی پھر ایک نظر سالن والی بیٹھ اور دوسری اس کے چہرے پر ڈال کر بولا

”چارفٹ دس انچ کے حساب سے دیکھا جائے تو یہ واقعی تالاب نہیں بلکہ سمندر ہے“ وہ اسے چڑانے سے باز نہیں آتا تھا۔ سونیا کو مزید برا لگا۔

”تو پھر لگو غوطہ اس سمندر میں۔۔۔ ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ کہیں تو فائدہ ہو تمہیں بھی تمہارے اس چھفٹ قد کا۔۔۔ ورنہ اب تک تو ہم نے گھانا ہی ہوتے دیکھا ہے“ اسکا لہجہ کاٹ دار تھا۔ التمش کھوکھی سی ہنسی ہنس دیا جیسے کسی بچے کے احمقانہ طرز عمل پر ہنسا جاتا ہے۔ سونیا کو شرمندگی سی ہوئی وہ اسے طعنہ نہیں دینا چاہتی تھی لیکن وہ اسے مجبور کر دیتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ معذرت کرتی وہ بولا تھا

”اب نہیں ہو سکتا کسی کو بھی فائدہ۔۔۔ سیانے کہتے ہیں جب پچھل پیری کا سایہ کسی مرد آہن پڑ جائے تو مقدر میں بس گھانا ہی آتا ہے۔“ سونیا کو دو سینکڑن لگے تھے اسکی بات سمجھنے میں پھر جب سمجھ گئی تو نہایت بری شکل بنا کر بولی

”میں تو پچھل پیری نہیں ہوں“

”ہاں تو میں نے بھی کب خود کو مرد آہن کہا ہے۔۔۔ وہ تو شور باد دیکھ کر مجھے اعتنا م غریب کی یاد آگئی تھی“ سونیا اس ذکر پر مزید جھنجھلا سی گئی۔ اسے التمش کے منہ سے اس لڑکے کا ذکر کبھی اچھا نہیں لگا تھا اور اس بات پر وہ خود بھی حیران ہوتی تھی کیونکہ دیکھنے میں وہ بہت مہذب تمیز دار اور وجہ لڑکا تھا پھر وہ سونیا کی طرف مائل بھی تھا لیکن پھر بھی اسے اچھا نہ لگتا تھا۔

”تمہارے سیانوں کی ایسی کی تیری۔۔۔ مجھے پرانے زمانے کی دانشوری والی باتیں سننا کر مرعوب مت کرو۔۔۔ میں خود بہت

بڑی دانشور ہوں" وہ جھنجھلا سی گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ آتمش اس سے زمین کی بات کرے لیکن سمجھ بھی نا آ رہی تھی کہ براہ راست کیسے پوچھے۔ "ارے بھائی ہم نے لوگوں کو مرعوب کرنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔ ہمیں ہماری اوقات پتا چل گئی ہے۔۔۔ ہاں ہاں ہم وہی ہیں آتمش آتمش غلام حسین۔۔۔ خاندان غلاماں والے۔۔۔ اس لئے خاموشی سے ہمیں یہ شور باز ہر مار کرنے دیا جائے" وہ درویشانہ انداز میں بول رہا تھا۔ سونیا نے اس کے بدلے ہوئے لہجے پر غور کیا تھا۔ وہ ابھی بھی سنجیدہ نہیں تھا اور بظاہر کھانا کھانے میں مگن تھا لیکن چہرے کے تاثرات نہایت بدل سے گئے تھے۔ سونیا نے چند لمحے کچھ نہیں کہا کہ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے، اسے کیسے تسلی دے پھر اس نے تسلی دینے کا راہ ترک کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا تھا۔

"زمین سے بات ہوئی تمہاری؟" آتمش نے اس سوال پر مزید برا منہ بنا کر نوالہ منہ میں رکھا تھا۔ "کون زمین۔۔۔؟ میں کسی زمین کو نہیں جانتا۔۔۔" وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ سونیا نے گہری سانس بھری۔ وہ اس موضوع پر بات کرنا چاہتی تھی جبکہ آتمش کے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے تھے۔ وہ کوئی جلد باز لڑکی نہیں تھی لیکن سستی کا بی سے چڑھتی اسے۔۔۔ وہ جب کسی کام کو کرنے کا ٹھان لیتی تھی تو اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں آتمش کی مدد کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے اس عزم کی خبر اس کے سوا صرف ایک شخص کو تھی۔

"تمہیں اس سے بات کرنی چاہیے آتمش۔۔۔ ایسے تو نہیں چھوڑا جاسکتا اس بات کو۔۔۔ تم مجھے اس کا فون نمبر دو۔۔۔ میں اس سے بات کرتی ہوں۔ کہیں مل کر بیٹھتے ہیں۔۔۔ بات کرتے ہیں۔۔۔ مل جل کر کوئی درمیانی راستہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں" منہ تک نوالہ لیتے جاتے آتمش کے ہاتھ لمحہ بھر کے تھے

"اس وادی پر غار میں کوئی درمیانی راستہ نہیں ہے مائی ڈیر چارٹ دس انچ۔۔۔ تمہیں کیا خبر کہ تم نے زندگی سوئی میں دھاگے پروتے ہوئے گزاری ہے۔۔۔ محبت شطرنج نہیں ہے۔۔۔ یہ سانپ سیڑھی کا کھیل ہوا کرتی ہے۔۔۔ یا تو آپ ہیں۔۔۔ یا پھر نہیں ہیں۔۔۔ اس میں یہاں وہاں، ادھر ادھر والی چالوں کی گنجائش کم ہی ہوتی ہے" وہ ابھی بھی سنجیدہ نہیں تھا لیکن چہرے کے تاثرات میں نرمی بھی نہیں رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ٹھکرائے جانے کا غم جھلکنے لگا تھا۔

"غلط کہہ رہے ہو تم۔۔۔ محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔۔۔ اگر واقعی ہو تو۔۔۔" وہ زچ ہو کر بولی تھی۔ ایک تو اپنے ایسے کزن سے محبت جیسے معاملات پر بات کرنا بھی نرمی خوار تھی کہ جس کے ساتھ آپکے اپنے رشتے کی بات بزرگوں کے درمیان راکھ میں کہیں دبی ہوئی چنگاری کی طرح پڑی سلگ رہی ہو۔

"یہ کس کس نے کہا کہ محبت ختم ہوگئی ہے۔۔۔ کیا یہ ممکن ہے۔۔۔ جی نہیں۔۔۔ محبت واقعی ختم نہیں ہوتی لیکن رشتہ ختم ہو جایا کرتا ہے۔۔۔ اور وہی ہو گیا ہے۔۔۔ ختم شد۔۔۔ منگل بدھ" وہ جیسے خود سے باتیں کر رہا تھا۔

”اسی کو بچانے کی بات کر رہی ہوں۔۔۔ اے عقلمند آدمی۔۔۔ اس سے بات کرو۔۔۔ کوئی حل نکالو“ سونیا نے سر جھٹک کر مشورہ دیا تھا ”محبت اب نہیں ہوگی۔۔۔ اور محبت کی بات تو بالکل نہیں ہوگی۔۔۔ یہ میں نے نہیں کہا۔۔۔ یہ ایک عظیم شاعر کے خیالات ہیں آگے جا کر وہ مزید تفصیل سے فرماتے ہیں کہ۔۔۔ محبت اب نہیں ہوگی۔۔۔ یہ کچھ دن بعد میں ہوگی۔۔۔ گزر جائیں گے جب یہ دن۔۔۔ یہ انہی یاد میں ہو گئی۔۔۔ یعنی تھک ہار کر تشریح یہی بنتی ہے کہ بکثرت محبت نے سکون نہیں لینے دینا زندگی میں۔۔۔“ وہ اب آخری نوالے بنا رہا تھا۔ منہ نوالے سے بھرا ہوا تھا، چہرے پر سنجیدگی کا نام و نشان نہیں تھا لیکن آنکھیں تھیں کہ بے رونقی چھپائی نہیں پار ہی تھیں۔ سونیا کا دل چاہا اپنے سامنے بیٹھے اس شخص کو چار چھ سخت قسم کی باتیں سنائے اور یہاں سے اٹھ جائے۔ اس کے صبر کا پیمانہ باتوں کے معاملے میں ذرا جلدی ختم ہو جایا کرتا تھا۔ وہ لمبی لمبی تقریروں سے زیادہ عمل پر یقین رکھتی تھی لیکن اتمش اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ شاید ابھی اس غم سے نکلنے کا خواہشمند نہیں تھا۔ اس کی باتیں طویل اور بے سرو پا تھیں۔ سونیا نے گہری سانس بھری پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

”تم اس موضوع پر بات کرنا ہی نہیں چاہتے۔۔۔ لیکن اگر تم بات نہیں کرو گے تو تکلیف میں رہو گے۔۔۔“ اتمش کا کھانا ختم ہو چکا تھا۔ اس نے سنک میں ہاتھ دھوئے پھر بناء اس کی جانب دیکھے بولا

”پہلی بات تو تکلیف ہوگی کیونکہ میں زخموں کو چھیل چھیل کر تازہ کرنے کا قائل نہیں ہوں۔۔۔ دوسری بات مجھے جب تکلیف ہوگی۔۔۔ میں اپنے باپ کا چہرہ دیکھ لیا کرونگا۔۔۔ انہی خاطر سب چھوڑ سکتا ہوں۔۔۔ سب کچھ۔۔۔ تیسری بات میں ابھی خود سوچ رہا ہوں کہ مجھے کرنا کیا ہے۔۔۔ جب سوچ لوں گا تو تمہیں بتاؤں گا ضرور“ اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔ سونیا بس اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔ وہ کتنا بدلا بدلا سالگنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

”آپکو چاہیے کیا میڈم۔۔۔؟“ اتمش نے اسے ایک دوکان سے نکل کر دوسری دوکان اور دوسری سے تیسری میں خوار ہوتے دیکھا تو اتنا کڑوا کر بیٹھا۔ اسے کچھ ضروری سامان چاہیے تھا تو وہ ماسٹر جی کے ساتھ انہی دوکان پر آگئی تھی۔ اس نے ان سے ذکر کیا تھا کہ وہ اپنے کام کو بڑھانے کا ارادہ رکھتی ہے اور اسے کچھ پروفیشنل قسم کی مشینری درکار ہے اسی لئے ماسٹر جی نے اسے پیشکش کی تھی کہ وہ چاہے تو ان کے سب شاگردوں کے ساتھ مل کر اپنے بزنس کے سلسلے میں مشورے لے سکتی ہے لیکن وہ ثالثی جاری تھی پھر اب جانے کیا دل میں سمائی کہ ان کے ساتھ چلی آئی۔ فیشن ٹریڈز، رنگ اور رجحانات پر سب سے ہی باتیں کرتی رہی پھر وہی پر اسے یاد آیا کہ اسے تو اپنے موتی دھاگے جیسی اشیاء کی خریداری بھی کرنی تھی۔ مایہ نال سے جو سامان ساتھ لائی تھی وہ ختم ہو چکا تھا۔ ماسٹر جی نے اتمش کو فون کر کے بلوایا تھا کہ وہ اسے خریداری کروا کر گھر واپس لے جائے لیکن وہ اس کی مطلوبہ دوکانوں کے متعلق زیادہ نہیں جانتا تھا اسی لئے خواری بھی زیادہ اٹھانی پڑ رہی تھی۔ اتمش اس بے وجہ کی مصروفیت سے جھنجھلائے لگا تھا۔

”میں بٹن تلاش کر رہی ہوں۔۔۔ ذرا بڑے ڈایا میٹر کے۔۔۔ رنگ بھی کچھ گہرے ہونے چاہئیں۔۔۔“ اس نے اسے جواب

دیا پھر دوکاندار کو اشارے سے ایک جانب نمایاں کر کے رکھے گئے بٹن دکھانے کا اشارہ کیا تھا۔

”تم ان کا کروٹی کیا؟“ اس نے سوال برائے سوال پوچھا تھا۔ سونیا نے بنظر غایت اسے دیکھا پھر بولی

”میں ایک نیا پراجیکٹ کرنے والی ہوں جو میں نے پہلے نہیں کیا۔ میری ایک کلائنٹ ہے۔۔۔ اسے میرا کام بہت پسند ہے تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں ڈریسز میں بھی ڈیل کر سکتی ہوں۔۔۔ میں نے ہاں بول دیا۔۔۔ اب اس نے مجھے آرڈر دیا ہے۔۔۔ اسے کچھ ٹریڈی قسم کے جیکٹس چاہیے۔۔۔ جو وہ گرمیوں کے موسم میں بھی استعمال کر سکے۔۔۔ وہ ذرا مختلف قسم کی چیز چاہتی ہے یعنی فیشن کے مطابق بھی ہو اور گریس فل بھی۔۔۔ ساری گفتگو کا کل خلاصہ یہ کہ میں اس قسم کی جیکٹ بنانا چاہ رہی ہوں جو ٹریڈی اور اسٹائلش ہونے کے ساتھ ساتھ پروکار بھی لگیں“ اس نے ایک اور بٹن دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔ آتمش اس دوران دوکان کے اندر کی جانب ہو کر خود سے مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا تھا۔ وہ کشیدہ کاری سے متعلق سامان سے بھری ہوئی دوکان تھی اور وہاں پڑی مختلف چیزیں اسکی توجہ اپنی جانب کھینچ رہی تھیں لیکن سونیا کی بات کا جواب دینا بھی فرض تھا اس پر سو چند منٹ کے وقفے کے بعد طنزیہ انداز میں بولا تھا

”اچھا یعنی تم اتنی دیر سے ایسے بٹن ڈھونڈ رہی ہو جو قطرینہ کیف بھی ہوں لیکن ضرورت پڑنے پر بیہا مالنی بھی بن سکیں؟“ آتمش نے پیچھے دیکھے بناء منہ بنا کر کہا تھا۔ سونیا کو تو اسکی بات پر ہنسی نہیں آئی لیکن دوکاندار کے ہنسنے کی آواز سنائی دی تھی۔ اب کی بار آتمش نے مڑ کر دیکھا۔ سونیا سے نظر نہیں آئی تھی لیکن دوکاندار کے چہرے پر مسکراہٹ چمک رہی تھی۔

”آپکو بہت ہنسی آرہی ہے بھائی صاحب۔۔۔“

”میڈم چلی گئی ہیں سر!۔۔۔ آپ خود سے ہی باتیں کرنے میں مگن ہیں“ اس نے وضاحت کی۔ آتمش نے حیرانی سے دوکان کی ایگوٹ کی جانب دیکھا تھا۔ سونیا واقعی جا چکی تھی۔ آتمش دوکان دار کی جانب خود بھی باہر نکل گیا۔ سونیا چند قدم کے فاصلے پر چلتی نظر آئی تھی۔ اس نے تیز تیز قدم اٹھائے اور ایک لمحے میں اس کے قریب پہنچ گیا

”انتہائی بدتمیز ہوتم۔۔۔ میں وہاں کھڑا ہوا تھا ورتم منہ اٹھا کر باہر نکل آئی۔“ اس نے طعنہ دینے والے انداز میں کہا تھا

”تم کیا پاتے تھے۔۔۔ میں منہ وہیں چھوڑ کر آجاتی؟۔۔۔ پھر خوش ہو جاتے تم؟“ سونیا کے انداز میں شرارت تھی اور چہرے پر ہنسی کی چمک تھی۔ آتمش نے اسے گھور کر دیکھا پھر گہری سانس بھر کر اس کے ساتھ چلتا ہوا بولا

”ایک تو میں تمہارے اس گھسے پٹے سینس آف ہیومر سے بہت تنگ ہوں۔۔۔ اتنی تھکی ہوئی باتیں کرتی ہو اور پھر ہنستی ایسے ہو جیسے بہت ہی کوئی اچھا لطیفہ سنایا ہو۔۔۔ میری بات سنو۔۔۔ محراب عرف سونیا بی بی۔۔۔ یہ کراچی ہے۔۔۔ ایسے بوسیدہ لطیفے یہاں بچوں کی کتابوں میں بھی نہیں چھپتے۔“ اس کے کہنے کا انداز ایسا تھا کہ سونیا ایک بار ہنس دی

”ہاں بھی صحیح کہہ رہے ہوتم۔۔۔ اور چھپیں بھی کیوں ایسے لطیفے۔۔۔ جب چلتے پھرتے لوگ ہی ہنسانے کو کافی ہوں تو مستابوں سے

لطیفے کیوں پڑھے گا کوئی" وہ اسکو سن رہی تھی

"وہ جو تائشی جملہ میں نے لمحہ بھر پہلے آپ کے سینس آف ہیومر کے لئے بولا تھا نا۔۔ اس بات کے جواب میں اسے ہی مکر سمجھ لیا جائے" وہ نہایت بنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ سونیا مسلسل مسکرانے میں مصروف تھی۔ اسی دوران وہ اس حصے کی جانب آگئے تھے جہاں چند ایک بوتلیکس بنی ہوئی تھیں۔

"دومنٹ کے لئے یہاں چلیں؟۔۔ میں بس آئیڈیا لینا چاہتی ہوں کہ آجکل کیسے رنگ "ان" ہیں۔۔۔ مجھے جیکٹس بنانے کے لئے ایسے رنگ چننے ہیں جو ہر رنگ کے ساتھ چل سکیں۔۔ لیکن گھسی چٹی چیز بھی نہیں لینی "سونیا نے اصرار کرتے ہوئے اپنے موقف بھی بیان کیا تھا۔ التمش نے اثبات میں سر ہلادیا۔ وہ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے شیشے کا بھاری دروازہ کھولتے ہوئے اندر داخل ہو گئے تھے۔ سونیا کو اندازہ تھا کہ التمش عجلت میں ہے سو وہ فوراً ہی ڈسپلے کئے گئے ملبوسات کی جانب پلٹی گئی تھی۔

"آجکل گہرے رنگ چل رہے ہیں۔۔ سردیاں بھی آنے والی ہیں تو مزید کچھ مہینے گہرے رنگ ہی چلیں گے۔۔ یعنی مجھے جیکٹس کے لئے ہلکے رنگ چننے چاہیے۔۔ تب ہی تناسب درست ہوگا۔۔ ورنہ۔۔" سونیا کو جیسے یقین تھا کہ التمش اسکی بات ضرور ہی سن رہا ہوگا "یہ دیکھو التمش۔۔ یہ کتنی اچھی چیز ہے۔۔ حالانکہ مجھے یہ رنگ پسند نہیں ہے لیکن یہ اچھا لگ رہا ہے" اس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے اب کی بار مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ نظر نہیں آیا۔ سونیا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

بہت چالاک ہو۔۔۔ بدلہ لینے رہے ہونا مجھ سے۔۔" اس نے اب کی بار ذرا اونچی آواز میں کہا تھا تا کہ وہ سن سکے لیکن وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ سونیا دوبارہ کیش کاؤنٹر والے حصے کی جانب گئی تھی۔ التمش وہیں کھڑا تھا

"یہاں کھڑے ہو تم۔۔ میں تمہیں مشورہ دینے کے لئے لائی تھی اپنے ساتھ۔۔ دیکھو تو ذرا۔۔ اس رنگ کی جیکٹ بنا دوں ایک۔۔؟" اس نے بناء یہ دیکھے کہ التمش کے چہرے کے تاثرات کچھ بگڑے ہوئے سے ہیں سے پوچھ ڈالا تھا

"اچھا آآ۔۔ تو یہ بھی ساتھ ہے تمہارے۔۔ بتایا تھا مجھے زمین نے کہ تمہاری یہ کزن گاؤں سے آئی ہوئی ہے۔۔ اسکا باپ بھی درزی ہے کیا۔۔؟" التمش کے ساتھ کھڑی خاتون نے طنزیہ سے انداز میں کہا تھا۔ سونیا نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اس جملے پر وہ کچھ حیران ہوئی تھی۔ ایک ثانویہ میں ہی ان خاتون کے نقوش واضح ہو گئے تھے۔ اسے یاد آگیا تھا کہ وہ کون ہیں

"ویسے ماسٹر غلام حسین کے ہاتھ میں تو بہت صفائی ہے۔۔ میری تو نانی بھی انہی کے ہاتھ کے سلے کپڑے پہنتی رہی ہیں۔۔ بہت اچھے درزی ہیں۔۔" وہ لمحہ بھر کو رکیں۔۔۔ لہجے میں جان بوجھ کر ایسا تجسس پیدا کیا جیسے کسی گیم شو میں بیٹھی ہوئی میزبان ہوں جو آخر میں سوال کے درست ہو جانے پر کروڑ روپے کے انعام کا اعلان کرنے والا ہو۔

"لیکن اچھے درزی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اپنی لاکھوں کروڑوں کی بیٹی ان کے گھر دے دی جائے۔۔ نا بھئی درزیوں میں

بیٹی نہیں دے سکتے ہم" وہ بہت کڑوے انداز میں بات کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں نہیں لہجے میں بھی کاٹ دار طنز چھلک رہا تھا۔ سونیا کو اپنی پیشانی پر نمی سی محسوس ہوئی۔ وہ دو قدم بھر کر الٹش کے برابر آئی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بھی انتہائی تلخ ہو رہے تھے۔ سونیا کو ڈر سا لگنے لگا تھا۔ یہ گھر نہیں تھا، پبلک پلیس تھی۔ یہاں ذاتی گفتگو اور اس طرح کے طعنہ برداشت نہیں کئے جاسکتے تھے۔ الٹش ان کے سامنے ہوا تھا۔ "درزیوں کو ساڑے دے سکتی ہیں آپ۔ بیٹی نہیں دے سکتیں۔۔۔ بہت خوب" وہ تنک کر بولا تھا۔ سونیا کے پورے وجود میں لرزش سی ہونے لگی تھی۔

"پلیس الٹش۔۔۔ ہو گیا ہے میرا کام" سونیا نے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے الٹش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

"چلی جانا بی بی۔۔۔ میرا کام بھی ہو لینے دو۔۔۔ مجھے اس پیارے افضل سے بات تو کر لینے دو۔۔۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ دوبارہ میری بیٹی سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔۔۔ وہ آجکل کی لڑکی ہے۔۔۔ اسے خوب سمجھ ہے تم جیسے تھرڈ کلاس لوگوں کی۔۔۔ کہ کیسے اپنا اسٹیٹس بدلنے کی خاطر تم جیسے چھوٹے لوگ بڑے گھروں کی لڑکیوں کو اپنی ٹیٹھی ٹیٹھی باتوں میں پھنساتے ہو اسے تمہاری حقیقت بہت اچھی طرح پتا چل گئی ہے۔۔۔ وہ تمہاری طرف تھوکنے کو بھی تیار نہیں ہے اب۔۔۔ اسلئے بہتر ہے اپنی اس کزن پر محنت کرو۔۔۔" میڈم تھمینہ کا لہجہ تو تلخ تھا ہی مگر الفاظ نے تو الٹش کو ہی نہیں سونیا کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"یہ آپکا گھر نہیں ہے کہ میں لحاظ کروں۔۔۔ یہاں کوئی بھی مجھے کچھ بھی بولنے سے روک بھی نہیں سکتا۔۔۔ میں آپ کے اس بڑے پن کے جواب میں ایسا چھوٹا پن دکھا سکتا ہوں کہ آپ کانوں میں انگلیاں ڈال کر یہاں سے نو دو گیارہ ہو جائیں گی۔۔۔ لیکن میرے درزی باپ نے ایسی تربیت نہیں کی میری۔۔۔ ہم اگر اسٹیٹس میں آپکی برابری نہیں کر سکتے تو تسلی رکھنے بد تمیزی میں بھی نہیں کریں گے۔۔۔ اسلئے بہتر ہے میں یہاں سے چلا جاؤں۔" الٹش نے اپنے لہجے کی تلخی کو چھپائے بنا کہا تھا

"اونہ۔۔۔ لڑکا درزی کا اور انداز مرضی کا۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ اپنے سے بڑے لوگوں سے جھک کر ملنا سیکھو فاندے میں رہو گے۔۔۔ اب چلو۔۔۔ شاباش۔۔۔ لگو یہاں سے۔" وہ اسی انداز میں بولی تھیں جو انکا خاصہ تھا۔ دو سیز مین بھی آواز سن کر ان کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔ انکی نگاہوں میں تجسس تھا۔

"اینی پرا بلیم میڈم۔۔۔؟" ان میں سے ایک نے میڈم تھمینہ سے سوال کیا تھا

"نہیں بھئی۔۔۔ مجھے کوئی پرا بلیم نہیں ہے۔۔۔ یہ درزی کی اولاد کو نکالو یہاں سے۔۔۔۔۔ بیچ لوگوں کو دیکھ کر میرا دم سا گھٹنے لگتا ہے" وہ باز نہیں آئی تھیں۔ الٹش کا چہرہ برداشت کرتے کرتے مزید سُرخ ہو چکا تھا۔ سونیا نے بہت ہمت کر کے اسے بیرونی دروازے کی جانب دھکیلا اور باہر نکل آئی تھی۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ان کے دل میں تمہارے لئے اتنا بغض ہے“ سونیا نے کافی دیر بعد تاسف بھرے لہجے میں کہا تھا۔

”بدتمیزی۔۔۔ بلکہ انتہائی بدتمیزی کو ساہیوال میں ”بغض“ کہتے ہیں؟“ اتمش نے اسکی جانب دیکھے بناءً طنزیہ انداز میں کہا۔

”میں تمہیں اس بات کا بہت اچھا جواب دے سکتی ہوں۔۔۔ لیکن تم ابھی ابھی اپنی کبھی نا ہونے والی ساس سے اچھی خاصی

درگت بنا کر آئے ہو۔۔۔ اسلئے ترس آگیا ہے تم پر۔۔۔“ سونیا نے سادہ سے انداز میں کہا تھا۔ اتمش نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ابھی بھی

کافی ناراض نظر آتا تھا۔ اسکے چہرے کے تاثرات ابھی بھی نارمل نہیں تھے۔ وہاں غصہ تو تھا ہی لیکن بے پناہ پشیمانی بھی تھی جو اسکی سُرخ

آنکھوں سے لپک لپک کر باہر آرہی تھی۔ یہ وہ پشیمانی تھی جو احساسِ توہین سے پیدا ہوتی ہے اور پھر سب کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ سونیا اس

پشیمانی کو استعمال کرنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ اتمش اگر آج بھی اس توہین کو توہین نا سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیتا تو پھر وہ

سب کیسے ہوتا جس کی خاطر سونیا ساہیوال سے کراچی آئی تھی۔ اس نے ذرا سا سُرخ موڑ کر اسکی جانب دیکھا۔ وہ جب بوتیک سے نکلے تھے تو ایسا

لگتا تھا کہ اتمش سب کو کچا کھا جائیگا لیکن اب اس کے چہرے کے تاثرات ذرا قابلِ برداشت ہو گئے تھے۔ چہرے پر خفگی تو تھی مگر زمانے

بھر سے بیزاری نہیں تھی۔

”میرا مشورہ ہے اتمش تم ایک بار زرین سے بات ضرور کرو۔۔۔ ایسے یہ معاملہ بینڈل نہیں کیا جاسکتا۔۔۔“ وہ چونکہ بالکل خاموش

تھا تو سونیا کو ہی پھر سے بات کا سُرخ اس جانب موڑنا پڑا تھا۔ اب کی بار اتمش نے چڑ کر اسے دیکھا۔ سونیا باچھیں چیر کر مصنوعی انداز میں

مسکرائی تھی جس سے وہ مزید جل بھُن گیا تھا۔

”تمہارا کیا مسئلہ ہے۔۔۔ ایک تو تم سے مدد مانگ کر میں نے اپنی زندگی کا سب غلط فیصلہ کیا ہے۔۔۔ حالانکہ مجھے سمجھنا چاہیے تھا کہ

شریکے (رشتہ دار) تو بس شریکے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ آپکو دکھ میں دیکھ کر کُٹھ ملتا ہے انہیں۔۔۔ خدا جانے تم کیوں اتنی دلچسپی لے رہی ہو

اس معاملے میں۔۔۔ آخر تمہارا کنسرن کیا ہے اس سارے معاملے سے۔۔۔؟“ وہ سخت ناراض ہوا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سونیا اس کے

برہم انداز پر بڑا امان جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس نے گہری سانس بھری اور اپنا سُرخ مکمل طور پر اسکی جانب موڑ لیا

”میرا کنسرن۔۔۔؟“ استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا پھر اطمینان سے بولی

”تو پھر سنو۔۔۔ آج بتا ہی دیتی ہوں تمہیں کہ میرا کنسرن یہ ہے کہ کوئی بھی اس اذیت میں نا جلع جس میں میں جلی ہوں۔۔۔ میرے

لئے یہ صورتحال بالکل بھی نئی نہیں ہے۔۔۔ میں نے پہلے بھی ایسا زعم کسی کے چہرے پر دیکھا تھا جیسا آج مسز تہمینہ کے چہرے پر تھا

۔۔۔ ایسی ہی درگت کسی نے میری بھی بنائی تھی جب میرے رشتے کی بات کی گئی تھی۔۔۔ تمہیں تو یاد ہونا چاہیے تھا اتمش۔۔۔ وہ فخر جو دولت کی

وجہ سے مسز تہمینہ کے چہرے پر چمک رہا تھا، وہی فخر میں نے بھی کسی کے چہرے پر اس کے چھوٹے قد کی وجہ سے دیکھا تھا۔۔۔“ وہ رکی پھر

دوبارہ بولی۔

”یہ ہی زمانے کا چلن ہے التمش۔۔۔ کہیں کوئی درزی کی اولاد کہہ کر دھتکار دیا جاتا ہے اور کہیں کوئی چارٹ دس انچ کہہ کر۔۔۔ بات تو ایک ہی ہے“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بول رہی تھی لیکن چہرے کے تاثرات بہت ملائم سے تھے۔ وہ طعنہ دے رہی تھی ناجتار ہی بس یاد کروا رہی تھی۔ التمش کے چہرے کا رنگ لمحہ بھر کو بدلا۔ اسے واقعی کچھ یاد آیا تھا۔۔۔ اپنا لہجہ۔۔۔ اپنا انداز۔۔۔ اپنا فخر و غرور۔۔۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پھر کہہ ناسکا۔

الفاظ کی شرمندگی کسی درندگی سے کم تو نہیں تھی۔ اس نے بھی درندگی کا ہی مظاہرہ کیا تھا۔۔۔ تو اب اسے تکلیف نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن ہو رہی تھی۔

”آئی ایم سوری“ اس نے کہہ دیا تھا پھر فوراً سے پیش تر بولا

”لو ہو گیا ہوں میں شرمندہ۔۔۔ مانگ لی ہے تم سے معافی۔۔۔ کہو تو اسٹیئرنگ چھوڑ کر کان بھی پکڑ لوں۔۔۔؟“ وہ زیادہ دیر شرمندہ نہیں رہ سکتا تھا۔۔۔ سونیا مسکرائی

”ہونا تو یہی چاہیے کہ تم کان پکڑ کر معافی مانگو۔۔۔“ اس نے سونیا کی بات کاٹی

”یہ لو پھر۔۔۔“ اس نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر اپنے دونوں کان پکڑ لئے

”خوش ہو چارٹ دس انچ؟۔۔۔ یا مار دوں کہیں گاڑی؟۔۔۔ بولو کیسے معاف کرو گی تم اس درزی کے بیٹے کو؟“ خدا جانے وہ مذاق کر رہا تھا یا سنجیدہ تھا۔ سونیا کو گمان گزرا کہ شاید وہ اپنے حواس کھو چکا ہے

”اوہو۔۔۔ تم خود کشی کر سکتے ہو۔۔۔ تمہارا تو نیا نیادل ٹوٹا ہے لیکن میری ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔۔۔ اور نای میں اتنی احمق ہوں کہ دل ٹوٹنے کے اس قیمتی عمل کو ضائع جانے دوں۔۔۔ ہوش کرو اور گاڑی چلاؤ“ وہ تنگ کر کہہ رہی تھی۔ سڑک پر چند ایک ہی گاڑیاں تھیں اور التمش کی اس حرکت کی وجہ سے گاڑی کا توازن خراب ہو رہا تھا۔

”ماشاء اللہ۔۔۔ یعنی اب دل ٹوٹنا بھی قیمتی ٹھہر آپ کے لئے۔۔۔“ اس نے دوبارہ سے اسٹیئرنگ تھام لیا تھا۔ سونیا مسکرائی

”اے پڑھے لکھے انسان میرے لئے نہیں۔۔۔ سائنس کے لئے بھی یہ عمل قیمتی ہی ہوتا ہے۔۔۔ سائنس فرماتی ہے کہ جب کوئی مادہ دولخت ہوتا ہے تو توانائی خارج ہوتی ہے۔۔۔ توانائی جو کائنات کے سارے نظام کو”کوکلا چھپا کی جمعرات آئی جے (پنجاب میں کہیلا جانے والا بچوں کا ایک کھیل)“ کی طرح خپاتی ہے۔ حرکت میں رکھتی ہے۔۔۔ یہ توانائی وہ محرک ہے جو کائنات کو چلانے کا باعث بنتی ہے۔۔۔ اب جو عمل توانائی پیدا کرنے کا باعث بنے گا قیمتی ہی کہلائے گا۔۔۔ کچھ آئی سمجھ میں یا نہیں۔۔۔ سو دل ٹوٹتا ہے، ہلکے ہلکے ہوتا ہے کچی کچی ہوتا ہے تو بھی توانائی ہی خارج ہوتی ہے۔۔۔ قیمتی توانائی۔۔۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ اس توانائی کو مثبت طریقے سے استعمال کر لے یا منفی طریقے سے۔۔۔“ التمش کے چہرے پر تمسخرانہ سے تاثرات چمکنے لگے تھے لیکن سونیا خاموش نہیں ہوئی تھی۔

”میں جب دس سال کی تھی نا تو اپنے قد کی وجہ سے چھ سال کی لگتی تھی۔۔۔ میرے بچےز مجھے کسی گیم میں شریک نہیں ہونے دیتے تھے کہ یہ تو چھوٹی ہے۔۔۔ کوئی اسکول کالے یا ٹیبلو۔۔۔ یا پھر تقریری مقابلے میں مجھے حصہ نہیں لینے دیا جاتا تھا۔۔۔ یہ چھوٹی ہے۔۔۔ اسکا قد چھوٹا ہے۔۔۔ یہ چھوٹی لگتی ہے۔۔۔ روسٹرم کے پیچھے سے نظر ہی نہیں آتی۔۔۔ یہ گر جائیگی۔ اسے چوٹ لگ جائیگی۔۔۔ ہر بار ایک ہی طرح کے جملہ بول کر میرا دل توڑ دیا جاتا تھا۔۔۔ وہی کام جو میرے ہم عمر اور ہم جماعت آرام سے کر سکتے تھے۔۔۔ مجھے کرنے ہی نہیں دئے جاتے تھے۔۔۔ اور وجہ بس یہی تھی جسے تم چارٹ دس انچ کہتے ہو۔۔۔ اور تب میں نے سوچا کہ بس اب میں کسی کی نہیں سنوگی۔۔۔ میں ثابت کر کے دکھاؤ گی کہ میں کسی سے کم نہیں ہوں۔۔۔ میں وہ سب کر سکتی ہوں جو میرے ہم عمر کرتے ہیں۔۔۔ اس کے بعد التمش میں نے کبھی مُر کر نہیں دیکھا۔۔۔ ہر اس چیز میں حصہ لیا۔۔۔ ہر وہ کام کیا۔۔۔ ہر اس کھیل کا حصہ بنی جو میرے لئے صرف میرے قد کی وجہ سے ممنوع قرار دے دیا جاتا تھا۔۔۔ یقین کرو جب بھی کسی نے میرا دل توڑا۔۔۔ میں نے اس عمل کو قیمتی جانا۔ اسکول میں۔۔۔ کالج میں یا عملی زندگی میں۔۔۔ ہمیشہ میں نے دل کے ٹوٹ جانے پر کبھی غم نہیں منایا۔۔۔ انسان ہونے کے ناطے روئی ضرور ہوں لیکن کبھی اس توانائی کو ضائع نہیں ہونے دیا۔۔۔ تم سا ہیوال سے آتے ہوئے میرا دل توڑ کر آتے تھے۔۔۔ یہ سوچے سمجھے بناء کہ میں تم میں ذرا بھی انٹریڈ نہیں ہوں۔۔۔ تم نے میرے چھوٹے قد کی بناء پر میری تضحیک کی تھی۔۔۔ میرا بھی دل ٹوٹا تھا لیکن دیکھ لو میں آج تمہارے سامنے ہوں۔۔۔ اتنا سامنے کہ تم مجھ سے مشورہ کرنے پر مجبور ہو۔۔۔ کیونکہ میں نے اپنی توانائی کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیا۔۔۔ اور تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گی کہ سوچو۔۔۔ کیسے خود کو ثابت کر سکتے ہو۔۔۔ کیسے نکل سکتے ہو اس صورتحال سے۔۔۔ کیسے پہنچ سکتے ہو اس مقام پر جہاں مسز تہمیدہ تمہیں اپنا داماد بناتے ہوئے فخر محسوس کریں اور تم ان کے سامنے سراٹھا کر کہہ سکو کہ۔۔۔ لڑکا درزی کا۔۔۔ تو انداز قبی مرضی کا“ وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ التمش کو اس لڑکی پر، اسکی دوستی پر پہلی بار بے پناہ فخر محسوس ہوا تھا۔ وہ غلط تو نہیں کہہ رہی تھی۔

دل ٹوٹ گیا تھا لیکن عزم سلامت تھا۔

”واہ واہ۔۔۔ بڑی ولی اللہ ہیں بھائی آپ تو۔۔۔ مجھے یقین ہے آخر میں تم نے زبردستی مجھ سے اپنے ہاتھ پر بیعت لے لینی ہے“ اس نے مصنوعی انداز میں ناراضی میں چڑتے ہوئے کہا تھا۔ سونیا کچھ نہیں بولی کیونکہ وہ جانتی تھی اسے لوگوں کو اپنا مرید بنانا آتا تھا۔ اسے وہ بُہر آتا تھا جو لوگوں کے دلوں کو اس کے حق میں رام کر دیا کرتا تھا۔

☆.....☆.....☆

”تم گئے نہیں؟“ سونیا نے اسے حیران ہو کر دیکھا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھ کر کمرے سے نکلی تو التمش عطیہ بیگم کے کمرے میں بیٹھائی دی دیکھنے میں مگن تھا۔

”نہیں۔۔۔“ التمش نے اطمینان سے جواب دیا تھا۔ اسے حیرت ہی نہیں ہوئی بلکہ انتہائی غصہ بھی آیا

”لیکن کیوں۔۔۔؟“ وہ چڑسی گئی۔ اتمش اطمینان سے ٹی وی اسکرین کی جانب دیکھ رہا تھا

”تمہیں احساس بھی ہے میں نے کتنی مشکل سے ان سے تمہارے لئے بات کی تھی۔۔۔ وہ اتنی بڑی اسٹائلسٹ ہیں۔۔۔ بڑے بڑے ماڈلز کو انہوں نے ہی چانس دے کر اس مقام تک پہنچایا ہے۔۔۔ تم جیسے نو آموز کو تو وہ دروازے سے ہی باہر بھیج دیتی ہیں۔۔۔ لیکن میری ریکویسٹ پر انہوں نے تمہیں اوکے بول دیا تھا اتمش۔۔۔ آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو۔۔۔؟“ وہ سخت ناراض ہو رہی تھی۔ وہ اس کے لئے ہر روز ایک نیا موقع تلاش کرتی تھی اور وہ ہر روز اسے رد کر دیتا تھا۔

سونیا کے بنائے کچھ کلچر ایک ڈریس ڈیزائنر کو پسند آئے تھے۔ انہوں نے فیس بک پر اس سے رابطہ کیا تھا۔ سونیا نے ان کی فرمائش پر کلچر اور سنگ بگ بنائے تھے لیکن اپنا ٹیگ بھی لگایا تھا۔ اسکا فیڈ بیک اسے کافی اچھا ملا تھا۔ وہ ڈیزائنر اچھی خاتون تھیں اور سونیا کے ہنر و قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ اسی لئے اتمش کے لئے اس نے ان سے بات کی تھی کہ وہ اپنے کسی شو میں اسے ریمپ پر آ لیں۔ اسے ایک چانس مل جائیگا اور بعد میں وہ باقاعدہ ماڈلنگ کی طرف آسکتا ہے۔ کسی پروفیشنل سے اپنا پورٹ فولیو وغیرہ بنا سکتا ہے۔ انہوں نے سونیا کی خاطر یہ بات مان لی تھی جبکہ اتمش نے اس پر خوب واویلا مچایا تھا۔

”میں نہیں کر سکتا یہ فضول کام۔۔۔ آجکل ماڈلنگ مردوں کے کرنے والا کام ہی نہیں ہے۔۔۔ جس ڈیزائنر کا دل چاہتا ہے ڈوپنڈ اوڑھا کر اچھے بھلے گھرو جوان کو ریمپ پر دھکیل دیتے ہیں۔۔۔ ابھی تو تم جیسے ڈیزائنر بھی مارکیٹ میں آنے باقی ہیں۔۔۔ ڈرلگتا ہے اس وقت سے جب جھمکے پر اندر سے بھی مردوں کو ہی پہنایا کرو گے تم لوگ۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ ریمپ پر آنے سے اس نے قطعاً انکار کر دیا تھا۔ وہ اس قسم کی ماڈلنگ میں بالکل بھی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بعد سونیا نے اسے ایک اسٹائلسٹ سے ملاقات کے لئے ٹائم دے کر دیا تھا۔

”تم اپنی نوکری سے کبھی زمین کی اماں کے اسٹیٹس کو نہیں چھو سکتے۔ تمہیں ایک بڑا بیک تھرو چاہیے۔۔۔ جو الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے ہی مل سکتا ہے۔۔۔ اس کام میں روپے بھی ہیں اور شہرت بھی۔۔۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارا چھوٹے سے نکلنے ہوئے قد کا کوئی فائدہ تو ہو“ سونیا اسے بہت مشکل سے رضامند کیا تھا اور سمجھایا بھی تھا کہ اگر تم اسٹائلسٹ کی باتیں مان کر چلو گے تو تمہیں ضرور چانس مل جائیگا۔ اوہ آج وہیں جانے والا تھا لیکن اس کی گھر میں موجودگی ثابت کر رہی تھی کہ اسے یہ بھی منظور نہیں تھا۔

”تمہارا مسئلہ کیا ہے اتمش۔۔۔ تم میری کوئی بات نہیں مانتے۔۔۔ اور پھر خواہش تمہاری یہ ہے کہ اپنی ہونے والی ساس کے اسٹیٹس کا مقابلہ کرو گے۔۔۔ ایسے تو کبھی نہیں کر سکو گے“ وہ اسکی خاموشی سے زچ ہو گئی تھی۔

”مجھے مقابلہ کرنا ہی نہیں ہے۔۔۔ میں بناء جنگ جیتے ہی فاتح ہوں میری پیاری پھپھو کی بیٹی۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولا۔ سونیا نے گہری سانس بھری۔ اسے اتمش کی کالی سے بہت الجھن ہوتی تھی۔ اتمش نے اس کے آسمانے ہوئے چہرے کی جانب دیکھا پھر ذرا سا

شرمندہ ہو کر بولا ۔

”یار۔۔۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو نا میں ڈسپل میڈیرل نہیں ہوں۔۔۔ میں باقاعدگی سے جم جانے والی۔۔۔ لڑکیوں کی طرح ویکس کروانے والی۔۔۔ ڈانٹنگ کرنے والی۔۔۔ پروٹین شیک پینے والی مخلوق نہیں بن سکتا۔۔۔ میرا اسٹیمنائی نہیں ہے ان سب چیزوں کا۔۔۔ اور پھر جن عجیب و غریب خاتون کے پاس تم نے مجھے بھیجا تھا نا انہوں نے کہا کہ اپنی زندگی سے چاکلیٹ اور چیز نکال سکتے ہو۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو وہ کہنے لگیں۔ پھر ماڈل بننے کا خواب بھی دل سے نکال دو۔۔۔ سو میں نے نکال دیا لوگ مجھ سے شرطیں رکھ کر کیوں ملنے کے خواہاں کیوں ہیں۔۔۔ زرین چاہتی تھی میں اپنی زندگی سے اپنے ابا کو نکال دوں۔۔۔ یہ محترمہ فرماتی ہیں میں چاکلیٹ کو زندگی سے نکال دوں۔۔۔ مجھ سے نہیں ہو گا یہ سب۔۔۔“ وہ خود بھی کچھ الجھا ہوا سا نظر آنے لگا تھا لیکن باتیں ابھی غیر سنجیدہ انداز میں کر رہا تھا۔ سونیا چند لمحے اسکی شکل دیکھتی رہی۔

”تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو؟“ وہ الجھے ہوئے انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی۔ آتمش نے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ بیڈ پر پھینکا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر عطیہ بیگم کی الماری میں سے کچھ نکالنے لگا تھا۔ سونیا اسکی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

”ایک درزی کا بیٹا۔۔۔ یہی کر سکتا ہے بس۔۔۔“ اس نے ایک کرافٹ بک نکالی تھی اور سونیا کے سامنے رکھ دی تھی۔ سونیا نے ذرا سا جھجھک کر کرافٹ بک قریب کی اور اسے کھول کر دیکھنے لگی۔ وہ چند لمحے انہی کی جانب متوجہ رہی۔

”یہ سب تم نے بنائے ہیں؟“ وہ ایک ایک صفحہ پلٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اسکی نگاہوں میں ستائش تھی۔

”ہاں۔۔۔ اور میں یہی بناؤں گا۔۔۔ میں نے اسی دن یہ سوچ لیا تھا جس روز میڈم تھمپسن نے میرے باپ کو میرے سامنے ذلیل کیا تھا۔۔۔ تم دیکھنا میں ان پر ثابت کر دوں گا کہ درزی ہونا کس قدر قابل فخر ہو سکتا ہے۔ میرا عزم ان کے اسٹیٹس کا مقابلہ کرنا نہیں ہے۔۔۔ دولت روپیہ پیسہ اہم نہیں ہے میرے لئے۔۔۔ بلکہ میرا عزم ان کو دکھانا ہے کہ میرے باپ کا اسٹیٹس کس قدر عظیم ہے میرے لئے۔“ وہ نہایت اعتماد بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سونیا نے ایسا اعتماد پہلی بار اس کے چہرے پر دیکھا تھا۔

”تم درزی بنو گے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ آتمش کے چہرے پر فاختانہ مغروری مسکراہٹ چمکی۔

”نہیں۔۔۔ میں ڈریس ڈیزائنر بنوں گا۔۔۔ دنیا کو اگر کان مشرق کی بجائے مغرب سے پکڑنا اچھا لگتا ہے۔۔۔ دنیا اگر سادگی کی زبان بولنے والوں سے خار کھاتی ہے۔۔۔ دنیا کو اگر درزی کو درزی کہتے شرم آتی ہے لیکن ڈریس ڈیزائنر کہنے سے شملہ اونچا محسوس ہوتا ہے تو ایسے ہی سہی۔۔۔ ہم بھی دنیا کو دنیا کی طرح ہی بن کر دکھائیں گے۔۔۔ ہم بھی کان کو مغرب سے ہی پکڑ کر دکھائیں گے اب۔۔۔“ وہ پُر عزم لہجے میں کہہ رہا تھا اور یہ عزم بھی اس کے چہرے پر سونیا کو پہلی بار نظر آیا تھا۔

دل ٹوٹ گیا تھا لیکن توانائی ضائع نہیں ہوئی تھی۔۔۔ دل کا ٹوٹنا کام آسکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

”زرین۔۔۔ طوبیٰ نے کتنی پیاری شرٹ پہنی ہوئی تھی نا؟“ میڈم تھمینہ نے بیٹی کو مخاطب کر کے پوچھا تھا۔ اس نے موبائل سے نظریں ہٹا کر انکی جانب دیکھا۔

”جی اچھی تھی۔۔۔“ اس نے سرسری سے انداز میں کہا تھا۔ میڈم تھمینہ کو اسکا انداز اچھا ناگاہ۔ وہ اچھا کپڑا پہننے کی بے حد شوقین تھیں۔ ہر طرح کا فیشن اپنی عمر اور جسامت کا لحاظ کئے بناء کرتی تھیں اور اس متعلق گفتگو میں بھی نہایت دلچسپی رکھتی تھیں۔ زرین نے ان سے یہ عادت ورثے میں لی تھی۔

”پرسوں ناز کے بیٹے کی سالگرہ میں بھی بہت پیاری میکسی پہنی ہوئی تھی اس نے۔۔۔ میں نے پوچھا تھا۔ کہاں سے لی؟“ لیکن بتایا نہیں اس نے۔۔۔ ایک تو چھپا چھپا کے رکھنے کی عادت بالکل اپنی ماں سے لی ہے ان لڑکیوں نے۔۔۔ مجال ہے کبھی کوئی چیز بتا دے کہ کہاں سے یا کتنے میں خریدی؟ وہ بڑا سامنے بنا کر بولیں۔ زرین صوفے پر ذرا ٹھیک ہو کر بیٹھتے ہوئے انکی جانب دیکھنے لگی۔

”زرین کے بریک اپ کو ڈیڑھ سال ہونے کو آیا تھا اور اب تو وہ کافی سنبھل چکی تھی۔ اک دفعہ خود کشی کی ناکام کوشش۔۔۔ چھ مہینے ماموں کے یہاں لندن میں قیام اور تین مہینے اینٹی ڈیپریسینٹ کے مستقل استعمال نے بھی اس کے دل سے اتمش کی یاد کو کھرچ کر نہیں پھینکا تھا۔ وہ اپنی ماما کے سامنے ذکر نہیں کرتی تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ اتمش کو بھول نہیں پائی تھی اور نا ہی اس امر کو کہ وہ ان کے خاندانی درزی ماسٹر غلام حسین کا بیٹا تھا۔ اتمش کو نہیں بھولی تھی لیکن اس سے شادی کے خیال کو بھلا چکی تھی وہ۔۔۔

”آپ مجھے پہلے بتاتیں۔۔۔ مجھے پوچھنے کا ہنر آتا ہے۔۔۔ میں آپکو پوچھ کر بتا دیتی“ اس نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔ اب کی بار میڈم تھمینہ نے فخر سے بیٹی کی جانب دیکھا۔ یہ بات تو وہ جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی ان سے زیادہ ہی ہوشیار تھی۔

”ہاں تو پوچھ لیتی نا۔۔۔ میں بھی جا رہی ہوں اس ہفتے پاکستان۔۔۔ آتے وقت لے آؤ گی۔ آگے رمضان آ جانا ہے۔۔۔ اتنی افکار پارٹیاں آتی ہیں۔۔۔ ہمارے پاس اسٹاک ہونا چاہیئے“ وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ دبئی میں ان کے خاندان کے بہت سے افراد تھے اور مقابلہ بازی خوب عروج پر رہتی تھی۔

”بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔ روزوں میں تو واقعی بہت زیادہ ایسٹرن کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے۔۔۔ پھر عید کے تین دن بھی تو ایسے ہی کپڑے چاہیئے ہوتے ہیں۔۔۔ میں تو تھک گئی ہوں جینز کے ساتھ شرٹس پہن پہن کر۔۔۔ پوچھتی ہوں طوبیٰ آپنی سے۔۔۔“ ان کو ہی نہیں زرین کو بھی اچھا پہننے اوڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ اس نے اسی وقت طوبیٰ کو واٹس ایپ میسج کیا تھا اور پہلے تو اس کے ذوق کی اس کی نزاکت و خوبصورتی کی اور پھر اس کے لباس کی بے پناہ تعریف کی تھی اور اس کے بعد اس سے دریافت کیا تھا کہ اس نے اپنی شرٹس کہاں سے خریدی ہیں۔

”یہ نیڈا ڈیزائنر ہے۔۔۔ بہت اچھا اسٹاک ہے ان کے پاس۔۔۔ ابھی نئے لوگ ہیں لیکن آرڈر پر کام کرتے ہیں اور کام بہت

زبردست ہے۔۔۔ کراچی بیڈ میں۔۔۔ گلوبلی شینگ کرتے ہیں۔۔۔ تم آؤ گی تو کانٹیکٹ نمبر دو گی تمہیں" اس نے بھی فوراً جواب دے دیا تھا۔
 "کوئی آن لائن لنک نہیں ہے آپ کے پاس۔۔۔؟" اس نے دوسرا میسج بھیجا تھا۔ اس میسج کا جواب طوبی نے کچھ وقف کے بعد دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ میرے پاس سیل نمبر ہی ہے۔۔۔ انکافیس بک پیج بھی بنا ہوا ہے لیکن واٹس ایپ گروپ بھی ہے۔۔۔ تمہیں نمبر دو گی نا۔۔۔ تم خود دیکھ لینا۔۔۔ تمہیں اچھے لگیں گے ڈیزائن"

طوبی نے ابھی بھی نمبر نہیں دیا تھا حالانکہ ایک ہی ملک سے اگر میسج جاسکتا تھا تو نمبر بھی جا ہی سکتا تھا لیکن زمین سمجھ گئی تھی کہ وہ اتنی آسانی سے نمبر نہیں دے گی۔ ان سب کزنز کا ایک مسئلہ تھا۔ کوئی بھی آسانی سے اپنی چیزیں شیئر کرنے پر تیار نہیں ہوتا تھا اور بالخصوص کپڑوں جوتوں کے معاملے میں تو وہ سب ہی بلا کی محتاط تھیں۔ ایک دوسرے کو بتاتی بھی نہیں تھیں اور پھر اپنی چیزیں دکھا دکھا کر جلاتی بھی بہت تھیں
 "میں نے کہا تھا نا کہ نہیں بتائے گی" میڈم تھمینہ نے کہا تھا۔ زمین نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں انہیں دیکھا
 "نہیں تو نا سہی۔۔۔ اتنے ڈیزائنز آگئے ہیں مارکیٹ میں۔۔۔ انکو مل گیا ہے کوئی تو ہمیں نام ملے گا کیا۔۔۔ آپ سرچ کر لیں۔۔۔ لاتعداد لوگ مل جائیں گے" وہ لاپرواہی سے بولی تھی

"رمضان سے پہلے کوئی انتظام ہو جاتا تو اچھا تھا۔۔۔ یہاں تو انڈین مال بھرا پڑا ہے۔۔۔ اور پھر مہنگا بھی بہت ہے۔۔۔ وقت کے وقت خریدیں گے تو مزید مہنگا پڑے گا۔۔۔" میڈم تھمینہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔ زمین نے سر بلایا تھا۔ خاندان بھر میں اس قسم کی باتوں پر سخت کشمکش رہتی تھی۔

اس کے بعد کافی دن گزر گئے۔ ایک دن وہ ٹی وی پر رات کے وقت بیٹھی کوئی پرانی مووی دیکھ رہی تھی۔ میڈم تھمینہ بھی ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب طوبی نے میسج کیا

"زری۔۔۔ مارنگ شو لگا کر دیکھو۔۔۔ وہ جن ڈیزائنز کی بات میں کر رہی تھی نا۔۔۔ "الحراب"۔۔۔ وہ ٹی وی پر آیا ہوا ہے۔۔۔ اپنا نیا اسٹاک اور عید الضحیٰ کی کوئیکشن شو کیس کر رہا ہے۔۔۔ ڈریسز تو بعد میں دیکھنا۔۔۔ پہلے بندہ دیکھو۔۔۔ کیا زبردست پر سٹائی ہے۔۔۔ بڑا ڈیزائننگ ہے۔۔۔ اور دبئی میں بھی ایگریڈیشن کرنے والے ہیں اگلے مہینے۔۔۔" اس کے میسج کو دیکھنے کے بعد زمین نے میڈم تھمینہ کی جانب دیکھا تھا۔
 "ماما۔۔۔ طوبی بتا رہی ہے کہ وہ ڈیزائنرز جس کا ایڈریس اس نے ہمیں نہیں دیا تھا نا۔۔۔ وہ ٹی وی پر آ رہا ہے۔۔۔ اپنی نئی کوئیکشن دکھا رہا ہے۔

زمین نے اسکا بتایا ہوا چینل لگایا تھا۔ اسی وقت مختلف ماڈلز بہت پیارے کپڑے پہنے ایک کے بعد ایک تیز میوزک کی تان پر سامنے آ جا رہی تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی اس میں مگن ہو گئی تھیں۔ اسکرین پر فیس بک پیج۔۔۔ فون نمبر اور دوسری تفصیلات بھی آرہی تھیں

زرین نے سب کچھ اپنے فون میں محفوظ کر لیا تھا۔ اسی دوران میوزک دھیمّا ہوا تھا اور میزبان نے ڈیز انٹر سے بات شروع کی تھی۔ میڈم تھمینہ توٹی وی اسکرین کی جانب ہی متوجہ تھیں لیکن زرین نے موبائل میں بھی ساتھ ساتھ مگن تھی۔

”ڈیز انٹر آپ کتنا سوہنا ہے۔“ میڈم تھمینہ نے اسکرین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ زرین کو کسی کی وجاہت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس نے سرسری سے انداز میں سر اٹھا کر ٹی وی کی جانب دیکھا تھا۔ اسے جھٹکا لگا تھا۔۔۔ اس نے اپنی ماما کی جانب دیکھا۔ وہ ٹی وی اسکرین میں کھوئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے التمش کو نہیں پہچانا تھا لیکن وہ تو اس چہرے کو لاکھوں چہروں میں بھی پہچان سکتی تھی۔ وہ نہایت اعتماد کے ساتھ اپنے بنائے ہوئے ملبوسات کی تعریف کر رہا تھا۔ وہ ان شارٹ کورسز کے بارے میں بات کر رہا تھا جو اس نے گزشتہ ایک سال میں کئے تھے۔ وہ اپنی اس بوتیک کے بارے میں بتا رہا تھا جو اس نے کراچی کے بڑے اور مہنگے ترین مال میں بنائی تھی۔ وہ اپنے والد کے بارے میں بات کر رہا تھا جو اسکی انسپائریشن تھے۔۔۔ جنہوں نے اسے یہ سب سکھایا تھا۔۔۔ اس کے انداز میں مہارت تھی فخر تھا، غرور تھا اور اعتماد بھی۔ وہ جو بھی کر رہا تھا اسے اس پر فخر تھا اور یہ فخر اس کے ہر عضو سے چھلکتا پڑ رہا تھا۔ وہ واقعی بدل تو گیا تھا۔ ایک بے پرواہ کھلندہ راسال کا اٹھارہ مہینوں میں ایک کامیاب ترین بزنس مین کے سے انداز میں ڈھل چکا تھا لیکن اس نے ثابت کر دیا تھا وہ بے مثال تھا۔۔۔ وہ بے مثال ہے۔

زرین نے ایک بار پھر ماما کا چہرہ دیکھا۔ وہ تو واری صدقے جانے والی نگاہوں سے ٹی وی کی جانب دیکھ رہی تھیں ”دیکھ زرین۔۔۔ ہے کتنا اچھا۔۔۔ اور ذہین بھی۔۔۔ بہت قابل ڈریس ڈیز انٹر ہے۔۔۔ ماشاء اللہ۔۔۔ چھ مہینے کا کورس کر کے آیا ہے لندن سے۔۔۔ تو اسکا نمبر لکھ لے۔۔۔ تیری شادی پر اس سے کام کروائیں گے“ زرین کے منہ سے آواز نکل رہی تھی۔ اسے بس ایک بات یاد تھی۔

وہ التمش تھا۔۔۔ وہ التمش جسے سب سجتا تھا۔۔۔ سب کچھ۔۔۔

☆.....☆.....☆

”الحراب۔۔۔“ سونیا نے فخر و انبساط کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اپنی بوتیک پر لگے اس بورڈ کی جانب دیکھا۔ ڈیڑھ سال کے عرصے میں کراچی جیسے بڑے شہر کے ایک مشہور مال میں اپنی بوتیک بنالینا آسان نہیں تھا۔ سرمایہ تو اس کے ماں باپ بھی دے سکتے تھے۔۔۔ التمش کی فرمائش پر ماسٹر جی بھی فراہم کر سکتے تھے۔ اصل بات سرمایہ کی فراہمی نہیں تھی بلکہ اس بوتیک کو چلانا، اپنے آپ کو ایک ڈیز انٹر کے طور پر منوانا سب سے مشکل کام تھا۔۔۔ اور اس نے اور التمش نے مل کر یہ کر دکھایا تھا۔

یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی جس پر وہ جتنا فخر کرتی کم تھا

یہ اسکا اور التمش کا جوائنٹ ویسپر تھا۔ ان دونوں نے اس کے لئے دن رات محنت کی تھی۔ اسکا سُر اور التمش کے ٹوٹے دل سے

حاصل ہونے والی توانائی نے یہ سب کر دکھایا تھا۔ یہ آئیڈیا آتمش نے ہی دیا تھا۔ سونیا نے اسے حقیقت کا روپ دیا تھا۔ وہ مل کر ڈیزائن بناتے تھے، ماسٹر جی کے کاریگر سونیا کی معاونت سے انہیں لباس کے روپ میں بدل دیتے تھے اور ایک ایسی چیز تیار ہو جاتی تھی جسے دیکھنے والا سراہے بناؤ رہے نہیں پاتا تھا۔ کام وہی تھا جو ماسٹر جی کرتے آئے تھے لیکن آتمش اور سونیا نے اسے زمانے کے رجحان کے مطابق جدید رنگ دے دیا تھا۔ وہ دونوں پڑھ لکھے تھے، انفرادیت کے قائل تھے اور ٹیکنالوجی کا بھرپور استعمال کرنا جانتے تھے۔ ماسٹر جی کے تجربے اور ان دونوں کی جدت پسندی نے انہیں بہت جلد کامیاب کر دیا تھا۔ وہ دونوں ابتداء میں روپے کمانے سے زیادہ اپنے برانڈ کی پروموشن میں دلچسپی رکھتے تھے اس لئے انہوں نے ابتدائی اسٹاک کو تحفہ بھی باٹھا تھا۔ اپنے فیس بک پر مختلف مقابلے کروا کر انعام کے طور پر بھی دیا تھا۔ پہلے ہی سال میں چار بار پچاس فیصد کمزوری پر بھی بیچا تھا اسلئے وہ مقبول بھی جلدی ہو گئے تھے۔ سونیا نے اپنی ایک کلائنٹ سے درخواست کر کے ایک مارننگ شو کے لئے اپنے لباس بھجوائے تھے جو بہت پسند کئے گئے تھے بعد میں انہوں نے فرمائش کر کے مزید لباس منگوائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مارننگ شو تک رسائی بہت جلد ممکن ہو گئی تھی۔

”الحراب“ سونیا نے یہ نام خود اپنی بوتیک کے لئے منتخب کیا تھا حالانکہ پہلے وہ صرف عراب کے نام سے اپنی چیزیں مارکیٹ میں متعارف کروانا چاہتی تھی لیکن جب آتمش نے اس کام کو اپنے پیشے کے طور پر اپنانے کی بات کی تو اس نے بخوشی اسکا ساتھ دیا تھا، اسکی معاونت کی تھی اور تب ہی اس نے اپنے برانڈ کے نام کو ”عراب“ سے ”الحراب“ کر لیا تھا۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم تھے، آتمش نے اگر ”الحراب“ کے لئے اپنی انا قربان کی تھی تو سونیا نے بھی اپنے شہر کو چھوڑنے جیسے امر کی قربانی دی تھی۔ اپنے والدین کی کینیڈا سے واپسی کے بعد اسی نے اصرار کر کے انہیں کراچی شفٹ ہونے پر مجبور کیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے تھے، ایک دوسرے کے کام میں خوب کیڑے نکالتے تھے۔ ایک دوسرے کی آراء سے کبھی اتفاق نہیں کرتے تھے لیکن پھر بھی ایک دوسرے کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے۔۔۔ اتنے عرصے میں اگرچہ بہت کچھ بدل گیا تھا لیکن ایک دوسرے کے لئے وہ ابھی بھی ویسے ہی تھے۔ آتمش سونیا کے لئے راجا آتمش تھا تو سونیا بھی اس کے لئے چارفٹ دس انچ ہی تھی اور اسی لئے بزرگوں کی خواہش بھی اسی طرح قائم و دائم تھی۔

☆.....☆

”یہ کس نے بنایا ہے؟“ سونیا نے ایک نامکمل سی جیکٹ کو دیکھ کر ناک چڑھائی تھی۔ وہ دودھیسی رنگ کی آدھی آستینوں والی جیکٹ تھی جس پر جابجا سبز اور لگابی رنگ کے دائرے چپکائے ہوئے تھے۔ اس نے مزید قریب ہو کر دیکھا

”ایپیک ہے یہ۔۔۔؟“ اس نے شوبی سے پوچھا تھا۔ وہ مابائل ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ سونیا کے انداز کو دیکھ کر اس نے موبائل جیب میں رکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔ سونیا نے ناک چڑھائی۔ وہ عموماً بوتیک پر کم ہی جایا کرتی تھی لیکن ورکشاپ پر صبح ہی پہنچ جاتی تھی اور سارا

دن وین گزرتی تھی۔ انہوں نے ماسٹر جی کی زمزمہ والی دوکان کو ہی عارضی طور پر ورکشاپ بنالیا تھا۔ اس دوکان کے اوپر والے حصے میں ایک بڑا ہال تھا جس کو ماسٹر جی نے ایک بڑے شوروم کی شکل میں ڈھال دیا تھا۔ وہاں پر ہی وہ اپنا کام کر لیتے تھے کیونکہ اب وہاں پر سلائی ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ مختلف کڑھائی اور گوٹا سناری کرنے والے کاریگر بھی ملازم رکھ لئے تھے۔ سونیا کو ہر کام کو نہایت مہارت و محنت سے کرنے کی عادت تھی۔ وہ اسی لئے اتمش کے کام میں مین میج بھی خوب نکالتی تھی جس سے وہ چڑھتا تھا

”میں نے کروایا ہے اسے شوبی سے۔۔۔ اچھا لگ رہا ہے نا۔۔۔ یہ جو دائرے دیکھ رہی ہونا۔۔۔ اس تھیم کو میں مزید رنگوں کے ساتھ کرنا چاہ رہا ہوں۔۔۔ یہ پلین شرٹ کے ساتھ چلائیں گے۔۔۔ بہت اچھا لگے گا۔“ اسی لمحے اتمش سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تھا۔ سونیا کی پیٹنی پر تیوریاں بڑھ گئی تھیں

”تم کبھی دماغ بھی استعمال کر لیا کرو۔۔۔ اسپرنگ میں پلین (سادہ) کون اڑائے گا۔۔۔ فلورل ڈیزائنز کی بھرمار ہوگی اس بار۔۔۔ اس پر یہ گول گول دائروں والی لیمپک کی جیکٹس کو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس پر محنت کرنے کی۔۔۔“ اس نے سخت سے لہجے میں شوبی کی جانب دیکھ کر کہا تھا، اتمش کو بہت برا لگا۔ اس نے تیکھے چوتنوں سے سونیا کو گھورا پھر قریب کھڑے شوبی کو دیکھا۔ وہاں موجود سب ملازم جانتے تھے کہ کام کے معاملے میں ان کے مالکان بچوں کی طرح لڑنے کے عادی تھے۔ شوبی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی لیکن ڈانٹ کے ڈر سے وہ وہاں کھڑا رہنے کی بجائے سیڑھیاں اتر کر نیچے چلا گیا تھا۔ اتمش سونیا کی جانب مڑا تھا۔

”تمہیں تو عادت ہی پڑ گئی ہے ہر کام میں صحیح صحیح صحیح کرنے کی۔۔۔ پہلے چیز پوری طرح دیکھ لیا کرو پھر یہ زبان کی کانٹ چھانٹ دکھایا کرو۔۔۔ جب فلورل کی بھرمار ہوگی تو سادہ شرٹس کے ساتھ ایسی لیمپک کی جیکٹس بہت اچھی لگیں گی۔۔۔ بھئی کچھ مختلف ہوگا تو کوئی آپکی جانب اٹریکٹ ہوگا نا۔ اسی لئے میں نے اسکی آستینوں کی لمبائی ایسی رکھی ہے۔۔۔ تم دیکھنا۔ آنے والے وقت میں آستین پر اتنی ہی انفرادیت نظر آئے گی جتنی گزشتہ برس ٹراؤزرز میں نظر آئی تھی۔“ وہ اپنے موقف پر قائم تھا۔ ماسٹر جی کا بیٹا تھا۔ اسے سلیقہ تو پہلے سے تھا فیشن کا لیکن اس نے آن لائن کورسز بھی کئے تھے جس سے اسے کافی فائدہ ہو رہا تھا

”تم پہلے اسے مکمل کرو، مجھے دکھاؤ پھر اس کے بارے میں بات ہوگی۔۔۔ ابھی تو ہم برائینڈل پر محنت کر رہے ہیں۔۔۔ پہلے اسے مکمل کر لیں۔۔۔ پھر اسپرنگ کو لیکشن دیکھیں گے“ سونیا بھی آرام سے اسکی بات مان لے یہ ممکن ہی نہ تھا۔ اتمش اسکی ہدایات کو نظر انداز کرتے ہوئے اطمینان سے ایک سمت میں پڑے جھولے پر دراز ہو گیا تھا

”تم بہت چالاک لڑکی ہو۔۔۔ مجھے برائینڈل پر لگا دو گی اور خود اسپرنگ کو لیکشن شروع کر دو گی۔۔۔ تاکہ بعد میں ثابت کر سکو کہ تم مجھ سے زیادہ محنت کرتی ہو“

”مجھے ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔۔۔ سب ہی جانتے ہیں کہ میں ہی زیادہ محنت کرتی ہوں۔۔۔ میرے ڈیزائنز ہی

زیادہ پسند کئے جاتے ہیں اور میرے ڈیزائز ہی سب سے پہلے نکل جاتے ہیں۔۔۔ تمہارا کام تو لٹکارہ جاتا ہے ٹیگرز پر۔۔۔ اور پھر بعد میں ہمیں ستر فیصد آف پر منتیں کر کے پہنچنا پڑتا ہے" وہ ایک کونے میں پڑے میٹکن کو گھسیٹ کر ہال میں کے درمیان میں لے آئی تھی۔ وہ کسی کلائنٹ کا برائیڈل آرڈر تیار کر رہی تھی۔ وہ ایک کاسنی اور سرخ رنگ کے امتزاج کا لمبا سا فریک تھا جس پر اس نے اپنے کاریگر سے جالی پر سنہرے دھاگوں سے بہت خوبصورت کڑھائی کروائی تھی اور درمیان میں سٹونز کا بے دریغ استعمال کیا گیا تھا۔ اس لباس کے لئے اس نے بہت محنت کی تھی۔ وہ مکمل ہو جانے کے باوجود بہت خوبصورت چیز لگنے لگی تھی۔ سونیا نے اس کے لئے بہت زیادہ چارج بھی کیا تھا لیکن کام ایسا تھا کہ سب کاریگرز بھی سراہ رہے تھے اور ماسٹر جی نے بھی تعریف کی تھی۔

"تمہاری احسان فراموشی پر فی الوقت میں صرف صدقے واری جاسکتا ہوں۔۔۔ خاندان بھر میں تمہارے جیسا کوئی نہیں گزرا۔۔۔ اور جس حساب سے سارا خاندان نمازی پر میزبی ہوا جا رہا ہے۔۔۔ لگتا بھی نہیں ہے کہ ایسا کوئی مزید سامحہ رونا ہو سکتا ہے اب صرف میرے جیسی نیک اولاد میں ہی پیدا ہوا کریں گی خاندان میں۔۔۔ ویسے تو اس بات پر بھی شکر واجب ہے ہم سب پر" وہ اطمینان سے جھولا جھلا رہا تھا۔ سونیا کچھ نہیں بولی۔ اس نے اب اپنا سارا دھیان اس لباس کی جانب کر لیا تھا۔ یہ لباس آج ہی سلائی ہوا تھا اور اب وہ اسکا آخری جائزہ لینا چاہ رہی تھی۔ اسے یہ کام وقت سے پہلے مکمل کرنا تھا۔ آتش نے اس کے انہماک کو دیکھا، اسے چڑانا چاہا لیکن پھر چپ ہو گیا۔ اس سے چند لمحے بھی صبر نہ ہوا تھا

"یہ تمہیں کچھ زیادہ لمبا نہیں لگ رہا۔؟" سونیا نے اس کے اعتراض پر ناقدانہ نگاہوں سے اس لباس کو دیکھا پھر ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں بولی

"برائیڈل ہے یہ۔۔۔ لڑکی چھانچ کی ہیل پہنے گی ساتھ۔۔۔ تب بھی یہ فرش پر لہراتا ہوا نظر آنا چاہیے۔۔۔ ایسے ہی برائیڈلز چل رہے ہیں آج کل"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔۔۔ میٹھس میں تو واقعی اچھی ہوتی لیکن سوال یہ ہے کہ اگر دہن چارٹ دس انچ ہوئی تو کتنے انچ کی ہیل میں یہ نیک کام سرانجام پاجائیگا" وہ اسے چڑھا رہا تھا۔ سونیا نے کھاجانے والی نگاہوں سے اسے دیکھا

"یہ جس کے لئے بنا رہی ہوں نا۔۔۔ وہ بھی پانچ فٹ سے کم ہی ہے۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ آتش نے اسکی بات کاٹ دی

"اوہ رہنے دو بی بی! کس نفسی سے کام لے رہی ہو تو معاف کر دیتا ہوں لیکن فائیو فائیو سے کم کا نہیں لگ رہا یہ۔۔۔ فائیو فور ہائیٹ کی لڑکی کے لئے مناسب ہے یہ۔۔۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹ سا گیا تھا

"لگاتے ہو شرط۔۔۔ ابھی پہن کر دکھاؤں۔۔۔ لیکن وعدہ کروا کر ہار گئے تو مجھے کبھی چارٹ دس انچ نہیں کہو گے؟" سونیا کو بھی جیسے ضدی ہوئی تھی۔ آتش نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے سر جھٹکا

”اتمش آج تک بار نہیں ہے۔۔۔ شکست سبکتی نہیں ہے مجھ پر۔۔۔ لیکن اگر تم پھر بھی بارنا چاہتی ہو تو لگا لیتے ہیں شرط۔۔۔“ بات مذاق مذاق میں شروع ہوئی تھی لیکن ہمیشہ کی طرح وہ دونوں ہنستے ہنستے ضد میں آگئے تھے۔ بیس منٹ گزرے تھے۔ سونیا وہ فراک زیب تن کر کے آگئی تھی۔ وہ بے حد خوبصورت لباس تھا۔ کوئی عام سے نقوش والی لڑکی بھی پہنتی تو دیکھنے والے کی آنکھیں چندھیا سی جاتیں لیکن یہ تو سونیا تھی۔ بکھرے الجھے الجھے بالوں کے صبح سے بنائے گئے جوڑے اور بلیک میک اپ والے چہرے کے ساتھ بھی وہ لباس جیسے اس کے وجود پر روشنی بن کر بکھر گیا تھا کیونکہ اس کے انداز میں وہ اعتماد تھا جو کسی کو بھی چت کر سکتا تھا۔ اتمش نے اسکی جانب دیکھا تھا اور مبہوت سا رہ گیا تھا۔ یہ واقعی لباس ہی کی خوبصورتی تھی لیکن سحر ساطاری ہو گیا تھا۔ سونیا نے دیوار گیر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا اور پھر اسی آئینے میں نظر آتے اتمش کے عکس کو دیکھا تھا۔ اسکی نگاہوں میں پسندیدگی تھی، تائش تھی۔ سونیا کو یہ تائش اچھی لگی۔۔۔ اس نے گھوم کر اتمش کو موقع دیا تھا کہ وہ جی بھر کر اس لباس کو اور اسے دیکھ لے۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اسکا دل چاہا تھا کہ اتمش دل کھول کر اسے سراہے۔۔۔ اسے خود اپنی کیفیت پر حیرت ہوئی اور اسے اس بات پر بھی حیرت ہوئی کہ اسے یہ کیفیت بری نا لگ رہی تھی۔۔۔ اسے اتمش کی نگاہوں میں چھپی تائش بری نا لگ رہی تھی۔۔۔ وہ اسکی جانب مڑی تھی۔

”میں نے کہا تھا نا۔۔۔ ہار جاؤ گے“ وہ مسکراتے ہوئے جتا رہی تھی۔ اتمش مسکرایا پھر سر ہلایا

”اتنی حسین شکست کس کمبخت پر نہیں سبے گی۔۔۔ میں تو پھر اتمش ہوں۔۔۔“ وہ ہنس رہا تھا۔ اسی دوران دوکان کی سیڑھیاں چڑھ کر کوئی ہال میں داخل ہوا تھا۔ سونیا کی سمت اسی راستے کی جانب تھی لیکن اتمش چونکہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا اس لئے اس نے آنے والے کو دیوار گیر آئینے میں دیکھا تھا۔

”تم۔۔۔ زمین۔۔۔؟“ وہ ٹھٹھک کر پلٹا تھا۔ اسکی آواز میں حیرت ہی نہیں جوش بھی تھا۔ سونیا اور اسکا طلسم پھڑک کر کے اڑنچھو ہو گیا تھا

☆.....☆.....☆

”کیا۔۔۔ واقعی۔۔۔؟“ عطیہ بیگم نے حیران ہو کر ماسٹر جی کی جانب دیکھا تھا۔ وہ خاموش ہی رہے مگر چہرے کے تاثرات سے سب واضح ہو رہا تھا۔ یہ ایک ایسا موضوع تھا کہ وہ بول کر بھی پچھتاتے تھے اور نابول کر بھی خوار ہوتے تھے۔ عطیہ بیگم کے چہرے کے تاثرات خوفناک ہو چلے تھے۔

”اس کی ہمت کیسے ہوئی دوبارہ یہ بات کرنے کی۔۔۔ اور آپ نے جوتا کیوں نا اتار لیا پاؤں سے۔۔۔ دو لگانی تھیں سر پر۔۔۔ سارا ہوش ٹھکانے آجاتا۔۔۔ پہلے تھوڑی بے عرقی کروائی تھی ہماری جواب ایک بار پھر تماشہ لگوانا چاہتے ہیں موصوف“ وہ تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھیں اور ماسٹر جی کو امید بھی یہی تھی۔ اتمش نے جب انہیں یہ بتایا تھا کہ زمین واپس آگئی ہے اور میڈم تھمینہ نے اس بار خود اسے فون کر کے گھر والوں سمیت کھانے پر بلایا ہے تب ہی وہ سمجھ گئے تھے کہ اب اگلا مرحلہ بہت مشکل ہونے والا ہے لیکن وہ بھی کیا کرتے۔۔۔ ایک طرف جوان اولاد تھی تو دوسری جانب من چاہا جیون ساتھی۔۔۔ وہ کسے مایوس کرتے اور کسے سرخرو ٹھہراتے

”آپ کو کچھ احساس بھی ہے کہ یہ کتنی بری بات ہے۔۔۔ اور وہ بچی۔۔۔ جو آپ کے بیٹے کی خاطر سب کچھ چھوڑ چھاڑ یہاں آگئی ہے۔۔۔ اپنے ماں باپ کو ضد کر کے مجبور کیا ہے کہ وہ اس شہر میں پھر سے بسیرا کر لیں۔۔۔ اسے بھول گئے ہیں آپ۔۔۔ اور پھر بہن کو کیا جواب دیں گے ماسٹر جی۔۔۔ آپ اتنے نا سمجھ کیوں ہو جاتے ہیں“ وہ دانت چبا چبا کر بول رہی تھیں۔ ماسٹر جی نے اپنے کچھڑی کچھڑی بالوں میں ہاتھ پھیرا پھر گہری سانس بھر کر بولے

”میں تو بس آپ دونوں کے درمیان گھن چکر بن کر رہ گیا ہوں بی بی۔۔۔ ایک طرف آپکا لاڈلا بیٹا ہے تو دوسری جانب آپ خود ہیں۔۔۔ میں کس کی سنوں اور کس کی نظر انداز کر دوں؟“ وہ چڑ کر کہہ رہے تھے۔

”آپ مجھے ہی نظر انداز کریں بس ماسٹر جی۔۔۔ میں لگتی کون ہوں آپکی۔۔۔ التمش کے آگے آپکو نظر آیا ہے کبھی کوئی۔۔۔ وہ سخت ناراض تھیں۔ انہیں یہ بات ہضم ہی نا ہو رہی تھی کہ التمش ایک بار پھر اس لڑکی کی باتوں میں آکر میڈم تھمینہ جیسی خاتون کے ہاتھوں ہونے والی بے عزتی کو بھول بھال چکا تھا

”آپ تحمل سے میری بات سن لیا کریں تو میرا کتنا وقت بچ جائے۔۔۔ لیکن آپ ایک دم جذباتی ہو جاتی ہیں۔۔۔“ عطیہ بیگم نے ایک بار پھر ماسٹر جی کی بات کاٹ دی

”جذباتی۔۔۔ میں جذباتی ہو جاتی ہوں؟“ وہ سینے پر ہاتھ کر واقعی انتہائی جذباتی ہوتے ہوئے کہہ رہی تھیں

”اگلو تا بیٹا ہے میرا التمش۔۔۔ میرے پاس کونسا چار پانچ اولاد میں ہیں۔۔۔ ایک ہی تو بیٹا دیا ہے اللہ نے۔۔۔ اب اگر اس کے معاملے میں بھی جذباتی نا ہوں تو کس کے معاملے میں ہوں۔۔۔ میرے دل میں کتنے ارمان ہیں اس کے لئے۔۔۔ یہ نہیں سوچتے آپ دونوں۔۔۔ آپ کے لئے بس بیٹے کی مرضی اور پرند اہم ہے۔۔۔ میں اور میری رائے آپ کے لئے ہمیشہ غیر ضروری رہے گی۔۔۔“ وہ روہانسی سی ہو گئی تھیں۔ وہ تو سونیا اور التمش کو اکٹھے ایک ساتھ کام کرتا دیکھ کر خوش تھیں کہ التمش کے دل سے اس لڑکی کا خیال نکل چکا ہے لیکن یہ تو انکی خام خیالی ثابت ہوئی تھی۔ ماسٹر جی کو بہت دکھ سا ہوا لیکن وہ واقعی مجبور تھے۔ التمش انکو کہہ گیا تھا کہ میڈم تھمینہ ان سب سے ایک بار پھر ملنا چاہتی ہیں اور اب کی بار صورت حال پہلے والی نا ہوگی۔ التمش کے چہرے پر جو الوہی خوشی انہوں نے دیکھی تھی، وہ انہیں یہ باور کروانے کو کافی تھی کہ وہ کسی کی نہیں سنے گا تو پھر وہ کس بنیاد پر اسے سمجھاتے۔۔۔ وہ اولاد سے بلا وجہ کے بحث و مباحثے کے شروع سے قائل نا رہے تھے اور یہ انکی نامی نا تھی تھی بلکہ اگلو تے بیٹے کی محبت میں ایک خود ساختہ قسم کی مجبوری تھی۔

”ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ۔۔۔ میرے لئے آپ سے بڑھ کر تو کوئی نہیں ہے۔۔۔ آپ اگر ایک اگلو تی اولاد کے لئے جذباتی ہو سکتی ہیں۔ تو میں ایک اگلو تی زوجہ کے لئے جذباتی نہیں ہو سکتا۔۔۔ مگر میں کیا کروں اس معاملے میں ہمیشہ سے ہی غیر جانبدار نا ہوں۔۔۔ بچے کی خوشی جس میں ہے، میرا ووٹ اسی طرف کا ہے“ وہ نہایت بودے سے انداز میں اپنا موقف بیان کر رہے تھے۔ عطیہ بیگم نے انہیں گھور کر دیکھا

”اور اس بچی کی خوشی؟۔۔۔ اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے۔۔۔ کیا نہیں کیا اس نے آپ کے بیٹے کے لئے۔۔۔ یہ وہی تھی جس نے آپ کے بیٹے کے اسٹیٹس کو اتنا اونچا کر دیا کہ آپکی میڈم تھمینہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئی۔۔۔ آپ نے اس کے بارے میں سوچا ہے کبھی۔۔۔ اس کے دل پر کیا گزرے گی؟“ وہ انہیں گھور رہی تھیں۔ ماسٹر جی نے سر جھٹکا

”وہ بہت اچھی بچی ہے۔۔۔ بہت سمجھدار اور ذمہ دار۔۔۔ یہ اسکا احسان ہے کہ اس نے ہمارے بیٹے کو ذرے سے مابتاب کر دیا ہے۔۔۔ اس کے لانا بالی پن کو انتہائی ذمہ داری میں بدل دیا ہے۔۔۔ لیکن یہ صرف احسان ہے۔۔۔ احسان۔۔۔ آپ اسے“ سستی محبت“ والی عینک لگا کر کیوں دیکھتی رہتی ہیں؟۔۔۔ آپ کیوں نہیں سمجھتیں کہ اسے آپ کے بیٹے میں اس سے زیادہ دیکھنی نہیں ہے“ ماسٹر جی کا انداز ابھی بھی نا صحابہ تھا۔ عطیہ بیگم نے ایک گہری سانس بھری پھر عجیب سی رنجیدگی ان کے لہجے میں چھلکنے لگی تھی

”آپ کیوں نہیں سمجھتے ماسٹر جی۔۔۔“ وہ“ آپ“ پر زور دیتے ہوئے بولی تھیں

”سونیا کی آنکھوں میں اتمش کے لئے محبت دیکھی ہے میں نے۔۔۔ آپ نے غور نہیں کیا بچی کچھ دنوں سے مڑ جھائی مڑ جھائی پھرتی ہے۔۔۔ اچھا مان لیتی ہوں یہ احسان ہی سہی لیکن عورت کبھی بلا و ہر مرد پر احسان نہیں کرتی ماسٹر جی۔۔۔ وہ جب بھی مرد پر احسان کرتی ہے۔۔۔ اس کے پیچھے یہ مر جانی کمبخت محبت ہی ہوا کرتی ہے۔۔۔“

ماسٹر جی یہ بات سن کر دنگ رہ گئے تھے۔۔۔ انکا دل چاہا وہ ایک دم اس بات سے انکار کر دیں لیکن وہ کر نہیں پائے تھے کیونکہ یہ بات بحیثیت ایک مرد وہ کبھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ عطیہ بیگم غلط تو نہیں کہہ رہی تھیں۔

سونیا کی کھل کھل کرتی ہنسی کئی دنوں سے سنائی نہیں دی تھی انہیں۔۔۔ وہ تو ہمہ وقت ہنستی مسکراتی رہنے والی لڑکی تھی لیکن آجکل ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ بھٹی بھٹی سی رہنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

”مجھے اتمش کہتے ہیں۔۔۔ سب جتنا ہے مجھ پر۔۔۔“ سونیا کی سماعتوں میں کسی نے سرگوشی کی تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر ادھر ادھر دھرد کیا لیکن وہ وہاں موجود ہوتا تو نظر آتا۔ سونیا نے سر جھٹکتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھا تھا۔ وہ ہاتھ خالی تھے کیونکہ زمین اسکا سب کچھ لے جا چکی تھی۔ اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی اور اسے اس تکلیف سے رنج ہی نہیں پہنچا تھا، بیزاری بھی ہوئی تھی۔ اسے سخت الجھن بھی ہوئی تھی۔ اتمش زمین کا ہی تو تھا، اسکا تو کبھی ہوا ہی نا تھا اور یہ بات تو ابتداء سے ہی سب جانتے تھے پھر اب اسکا اس طرح واپس آجانا یا اتمش کا سب کچھ بھلا کر پھر اس کا دم بھرنے لگ جانا ایسا کوئی عجیب عمل تو نا تھا۔ وہ اس لڑکی سے محبت کرتا تھا اور محبوب کو دیکھ کر تو سب ہی پگھل جایا کرتے ہیں۔۔۔ اتمش نے اگر اپنی توہین بھلا دی تھی تو بھی یہ بات ایسی کوئی حیران کن تو نا تھی لیکن وہ یہ بات خود سے بھی تسلیم نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اسے یہ سب بڑا لگ رہا تھا کیونکہ اب اسے اتمش اچھا لگنے لگا تھا

”نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔“ اس کے بدن میں سخت لرزش پیدا ہوئی۔ اس نے نفی میں سر جھٹکا تھا۔ یہ بات وہ مر کر بھی کسی کے

سامنے تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔

”میں التمش ہوں۔ محبت سمجھتی ہے مجھ پر۔۔۔“ ایک بار پھر اسکی سماعتوں میں جیسے کوئی چلا یا تھا۔

۔۔ وہ برملا، برحسہ بریںیل تذکرہ اور بات بے بات یہ جملہ کثرت سے بولنے کا عادی تھا۔ سونیا نے جب پہلی بار یہ جملہ سنا تو اسے نہایت برا لگا تھا۔ وہ آتمش کو ہی نہیں اسکی ان تمام خود پسندی والی عادتوں کو بھی سخت ناپسند کرتی تھی لیکن دھیرے دھیرے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ آتمش کو سوچے سمجھے بناء بس عادات ایسا کہنے کی عادت تھی۔ یہ بات بھی سچ تھی کہ وہ خود پسند تھا، اسے اپنی ذات کو سہراہتے چلے جانا اچھا لگتا تھا یہی وجہ ہے کہ سونیا کو وہ شروع سے ہی پسند نہ تھا۔ بزرگوں کے درمیان ان کے رشتے کی بات کے تذکرے نے اس ناپسندیدگی کو کم کرنے کی بجائے مزید بڑھا دیا تھا پھر سونیا پر آشکار ہوا تھا کہ وہ ہی اسے ناپسند نہیں کرتی تھی بلکہ آتمش بھی اس سے غار کھاتا تھا۔۔۔ یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن پھر جانے کیسے سب کچھ بدلتا چلا گیا۔۔۔ وہ ان کے گھر میں آئی پھر جان بوجھ کر اس کے قریب آئی۔۔۔ وہ دوست بن گئے اور آہستہ آہستہ بزنس پارٹنر بھی۔۔۔ یہ بھی قبول تھا اسے۔۔۔ لیکن وہ اسے اچھا لگنے لگ گیا تھا۔۔۔ اتنا اچھا کہ وہ اس کے دور جانے کے خیال سے تکلیف میں مبتلا ہو گئی تھی۔۔۔ اتنا اچھا کہ زمین کی واپسی نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔۔۔ اتنا اچھا کہ اس کے اس عمل نے سونیا کی ہنسی کو مکمل کر رکھ دیا تھا زمین کی واپسی اسے اچھی نا لگ رہی تھی۔۔۔ اور یہ سب قبول نہ تھا اسے۔۔۔ وہ محبت و جنت کی تو قائل ہی نہ رہی تھی۔

”میں نے کہا تھا نامحبت سبکتی ہے مجھ پر۔۔۔“ وہ جیسے دور کہیں کھڑا اب چڑا رہا تھا اسے

سونیا نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ کہیں نہیں تھا اور اس بات کا سونیا کو اتنا دکھ تھا کہ اس سے کوئی کام بھی نہیں ہو پاتا تھا۔ اسے اپنی کیفیت خود بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

یہ سب تو ہونا ہی تھا "سونیا نے ایک بار پھر تاسف سے سوچا۔ زرین کو واپس آتے چند دن ہی تو ہوتے تھے اور سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا تھا۔ جگسا پزل کا ہر ٹکڑا جو التمش کے ایک درزی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے الٹ پلٹ ہو گیا تھا، اس کے ڈیس ڈیزائنر ہو جانے کے بعد واپس اپنی درست پوزیشن پر آ گیا تھا۔ اب تصویر بالکل واضح تھی، مکمل اور خوبصورت بھی۔۔۔ لیکن کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل گئی تھی تو وہ سونیا عرف مراب کا دل تھا

اتمش آج باقاعدہ ایک بار پھر زرین کے والدین سے مننے گیا تھا اور اب کی بار وہ صرف زرین کی دعوت پر نہیں گیا تھا بلکہ اسے میڈم تہمینہ نے خود جمع پورے خاندان کے مدعو کیا تھا۔ انہوں نے اسکی، اس کے ڈیزائنر کی پذیرائی کو اتنے کھلے دل سے قبول کیا تھا کہ اتمش سب بھول بھال گیا تھا بلکہ وہ بے حد خوش تھا۔ اسکی جیسے دلی مراد برآئی تھی اور سونیا اسکو بتا پائی تھی ناجتاپائی تھی کہ

”اتمش! تم اپنی توین کو اتنی جلدی کیسے بھول سکتے ہو۔۔۔ ایسے مت کرو۔۔۔ مجھے تمہاری اس حرکت سے تکلیف ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ بے حد تکلیف“

یہ بات تو وہ خود کو بھی بتا نہیں پارہی تھی تو اتمش کو بتانا تو دور کی بات تھی۔ وہ سب آج میڈم تھمینہ کے یہاں مدعو تھے۔

”یہ اچھا نہیں ہوا۔۔۔ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ وہ خود کو بار بار یہی سمجھاتی رہتی تھی لیکن اس کے ہاتھ سے سب کچھ برف کی طرح پگھل کر بہہ گیا تھا مگر دنیا کو اپنے زخم دکھانے سے کیا حاصل ہو جاتا۔۔۔ اسے جھوٹی ہمدردیوں سے چڑھتی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی ”دل ٹوٹ جایا کرتے ہیں۔۔۔ لیکن عزم سلامت رہنے چاہئیں“ اس نے خود اپنے ہی سامنے اپنی پابندیدہ نصیحت کو دہرایا تھا۔

☆.....☆.....☆

”تم خوش ہو! تم!“ زرین نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

”نہیں۔۔۔ اس میں خوش ہونے والی بات ہی کیا ہے۔۔۔؟“ اس نے نیم بخیدہ سے انداز میں کہا تھا۔ زرین نے زیادہ دھیان نہ دیا تھا۔ اس کے لئے اتنا کافی تھا کہ وہ خوش تھی۔ اسکی می نے اتنا اچھا ڈنڈا دیا تھا آتش کے اعزاز اور اس کے تایا اور پچھو کی فیملیز بھی مدعو تھیں۔ بظاہر یہ ایک عام سا ڈنڈا تھا جو لوگ تعلق بڑھانے کے لئے دیا کرتے ہیں لیکن آتش کا تعارف جس خصوصی انداز میں کروایا گیا تھا وہ سارے رشتہ داروں کو باور کروانے کو کافی تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے

”تم کچھ بھی کہو۔۔۔ لیکن میں بہت خوش ہوں۔۔۔ میری سب کزن تمہیں دیکھ کر حیران ہی ہو گئی ہیں۔۔۔ اتنے مشہور ڈیزائنر سے میری وابستگی انہیں ہضم ہی نہیں ہو رہی۔۔۔“ وہ پر جوش سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ آتش کو اس کے چہرے پر بکھرے رنگ اچھے لگے تھے۔ ایک آسودگی سی اس کے اندر اتر آئی۔ یہ ایک بہت خوبصورت احساس تھا۔ ہم جسے چاہتے ہیں اسے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسے زرین کے چہرے پر پھیلا اطمینان اور سکون بے حد بھلا لگ رہا تھا اور اسکی اطمینان و سکون میں اسے وہ چہرہ یاد آیا جس کی مسکراہٹ اسے ہمیشہ اپنے لئے کسی لکی چارم سے کم نہ لگی تھی

”سونیا نہیں آئی؟“ اس نے خود سے سوال کیا تھا کیونکہ اسکی امی، ماسٹر جی اور پچھو اور پچھو جی تو موجود تھے۔ زرین نے اسکا چہرہ دیکھا۔ اس نے استفسار نہیں کیا تھا لیکن آتش کے چہرے پر جو ذرا سی الجھن چمکی تھی اس سے ایک بڑا سا سوالیہ نشان خود بخود زرین کے چہرے پر سج گیا تھا

”میں نے سونیا کو نہیں دیکھا۔۔۔ وہ نہیں آئی؟“ آتش نے اب با آواز بلند سوال کیا تھا۔ زرین نے سر جھٹکا

”نہیں آئی تو نا سہی۔۔۔ اس کی مرضی“ اس کے لئے یہ اتنا اہم نہیں تھا

”ارے خواہ مخواہ نا سہی۔۔۔ اسے یہاں آنا چاہیے تھا۔۔۔“ الحراب“ کی اتنی پذیرائی اسی کی بدولت تو ممکن ہوئی ہے۔۔۔ ٹھہر دیں اسے کال کرتا ہوں“ اس نے کہہ کر انتظار نہیں کیا تھا بلکہ فون ملانے لگا تھا کئی بار کی مسلسل کوشش کے باوجود سونیا نے فون نہیں اٹھایا تھا اور یہ بات آتش کے لئے بہت حیران کن تھی۔ وہ کبھی فون کالز کو انکوریٹ کرتی تھی کیونکہ وہ برملا کہتی تھی میرا تو سارا بزنس ہی فون کالز کا محتاج ہے۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“ زرین نے پوچھا تھا

”وہ فون نہیں اٹھا رہی“ آتش کے لہجے میں ابھی بھی بے یقینی تھی۔ زرین کے چہرے پر فاتحانہ سی مسکراہٹ چمک اٹھی تھی

”وہ اٹھائے گی بھی نہیں۔۔۔ کیونکہ وہ بھی جل بھن گئی ہے۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اتمش نے اسکی بات کے مفہوم کو سمجھے بناء تریدی انداز میں گردن ہلائی تھی

”ارے نہیں بھئی۔۔۔ وہ نہیں جل سکتی۔۔۔ وہ جلا کر خاک کر دینے والوں میں سے ہے۔۔۔ تم نے سمجھا کیا ہے اسے۔۔۔ وہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو مجھ سے چراغوں پر پھونک مار دیں تو وہ بھی زندہ ہوا ٹھیں۔۔۔ وہ اپنی مٹھی میں روشنی لے کر چلتی ہے کہ جہاں تاریکی پائے وہیں اُجالا کر دے۔۔۔ اس کی مسکراہٹ سے امید پھوٹتی ہے اور جو وہ کہیں ہنس دے تو راستہ بھولنے والے کو راستہ یاد آجائے۔۔۔ وہ زندگی میں ہارنے والوں کے ساتھ تب تک کھڑی رہتی ہے جب تک وہ جیتنے نہیں لگ جاتے۔۔۔ وہ محراب ہے۔۔۔ یعنی سونیا۔۔۔ من چاہی۔۔۔ وہ نہیں جل سکتی۔۔۔ تم نے بارش کو چلتے دیکھا ہے کبھی ”اتمش کے لہجے میں وہی مان اور بھروسہ تھا جو ایک اچھے دوست کو دوسرے دوست پر ہوتا ہے۔ اس کا ہر لفظ میں وہ احترام تھا جو کسی بھی معتبر دوست کے لئے کسی دوسرے دوست کے لہجے میں ہو سکتا ہے لیکن زمین پہلی بار خود جل اٹھی تھی۔۔۔ چارٹ دس انچ سے۔۔۔“

”وہ دیکھو آگنی میری پچھل پیری۔۔۔“ اتمش نے یکدم ہی اس طرف دیکھا تھا۔ وہ ہنستی مسکراتی کھلکھلاتی سی اندر داخل ہو رہی تھی۔۔۔ سارے وجود سے وہی پُر اعتماد سی روشنی پھوٹ رہی تھی جو سامنے نظر آنے والے ہر شخص کو تازہ دم کر دے۔۔۔ وہی انفرادیت، وہی توانائی۔۔۔ جسے محراب عرف سونیا قیمتی قرار دیتی تھی، ایک لمحے میں ہر طرف چھانے لگی تھی

”دل ٹوٹ جایا کرتے ہیں۔۔۔ لیکن اشتہار لگانے کا فائدہ۔۔۔ سودل تو لوٹا تھا لیکن عزم سلامت تھا۔۔۔ ایک بار پھر۔۔۔“

☆.....☆.....☆

پیارے دوستو! یہاں آکر معاملہ میرے ہاتھ سے بھی جیسے پھسلتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ جو ہو رہا تھا، اچھا نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔۔ میں نے اس سب کی توقع نہیں کی تھی۔۔۔ میں اگر اپنے بیٹے کی خوشی میں خوش تھا تو بیٹی جیسی بھانجی بھی مجھے بہت عزیز تھی۔ میں نے یہ نہیں چاہا تھا کہ وہ ہیرے جیسی لڑکی کسی دکھ دے دو چار ہوتی لیکن ایسا ہو گیا تھا۔۔۔ مجھے اعتراف کر لینے دیں کہ اس معاملے میں کچھ قصور وار تو میں بھی تھا لیکن کیسے۔۔۔ یہ اب آخری حصے میں ہی بتاؤنگا آپ کو۔



(غم ہے یا خوشی ہے تو ناول کی نئی قسط اگلے ماہ <http://kitaabghar.com> پر ملاحظہ فرمائیں)

آخری قسط (8)

دوستو! اب اگر میں یہ کہوں گا کہ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔۔۔ تو آپ نہیں گے ماسٹر جی نے بھی گھسی پیٹی باتیں شروع کر دی ہیں لیکن یہی گھسی پیٹی باتیں ہمارے معاشرے کی بہت بڑی حقیقت ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دنیا واقعی چڑھتے سورج کی بجاری ہے۔ آگے ہی آگے جانے والے کے عقب میں قطار خود ہی بن جایا کرتی ہے جبکہ پیچھے جانے والے کو کوئی مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔۔۔ آتش بھی آگے جا رہا تھا۔۔۔ بہت آگے جا رہا تھا۔ اس صورتحال میں زمین اور میڈیم تھمینہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ آتش مالدار ہی نہیں ہوا تھا بلکہ مشہور بھی ہو گیا تھا۔ وہی کام جو زمین کو اسکی زندگی سے نکلانے کا باعث بنا تھا، اسی کام کے باعث وہ اسکی زندگی میں واپس آ گئی تھی۔۔۔

میں جانتا ہوں اب آپ سوال کریں گے کہ پھر اس کا کیا ہوا جو "مخرب" سے "ال مخرب" ہوئی تھی۔۔۔

اس سے پہلے کہ میری بہو آجائے۔۔۔ آئیں آج آپ کو اس کے بارے میں بتا ہی دیتا ہوں



"آتش آپ یہ بتائیں مجھ پر چوڑی دار پا جامہ چچے کا یا سگریٹ پیئٹس۔۔۔؟" صبا نے اس کے سامنے گھوم کر کہا تھا۔ زمین کے چہرے پر ناگواری چمکی تھی۔ آتش نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ اس کا فکر اچھا تھا۔ نو عمری کا ایک الہڑ پن بھی تھا۔ وہ کھکھلا بھی رہی تھی اور آتش کے سامنے کمر پر ہاتھ رکھے اپنا آپ دکھا بھی رہی تھی۔

"تم اتنی سر و قد ہو کہ تمہیں تو سب کچھ چچے کا بھی لیکن سگریٹ پیئٹس فیشن میں ہے۔۔۔ شارٹ شارٹ کے ساتھ اچھی لگتی ہے تو وہی بنا لو" آتش نے اسے دیکھتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔ صبا نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ وہ زمین کے تالیا ابو کی بیٹی اور طوبی کی سب سے چھوٹی بہن تھی۔ وہ اسی سال فرسٹ ایئر میں آئی تھی۔ اس کے وجود پر نو عمری کا ایک سحر تو تھا ہی لیکن گزشتہ کچھ مہینوں میں اس نے خوب قد کاٹھ نکالا تھا۔ وہی صبا جو پہلے بچی کی طرح ٹیٹ کی جاتی تھی اب ایک خوبصورت دو تیزہ کے سراپے میں ڈھل گئی تھی۔ اسکی باتیں ابھی بچکانہ طرز کی ہی تھیں لیکن دیکھنے میں وہ بڑی بڑی سی لگنے لگی تھی۔ سارے خاندان میں یہ تیز کرہ چل رہا تھا کہ صبا خوبصورتی میں خاندان کی سب لڑکیوں کو پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ زمین اس بات سے قطع متفق نہیں تھی اور اپنے علاوہ اسے خاندان تو خاندان پوری دنیا میں ہی کوئی خوبصورت نالگتا تھا۔ اسے صبا کی ادا اور سوال دونوں ہی سخت زہر لگے

"یہ کیا بکواس ہے۔۔۔ تم لوگ کب مینرز سیکھو گے۔۔۔ جب بھی آتش سے ملتے ہو، ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہو۔۔۔ میں کیسی

لگ رہی ہوں۔۔۔ مجھ پر کیا سوٹ کرے گا۔۔۔ میں کیسے کپڑے بناؤں۔۔۔ ارے اگر اتنا ہی شوق ہے فیشن کا تو بوتیک پر جاؤ نا۔۔۔ گھر میں کیوں دوکان کھول لیتے ہیں سب" اس نے اپنی ناگواری مخفی ناکھی تھی۔ چند منٹ پہلے اسکی دور کی ایک کزن نے کچھ اسی طرح کا سوال التمش سے کیا تھا اور التمش نے بھی مفصل جواب دے کر انہیں مطمئن کرنے میں کوئی کسر نا چھوڑی تھی۔ اسے پہلے ہی اس بات پر غصہ آیا ہوا تھا۔ صبا کے استفسار نے اسے مزید تاؤ دلا دیا۔۔۔ التمش نے اسے چُپ رہنے کا اشارہ کیا تھا جس سے وہ مزید چڑگی۔

"اور التمش تم بھی یہ مفت مشورے دینے والا شادی دفتر بند کر دو پلیر۔۔۔ یہ لوگ تو باز آنے والی نہیں ہیں۔۔۔ تم کیوں اپنا نقصان کرتے ہو۔۔۔ ان سب کو اتنا ہی شوق ہے تو بطور کلائنٹ تمہاری بوتیک پر جائیں نا" وہ سابقہ انداز میں بولی تھی جو التمش کو بالکل اچھا نا لگا۔ وہ آج زرین کے ساتھ اس کے تایا کے گھر آیا ہوا تھا۔ تایا ابو اور تائی امی کی شادی کی سالگرہ تھی اور انہوں نے بطور خاص التمش کو مدعو کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے اب خاندان میں متوقع داماد سمجھتے ہوئے عزت و تکریم دی جانے لگی تھی۔ اسی لئے اس نے زرین کو کوئی سخت جواب نا دیا تھا مگر اسے زرین کا انداز بُرا لگا۔ زرین کی سب کزنز التمش کو کافی پسند کرتی تھی لیکن یہ بات اب زرین کو ناگوار گزرنے لگی تھی۔ یہ ان کی خاندانی عادت تھی۔ وہ سب فیشن کی دلدادہ اور لاتعداد کپڑے بنانے کی شوقین تھیں۔ ہر ملاقات، وائس ایپ پیغامات اور فون پر کی جانے والی باتوں میں نوے فیصد زیر بحث لایا جانیوالا مواد کپڑوں ان کے ڈیزائنز اور ڈیزائنرز کے گرد ہی گھومتا رہتا تھا۔ ایسی صورتحال میں التمش سے ملنے کے بعد سب ہی اسے گھیر کر کھڑی ہو جاتی تھیں اور گفتگو فیشن سے لے کر بس ملبوسات کے گرد گھومتی رہتی تھی۔ التمش بھی انکی گفتگو میں مکمل دلچسپی لیتا تھا، انہیں مشورے دیتا تھا اور انہیں سمجھاتا تھا کہ انہیں اپنے قد کاٹھ کے مطابق کیسے لباس منتخب کرنے چاہئیں۔ التمش کو تو یہ سب بُرا نہیں لگتا تھا بلکہ ایسے تمام موقعوں پر وہ گردن اکڑا کر اور سر اٹھا کر کچھ طنزیہ اور کچھ فخریہ انداز میں میڈم تھمینہ کی جانب ضرور دیکھتا تھا مگر زرین کی برداشت جواب دینے لگی تھی۔

"اچھا چھوڑیں کپڑوں کی باتیں۔۔۔ یہ بتائیں۔۔۔ آپ کو زرین کی کونسی بات سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔۔۔ مجھے تو انکی بائیںٹ بہت امپر لیو لگتی ہے۔۔۔ کاش میں بھی اتنی لمبی ہو جاؤں" صبا نے بچکانہ انداز میں کہا تھا زرین اس کے تعریف پر بھی زیادہ خوش نہیں ہوئی تھی۔

"ارے تم تو پہلے ہی کافی لمبی ہو۔۔۔ مزید لمبی ہو کر کیا کرو گی۔۔۔" التمش نے ملائمت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ اسکا مقصد زرین کے اس رویے کا زوال کرنا تھا جو چند لمحے پہلے اسنے صبا کے ساتھ برتا تھا۔ وہ اسکو بالکل چھوٹے بچوں کی طرح ٹیٹ کرتا تھا۔

"لمبی لڑکیاں کانفیڈینٹ ہوتی ہیں۔۔۔ خوبصورت بھی۔۔۔ ان کی شخصیت میں کچھ الگ سا ہوتا ہے جو بہت اٹریکٹو لگتا ہے۔۔۔ آپ انکو کسی بھی چیز میں بیٹ (شکست نہیں دے سکتے) نہیں کر سکتے" وہ اپنی عمر کے حساب سے ہی تجزیہ کر رہی تھی۔ التمش ہنسا

"یہ سب پرانے زمانے میں ہوتا تھا بھئی۔۔۔ اب کون پوچھتا ہے لمبی لڑکیوں کو۔۔۔ اب تو انٹرنیٹ کا دور ہے۔۔۔ اب لوگ فائبر آپٹکس کی نہیں مائیکرو فائبر آپٹکس کی باتیں کرنے لگے ہیں۔۔۔ مائیکرو چیزیں دنیا پر راج کرتی ہیں آجکل۔۔۔ میں تو خود ایک مائیکرو

دومن کی وجہ سے یہاں پہنچا ہوں" وہ ہنستے ہوئے صبا کو تکی دے رہا تھا لیکن یہ بات بھی زمین کو بُری لگ گئی۔

"ظاہر ہے تم تو یہی کہو گے۔۔۔ کیونکہ دنیا پر ہی نہیں تمہارے حواسوں پر بھی مائیکرو چیزیں کچھ زیادہ ہی راج کرنے لگی ہیں۔۔۔ ظاہر ہے چار فٹ دس انچ کے ساتھ تین سال گزارے میں تم نے۔۔۔ اثر تو ہونا ہی تھا" اتمش نے یکدم مُڑ کر مکمل توجہ کے ساتھ اسے دیکھا۔ اسے یہ ذکر یہاں اچھا لگا تھا اور نا ہی اس کا مقصد سمجھ میں آیا تھا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے دیکھتا ہی رہا۔ اسکی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ زمین خائف ہوئی۔ اتمش نے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن جتنا ضرور دیا تھا کہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ زمین اس کے انداز پر مزید آگ بگولہ ہو گئی تھی مگر چُپ ہو گئی تھی۔ وہ یہ بات بھولی تو نہیں تھی لیکن اس کا اتمش سے مزید بحث کرنے کا ارادہ بھی نہیں تھا مگر جب معمول کے مطابق اتمش نے اسے رات کو کال کی اور یہی بات دوہرا دی تو وہ اپنا غصہ چھپا نہیں پائی تھی۔

"تم، بہت ان فرینڈ لی اور روڈی ہوتی جا رہی ہو زمین۔۔۔" زمین پہلے ہی خفا تھی، اس کے الزام پر مزید خفا ہو گئی۔

"اپنے رویے پر غور کیا ہے کبھی۔۔۔ عجیب نظر باز سے ہو گئے ہو۔۔۔ جہاں دل چاہتا ہے منہ اٹھا کر اپنا لنڈا بازار کھول لیتے ہو۔۔۔" وہ خود کا یہ کہنے سے روک نہیں پائی تھی۔ اتمش ابھی اس حملے سے ہی ناسنبھلا تھا کہ وہ مزید بولی "جب دیکھو جس سے دیکھو۔۔۔ تم یہی باتیں کرتے رہتے ہو۔۔۔ کبھی پاجامے غرارے ڈسکس کر رہے ہوتے ہو۔۔۔ اور کبھی کرتے ساڑھیاں۔۔۔ تمہیں عجیب نہیں لگتا" اس کے لہجے میں جو کھنگلی تھی وہ اتمش کو وہ فون پر بھی صاف دکھائی دی

"یہ عجیب کام میرا کاروبار ہے۔۔۔ میں رزق کماتا ہوں اس سے۔۔۔ اور میں خود نہیں کھولتا اپنی دوکان۔۔۔ تمہاری سب کزنز اور آٹنیاں ہی مجھے گھیر کھڑی ہو جاتی ہیں۔۔۔ اور میں بھی صرف تمہاری وجہ سے بیچ چوراہے میں اُن سے یہ سب باتیں ڈسکس کرتا ہوں ورنہ میرا کیا دماغ خراب ہے کہ وہ سب باتیں جن کے لئے لوگ میری بوتیک پر آنے کے لئے ہفتوں پہلے کال کر کے ٹائم لیتے ہیں اور اچھے خاصے روپے دیتے ہیں۔۔۔ وہی باتیں مفت میں کرتا پھروں۔۔۔ تمہیں اتنا ہی اعتراض ہے تو بول دو نا اپنی سب آئیٹوں کو کہ وہ ناکیا کریں مجھ سے یہ سب باتیں۔۔۔" وہ بے حد ناراض ہوا تھا۔ زمین بھی بات ماننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اسے غصہ تو اس بات کا زیادہ تھا کہ اتمش نے سونیا کی حمایت میں پورا ایک جملہ کیوں بولا تھا مگر اس متعلق مزید بات کرتے ہوئے اسکی انا پر حرف آتا تھا تو غصہ وہ اس طرف نکالنے لگ گئی تھی "ان کو تو میں منع کر ہی دوں گی لیکن تم بھی ہر ایک کے لباس کو اوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا بند کر دو کہ ان کے فگر پر اونچی قمیض جچے گی یا چھوٹی۔۔۔ ان کا فگر غرارے والا ہے یا لہنگے والا۔۔۔ جس سے بھی ملتے ہو اس کے لباس کی کر میں گھٹلنے لگتے ہو تم" اسکی آواز میں تلخی سی گھٹی تھی اور انداز ایسا تھا کہ اتمش کو لگا وہ اس کے کردار پر حملہ کر رہی ہے

"کیا بکواس ہے۔۔۔ تمہارا مطلب ہے میں اتنا ہی ویلا ہوں کہ لوگوں کے لباس کو اوپر سے نیچے تک دیکھتا رہتا ہوں۔۔۔ اتنا نظر باز اور فلرٹ نہیں ہوں میں۔۔۔ تم نے مجھ کو کیا ہے مجھے" وہ غرا کر بولا تھا۔ اسکی بلند آواز سے زمین کو بھی اپنے ناروا رویے کا احساس ہوا تھا۔

”میری بات سنو اتمش۔۔۔ یہ وقت ان باتوں کے کرنے کا نہیں ہے۔۔۔ تم میرا موقف سمجھ ہی نہیں رہے ہو۔۔۔ میں تمہارے کردار میں کیڑے نہیں نکال رہی۔۔۔ میں تمہیں کچھ اور سمجھانا چاہ رہی ہوں۔۔۔ کل ملیں گے نا تو میں تفصیل سے سمجھاؤں گی“ اس نے کہا تھا

”جی نہیں۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے کچھ سمجھانے کی۔۔۔ تم خود کو سمجھاؤ یہ بات۔۔۔ کہ اتمش وہ کام کبھی نہیں کرتا جو اس پر سبتا نہیں ہے۔۔۔ بائے“ اس نے کہا تھا اور ٹھک سے فون بند کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”الحراب“ اس نے وزینگ کارڈ کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان پھنسا رکھا تھا اور کب سے بس اسکی جانب دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے میں مگن تھی۔ تین سال پہلے جب اس نے اپنے برائڈ کو ”حراب“ سے ”الحراب“ کیا تھا تو اسے محسوس بھی نا ہوا تھا کہ یہ کوئی بہت بڑی یا اہم بات ہو سکتی ہے۔ اُس وقت بس وہ اتمش کی مدد کرنا چاہتی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس میں اسکا بھی فائدہ پنہاں ہے۔ گھر سے نکل کر کام کرنے میں جو خدشات اسے سایہ وال میں لاحق تھے وہ کراچی میں نہیں ہو سکتے تھے۔ کراچی ایک بڑا شہر تھا، وہاں کام کے مواقع زیادہ تھے اور پھر خواتین کے لئے بھی حالات زیادہ موافق تھے۔ اسے اپنے والدین کی جانب سے اجازت بھی اسی بناء پر مل گئی تھی کہ اتمش بھی ساتھ کام کر رہا تھا۔ یہ ایک باہمی رضامندی سے کیا گیا فیصلہ تھا جس میں برابر نفع انہیں ملتا رہا تھا لیکن اب وہ اتمش کے ساتھ کام کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس میں اسے تکلیف ہوتی تھی۔ یہ والی تکلیف اس درد جیسی نہیں تھی جو دانت کے ٹوٹنے یا چوٹ لگ جانے کے باعث ہوتی ہے۔ یہ تو ایک ناظر آنے والا درد تھا، یہ ایک عجیب سی تکلیف تھی جس کا منبع و مرکز بھی دل تھا، جسے چھپانے کو مورچہ بھی دل میں ہی بنانا تھا اور اسے برداشت بھی دل نے ہی کرنا تھا۔

”میں دل کو اگر اتنے کاموں پر لگا دوں گی تو باقی معمولات زندگی کیا بناء دل کے نبٹاؤں گی۔۔۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ یہ ممکن نہیں ہے“ وہ بھی مرتبہ خود کو سمجھا چکی تھی اور اب بھی کارڈ کو تکتے ہوئے وہ اسی عزم کا اعادہ کر رہی تھی۔ اس نے وہ کارڈ میز پر اپنے سامنے رکھا اور پین ہولڈر سے سیاہ مار کر اٹھا لیا۔۔۔ اس نے مزید کوئی لمحہ سوچنے میں صرف نہیں کیا تھا بلکہ ”الحراب“ کے پہلے دو حروف ”ال“ کو بہت بیدردی سے ننھی ننھی لکیریں کھیچ کر سیاہ کر ڈالا تھا۔ اب ”ال“ چھپ گیا تھا اور باقی کا حراب موجود رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے مزید اس کارڈ کو دیکھتی رہی۔ اسکا دل ایک لمحے کے لئے ڈوبا تھا۔ اسے تو کاغذات میں بھی اتمش سے اس طرح سے الگ ہو جانا مشکل رہا تھا چہ جائیکہ حقیقت میں راستے الگ کرنا۔۔۔ اس نے ایک دم ہی انہی دو حروف پر لگی سیاہی کو مٹانا چاہا۔۔۔ لیکن یہ ممکن نا تھا۔ وہ یکدم ہی اپنی ان سچا گانہ اور جذباتی حرکات سے استغما گئی تھی۔

”یہ کارڈ بار ہے۔۔۔ اور کارڈ بار میں یہ سب پتلہ رہتا ہے۔۔۔ ٹیک اٹ ایزی مری بی بی۔۔۔ ٹیک اٹ ایزی۔۔۔“ اس نے پھر خود کو سمجھا یا تھا اور پین دوبارہ ان دو حروف پر رگڑنے لگی۔ یہ کام نبٹا کر ابھی وہ دوسری سانس بھی نا لے پائی تھی کہ اتمش ٹھک ٹھک کرتا سیڑھیاں چڑھتا اور آیا تھا۔

”کیا کر رہی ہو؟“ اس نے آتے ہی بان کوئی سلام دعا کئے بس سوال کیا تھا۔ سونیا ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آتش اس کے ہاتھ میں یہ کارڈ دیکھے۔ اس نے بعجلت وہ کارڈ میز پر پڑی ایک کرافٹ بک کے نیچے چھپا دیا تھا۔

”خوشاب سے مال آگیا ہے۔۔۔ انکی پیمنٹ کلنیر کروادو“ اس کی جانب دیکھے بناء وہ کہتی ہوئی سامنے بیگ ہوئے لباسوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ کام کا بلو جھ بھی کافی بڑھ گیا ہوا تھا۔ برائیدل و بیرز کے ان کے پاس بہت آرڈر آرہے تھے۔۔۔ ان کی گوٹے والی ریخ پر انہیں کافی آرڈر زمل رہے تھے جو خوشاب سے تیار ہو کر آتے تھے۔

”یارتہ کام کے علاوہ بھی کوئی بات کر لیا کرو۔۔۔ مجھے دیکھتے ہی تم فرمودات قائد دوہرا نے لگتی ہو۔۔۔ بلکہ چلتی پھرتی۔۔۔“ کام کام اور کام کی عملی تقریر نظر آنے لگتی ہو۔۔۔ ”آتش چڑ کر بولا تھا۔ وہ رات زرین سے ہونے والی باتوں کی وجہ سے پہلے ہی کچھ اکتایا ہوا تھا

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ لیکن کیا کروں۔۔۔ میں تو ایسی ہی ہوں۔۔۔“ وہ اب بھی اسکی طرف دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔ لہجے میں شکست سی محسوس ہوتی تھی۔ آتش کو کچھ عجیب لگا۔ وہ تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والی لڑکی تھی۔ آتش کی بات سے فوراً متفق ہو جانا اسکی شان کے خلاف تھا۔

”کیا بات ہے کزن۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا“ آتش نے بغور اسکی جانب دیکھا تھا۔ سونیا نے آرن کے بنے اسٹینڈ میں مزید اندر منہ گھسالیہاں چار پانچ بھاری بھاری ملبوسات ٹنگے تھے۔

”مجھے کیا ہونا ہے۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ پیمنٹ کر دی؟“ اب کی بار وہ لہجے میں مصنوعی استہاٹ پیدا کر کے بولی تھی۔ وہ آتش سے کمتر نہیں رہی تھی لیکن وہ جب اس کے ساتھ بات کرتی تھی تو ناچاہتے ہوئے لہجے میں سختی سی آجاتی تھی۔ یہ ایک میکانیکی عمل تھا جو اس خفگی کے رد عمل میں پیدا ہوا تھا جو آتش کی وجہ سے اس کے دل میں پیدا ہو رہی تھی۔

”آتش زرین اور میڈم تھمینہ کے ہتک آمیز رویے کو اتنی جلدی کیسے بھول سکتا ہے“ یہ وہ سوال تھا جو وہ خود سے بتنی بار پوچھتی تھی اتنی بار آتش سے خفگی بڑھتی جاتی تھی جبکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آتش کو اس خفگی کی بھسک بھی پڑے۔

”ہاں بھئی۔۔۔ کر دی تھی پیمنٹ۔۔۔ کل ہی کر دی تھی۔۔۔ رات کو ہی تمہیں واٹس ایپ بھی کیا تھا لیکن تم نے دیکھا ہی نہیں“ وہ اسی کرسی پر بیٹھ گیا تھا جہاں چند ساعتیں پہلے سونیا بیٹھی تھی۔ وہ دونوں ہی باس تھے اور دونوں ہی باس والی کرسی پر فخر کے ساتھ بیٹھتے تھے لیکن ابھی سونیا کو اس کے وہاں بیٹھنے سے بے چینی ہوئی۔ وہاں سامنے ہی تو وہ کارڈ پڑا تھا جہاں اس نے ”الحراب“ کو دو حصوں میں تقسیم کر ڈالا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آتش وہ کارڈ دیکھے۔

”میں رات کو جلدی سو گئی تھی۔۔۔“ وہ ابھی ابھی اسی انداز میں بولی تھی۔

”تم آجکل کچھ زیادہ ہی لا پرواہ نہیں ہوتی جا رہی۔۔۔ نو بجے کون سوتا ہے“ وہ ناک چڑھا کر بولا جیسے اسے اسکی کوتاہی پر شرمندہ

کرنا چاہتا ہو۔ یہ طعنہ نہیں تازیا نہ تھا۔ سونیا اب کی بار فوراً اس کی جانب مڑی تھی۔

”ایکسیکو زمی۔۔۔ یہ لاپرواہ تم نے کس کو کہا ہے؟“ وہ دو قدم چل کر اس کے قریب آئی تھی۔

”تمہیں ہی کہا ہے۔۔۔ کیونکہ تم ہی لاپرواہی برتنے لگی ہو۔۔۔ کہاں تو رات کے دو دو بجے تک ہاٹ گلیو اور بٹن لے کر بیٹھی رہتی تھیں محترمہ۔۔۔ اور کہاں نو بجے ہی آرام فرمانے چل دیتی ہیں۔۔۔ رات نو بجے ہی فون بند کر کے سو جایا کرو گی تو چل گیا یہ کاروبار۔۔۔ مجھے تو تمہارا مستقبل کچھ زیادہ اچھا نظر نہیں آ رہا۔ تمہارے حصے میں صرف خسار ہی آئیگا۔۔۔ جو میں یہاں سے بیٹھے بھی دیکھ سکتا ہوں“ وہ اسی بے تکلف انداز میں بات کر رہا تھا جس میں کرتا آیا تھا۔ سونیا یکدم مڑی تھی۔

”تمہیں صرف میرا خسار نظر آ رہا ہے۔۔۔ میرا مستقبل اچھا نہیں لگ رہا تمہیں۔۔۔ اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟“ وہ

نہایت خفا لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ اتمش ذرا بھی خائف نہ ہوا۔ وہ اسے ایسے ہی چڑا کر لطف لیتا تھا۔ اس نے ناک چڑھائی تھی

”ظاہر ہے۔۔۔ تمہارے حصے میں ہی خسار آئیگا۔۔۔ میں اور زرین تو مزے سے یہ بوتیک چلائیں گے۔۔۔ عیش کریں گے۔۔۔ تم

کیا کرو گی؟۔۔۔ بہت اکیلی رہ جاؤ گی سونیا بی بی۔۔۔ لیکن سب تمہاری ہی غلطی ہے۔۔۔ کتنا سمجھاتا تھا تمہیں کہ اعتنا تم کے بارے میں سوچو

۔۔۔ اچھا لڑکا ہے۔۔۔ لیکن افسوس۔۔۔“ وہ کرسی کو گول گول گھمرا رہا تھا۔ اطمینان و سکون اس کے ہر انداز سے ٹپک رہا تھا۔ یہ وہ باتیں جو انکا

معمول رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو طعنے دے کر سکون ملتا تھا انہیں لیکن سونیا کے ساتھ معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ اسے اتمش کی بات سخت بُری لگی

اسکا دل چاہا اس بات کا جواب غرا کر دے۔۔۔ اتنا غرا کر کہ وہ یہاں سے فوراً چلا جائے۔

”اچھا۔۔۔ ویسے تمہاری خاطر میں دوبارہ بات کر سکتا ہوں اس سے۔۔۔ میری بات ٹالے گا نہیں وہ۔۔۔ کیا کہتی ہو؟“ وہ لاپرواہ

سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ سونیا کی آنکھیں بے اختیار بھرنے لگیں۔ اتنی ہتک اس نے کسی کی برداشت نہیں کی تھی۔ دنیا میں واحد اسکی امی تھیں

جو اسکا دل دکھا دیتی تھیں اور وہ خاموشی سے رو دھو کر سب بھول جایا کرتی تھی لیکن یہ رعایت صرف اسکی امی کے لئے مختص تھی۔ ہر ایک کو اتنی

اہمیت اس نے کبھی کسی کو نہیں دی تھی۔ اسے دنیا میں صرف ایک چیز سے نفرت تھی۔۔۔ وہ کسی کے سامنے کمزور نہیں پڑتی تھی۔ اسے اپنے

حوصلے پر ہمیشہ مان رہا تھا۔ اسے اپنے دل کو نبھالنا بھی آتا تھا اور دل ٹوٹنے کے اسباب کو درگزر کرنا بھی وہ بخوبی جانتی تھی لیکن یہ معاملہ ہی

کچھ اور تھا۔ یہاں اسکا دل اسکا حریف تھا۔ یہاں اپنی ہی ذاتِ مد مقابل تھی۔ وہ اگر خود سے جیت جاتی تو پھر ساری دنیا کو جوتے کی نوک پر

رکھ دیتی۔۔۔ لیکن کوشش کے باوجود اس سے یہ ہو نہیں پاتا تھا سو دل کی نافرمانی کا دکھ، دل کے ٹوٹ جانے سے کہیں زیادہ تھا۔ اس نے

تمام تر ہمتِ مجتمع کی اور اسکی آنکھوں میں دیکھا تا کہ اتمش کو ایک شٹ اپ کال دے سکے۔ وہ اسکی جانب دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر وہی

دوستانہ مگر استہزاء میہ مسکراہٹ جو اسے تلملا دیتی تھی۔ اسے اپنی جانب دیکھتا پکار اتمش مزید مسکرایا تھا۔ سونیا کو اسکی یہ مسکراہٹ بے رحم لگی۔ وہ

کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اس کے الفاظ ضائع ہو جائیں گے۔ اس نے یکدم میز پر ہراپنا تھملا نما بیگ اٹھایا تھا اور بناء کچھ کہے

سیڑھیوں کی جانب چل دی تھی۔ اتمش اسے جاتا دیکھتا رہا تھا۔ اسے لگا تھا وہ مذاق کر رہی ہے لیکن جب وہ سیڑھیاں اترنے لگی تو اتمش کو احساس ہوا تھا کہ وہ جا رہی ہے

”ارے کیا ہوا۔۔۔ کیوں جا رہی ہو۔۔۔ اچھا ابھی نہیں کرتے بات اختتام سے۔۔۔ لیکن اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے“ وہ لپک کر اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک لمحے میں ہی اسے سیڑھیوں میں جالیا تھا۔ وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ سونیا کے لئے واپسی کا راستہ بند ہو گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں وہی دہی دہی سی شرارت۔۔۔

”میں تمہاری رائے کا احترام کرتا ہوں۔۔۔ اختتام کے علاوہ بھی کئی بہت اچھے دوست ہیں میرے۔۔۔ وہ تو اختتام سے دشمنی ایسی رہی کہ اسکی بھلائی کی خواہش ہی دل میں نہیں اٹھتی۔۔۔ اسلئے بس اصرار کرتا رہتا ہوں۔۔۔ لیکن خیر تمہیں نہیں پسند۔۔۔ تو اب نہیں کہوں گا۔۔۔ مگر تم آؤ تو سہی۔۔۔ چند اور ایسے مہربان بھی ہیں ابھی لسٹ میں۔۔۔ جن کو مزہ اچکھانے کے خواب میں بچپن سے دیکھ رہا ہوں“ وہ بے تکلفی سے بے فضول بول رہا تھا۔ اسے دوبارہ واپس چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے اسکا ہاتھ بھی تھامنا چاہا

”سونیا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچا تھا۔ اتمش کو اب اس کے بدلے ہوئے رویے کا احساس ہوا تھا۔ سونیا کا رویہ ہنک آمیز لگا تھا اسے۔۔۔ اتنی کڑنگی پہلے کبھی سونیا کے رویے میں محسوس ناکئی تھی اس نے۔۔۔ اس نے بغور اسکا چہرہ دیکھا پھر وہ نا سمجھی کے سے عالم میں مصنوعی ہنسی ہنسا تھا

”کیا بات ہے۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔۔۔ کیا ہوا ہے؟“ وہ حیران بھی تھا۔ سونیا کو اسکی اس حیرانی پر مزید غصہ آیا

”راستے سے ہٹو۔۔۔“ اس نے بناء اسکی جانب دیکھے سخت لہجے میں کہا تھا۔ اتمش پیچھے نہیں ہٹا تھا لیکن اسکے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے مسکراہٹ کی جگہ تیر اور تجس اُمڈ آیا تھا۔ وہ بغور سونیا کے چہرے کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔

”میں نے کہا اتمش میرے راستے سے ہٹ جاؤ“ اب کی بار وہ مزید جارحانہ انداز میں بولی تھی۔ تیر اور تجس کی جگہ اب فکر بھی چہرے پر در آیا تھا۔ اس نے گہری سانس بھری پھر وہ ایک سائیڈ پر ہو گیا تھا۔ چہرے کے اعصاب تن گئے تھے لیکن کندھے جھک سے گئے تھے۔

”اوکے۔۔۔ ایز یوش۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا۔ سونیا کا دل مزید لوٹ گیا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”مجھے بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔۔۔ اب کونسی قیامت آگئی ہے کہ یوں میری موت کا غم منارہی ہو؟“ میڈم تہمینہ نے زمین کا بیزار چہرہ دیکھ کر سوال کیا تھا۔ وہ کب سے اسے اپنے ساتھ کسی چیریٹی ڈنر پر چلنے کا کہہ رہی تھیں لیکن وہ منہ بنائے بس ٹی وی کے آگے بیٹھی تھی۔ بال بھی بکھرا رکھے تھے اور صبح سے لباس بھی تبدیل نہ کیا تھا۔ انہیں بیٹی کی اس لاپرواہی سے بہت چڑھوتی تھی جبکہ زمین بھی ان کی ایک ہی بات کی تکرار سے چڑسی گئی تھی۔

”ایک تو آپ بات بات میں میرے پیچھے پڑا جایا کریں۔۔۔ میں نے کب کہا ہے کہ کچھ ہوا ہے۔۔۔ اب کیا میں اپنے ہی گھر میں اپنے ہی کمرے میں خاموشی سے بیٹھ بھی نہیں سکتی“ وہ تنک کر بولی تھی، میڈم تھمینہ کے چہرے کا زاویہ مزید بگڑا

”ویسے زمین ہے تو بالکل اپنی دادی جیسی۔۔۔ احسان فراموش اور خود غرض۔۔۔ اپنا کام ہو تو ماما جی۔۔۔ می جی کرتے کرتے آگے پیچھے بھرتی رہے گی۔۔۔ لیکن جب مجھے کبھی تجھ سے کام پڑ جائے تو تیرے منہ پر بارہ ہی بج جاتے ہیں۔۔۔“ وہ شکوہ کر رہی تھیں، زمین نے لاچاری سے ان کی بات کو ہضم کیا تھا

”میں کہہ تو رہی ہوں آپ کو کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ لیکن آپ میری بات سمجھیں۔۔۔ تب نا۔۔۔“ وہ زچ سی ہو کر بولی تھی۔
 ”چل اب یہ طعنہ دے دے ماں کو کہ میں تیری بات نہیں سمجھتی۔۔۔ حالانکہ میں تیرے ہر مسئلے کو بناء کہے سمجھ جاتی ہوں لیکن جب میری باری آتی ہے تو تو اسی طرح گوند کی طرح اپنے بیڈ سے لگ کر بیٹھ جاتی ہے۔۔۔ ایک ذرا سی بات ہے۔۔۔ آدھ گھنٹے کے لئے چلنا ہے بس۔۔۔ آتمش کو دیکھ کر دیا بھی خوش ہو جائیگی اور اس کے کلائنٹ بھی بڑھ جائیں گے“ وہ اسے اکسار ہی تھیں۔ آتمش کے ذکر پر زمین نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”آتمش کا یہاں کیا ذکر۔۔۔ آٹھ دیا اسے دیکھ کر کیوں خوش ہونگی۔۔۔ وہ کھوئے والا فالودہ ہے کیا؟“ زمین کو یہ ذکر ہی پسند نہیں آیا تھا۔ آٹھ دیا میڈم تھمینہ کی بچپن کی سیملی تھیں۔ شہر کے پانچ پوش اور پانچ ہی متوسط علاقوں میں ان کے اپنے پارلر تھے۔ ان کے پارلر اچھا بڑس کرتے تھے لیکن وہ مطمئن نہیں ہوتی تھیں۔ ان کی طبیعت میں بچپن سا تھا۔ اسی لئے زمین ان سے بڑا غار کھاتی تھی۔

”اوہو۔۔۔ یہی تو کہہ رہی ہوں کب سے۔۔۔ بحریہ میں پارلر کی نئی برانچ کھول رہی ہے آج وہ۔۔۔ مجھے بھی انوائٹ کیا پھر کہنے لگی تجھے لے کر ضرور آؤں۔۔۔ میں کہہ بیٹھی کہ زمین کی بات بھی پکی ہو گئی ہے۔۔۔ آتمش کا ذکر کر دیا میں نے کہ بڑا اچھا ہے میرا ہونے والا داماد۔۔۔ مشہور ڈیزائنر ہے۔۔۔ تو کہنے لگیں کہ اسے بھی لے کر آؤں۔۔۔ میں نے انکار بھی کیا لیکن وہ تو پیچھے ہی پڑ گئی کہ تجھے اور آتمش کو لے کر آؤں۔۔۔ اب میں ہاں کہہ بیٹھی ہوں انہیں۔۔۔“ وہ تفصیلی جواب دینے کے ساتھ ساتھ اسکا چہرہ بھی دیکھ رہی تھیں۔ زمین کی پیشانی پر تیریاں چمکنے لگیں۔
 ”ماما مد کرتی ہیں آپ بھی۔۔۔ آپ کو ضرورت کیا تھی ایسی کمنٹ کی۔۔۔“ وہ انہیں گھور کر بولی تھی۔ میڈم تھمینہ بیٹی کے رویے سے ہرٹ ہوئیں۔

”اوہو۔۔۔ ایسی کونسی بڑی بات ہو گئی۔۔۔ آدھ گھنٹے کی تو بات ہے۔۔۔“ وہ چمک کر بولی تھیں۔ زمین نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

”میں چلی جاتی ہوں آپ کے ساتھ۔۔۔ لیکن آتمش کو رہنے دیں۔۔۔“ بالا آخر اس نے جیسے ہار مان لی تھی
 ”نہیں زمین۔۔۔ آتمش کو ساتھ لے چلتے ہیں۔۔۔ دیا کے یہاں خوب شوٹا بڑھے گی ہماری۔۔۔ تجھے تو پتا ہی اسے اور اسکی سہیلیوں

کو کپڑے لٹے کا کیا اندھا شوق ہے۔۔۔ دیکھنا سب کیسے واری صدقے جائیں گی سب تیرے۔۔۔ اور سب اس کے آگے پیچھے پھرتی رہیں گی۔ وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ اس نے اپنی ٹانگوں پر پڑا الحاف سائیڈ پد کیا اور ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹا لیں۔

”اسی بات کو تو خدشہ ہے مجھے کہ سب اس کے آگے پیچھے پھریں گی۔۔۔ یہی بات تو بڑی لگنے لگی ہے مجھے اتمش کی۔۔۔ عجیب سی عادت ہو گئی ہے اسکی۔۔۔ جہاں دیکھو، جب دیکھو۔۔۔ جس کے سامنے دیکھو بس یہی تماشہ لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔۔۔ ہر وقت یہی غور کرتا رہتا ہے کہ کس نے صحیح لباس پہنا ہوا ہے اور کس نے نہیں۔۔۔ بندہ پوچھے تمہیں اتنی نیشن کیوں ہے اگر کسی نے کوئی آؤٹ ڈیڈ لباس پہن بھی لیا تو۔۔۔ مگر نہیں جی۔۔۔ وہ سب کو مشورے دیں گے کہ یہ ناپہنیں اور یہ پہنیں۔۔۔“ وہ ان کی جانب دیکھے جیسے اپنا دل ہلکا کر رہی تھی۔ میڈم تھمینہ کو اس کی پریشانی کی وجہ مکمل طور پر سمجھنا آئی

”تو اس میں بڑی بات کیا ہے۔۔۔ وہ اتنا اچھا ڈیزائنر ہے۔۔۔ اور مشہور بھی ہو گیا ہے اب تو۔۔۔ کسی کو مشورے دیتا ہے تو روپے بھی تو لیتا ہے اس کام کے۔۔۔ مفت تو نہیں کرتا۔۔۔“ وہ رسانیات بھرے لہجے میں بولی تھیں۔ زرین نے پھر سر جھٹکا

”نہیں۔۔۔ مجھے بس اچھا نہیں لگتا۔۔۔ ایک تو کام بھی اچھا نہیں ہے۔۔۔ اور پھر وہ لڑکی۔۔۔ وہ تو ہر وقت سوار رہتی ہے اس کے حواسوں پر۔۔۔“ اس نے اپنا دکھان کے سامنے اگل ڈالا تھا۔ میڈم تھمینہ نے بغور اسے دیکھا

”کونسی لڑکی۔۔۔“ وہ سمجھی نہیں تھیں کہ زرین کے دل میں اصل خدشہ کیا چل رہا ہے۔

”وی۔۔۔ سو۔۔۔ نیا۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر اور منہ بگاڑ کر بولی تھی۔ میڈم تھمینہ اس کے اس اعتراض پر مزید الجھ گئی تھیں

”اب وہ کیا کہتی ہے تجھے۔۔۔“ ان کے اس سوال پر زرین کچھ نہیں بولی۔ اسکی خاموشی سے وہ ناراض ہوئی تھیں

”مجھے سمجھ نہیں آرہی زرین۔۔۔ تجھے لڑکی پر اعتراض ہے یا اتمش کے کام پر۔۔۔ اگر تو یہ سب دیکھا کے یہاں ناجانے کے بہانے میں تو صاف صاف بتا دے نا۔۔۔“ وہ سخت ناراض ہوئی تھی۔ زرین نے گردن موڑ کر انہیں گھور کر دیکھا پھر سر جھٹک کر کچھ کہے بناء ہاتھ روم میں گھس گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میرے پاپا ایک باقاعدہ تقریب کرنا چاہتے ہیں تمہارے آرم میں۔۔۔ تاکہ خاندان میں سب لوگوں کو پتا چل جائے ہمارے ریلیشن شپ کا۔“ یہ اسی رات کی بات تھی۔ زرین نے اسے اپنی آنٹی دیا کے یہاں تو انوائٹ نہیں کیا تھا لیکن فون پر ہی اپنے رویے پر ایکسکیوز ضرور کر لیا تھا۔ وہ کچھ شرٹس کے ڈیزائنز تیار کر رہا تھا۔ کانوں میں بیوٹو تھ لگائے بظاہر وہ زرین سے باتیں کر رہا تھا لیکن دھیان رنگدار بینسل اور کاغذوں میں ہی الجھا تھا۔ یہ ڈیزائن اس نے کچھ دن پہلے ہی رفا ایچ پر بنا کر سونیا سے ڈسکس کئے تھے۔ اسے وہ ڈیزائنز اچھے لگے تھے لیکن وہ زبانی جمع خرچ والی باتوں میں آنے والی لڑکی نہیں تھی۔

”تم ہر اپد لے آؤٹ وغیرہ بنا کر دکھاؤ گے تو مجھے زیادہ اچھے سے سمجھ میں آئیگی“ اس نے کہا تھا اور اس دن سے ہی التمش نے دوبارہ ان ڈیزائز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ ڈیڈ لائن سے پہلے کبھی اپنا کام مکمل نہیں کر پاتا تھا جبکہ سونیا ان باتوں سے چڑھتی تھی۔ اب چونکہ اسے ایسے محسوس ہوا تھا کہ سونیا ناراض ہے تو اس نے وہ ڈیزائن مکمل کرنے شروع کر دئے تھے۔ اسے لگا تھا کہ شاید سونیا اس کی کام چوری کی وجہ سے ناراض ہے جس کا وہ طعنہ ہر وقت اسے دیتی تھی۔

”ابھی کوئی کسر رہ گئی ہے لوگوں کو بتانے میں۔ سب کو پتا چل تو چکا ہے۔۔۔ ہر دوسرے روز تو تمہارے یہاں پارٹی میں موجود ہوتا ہوں میں“ وہ پینسل سے بنائی گئی شرٹس کے کٹس بنا رہا تھا۔ اسے ہر حال میں یہ کام آج ہی مکمل کرنا تھا۔ اسکا دھیان فون اور زمین کی آواز سے زیادہ اپنے سامنے پڑی چیزوں میں تھا۔

”پاپا چاہتے ہیں کہ باقاعدہ انجینئرنگ مینٹ وغیرہ کی جائے۔۔۔ وہ تمہیں اپنے بزنس سرکل میں انٹرڈویوس کروادیں گے تو تمہیں فائدہ ہوگا۔ پاپا کے دبئی اور آسٹریلیا میں بہت کلائنٹس ہیں“ وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بتا رہی تھی۔ التمش نے چند لمحے کچھ سوچا پھر کہنے لگا ”آئیڈیا تو اچھا ہے۔۔۔ ہم پہلے بھی دبئی میں کلائنٹس کے لئے کام کر چکے ہیں۔ مگر بہت چھوٹے پیمانے پر۔۔۔ میں سونیا سے بات کرونگا اس متعلق۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ زمین نے اسکی بات کاٹ دی

”یہ سونیا درمیان میں کہاں سے آگئی۔۔۔ بات میری اور تمہاری ہو رہی ہے۔۔۔ اور تم نے بیچ میں چارٹ دس انچ کا فاصلہ حاصل کر لیا ہے“ التمش ہنسا تھا۔ اسے لگا زمین مذاق کر رہی ہے

”ہا۔۔۔ یہ فاصلہ تو ہمارے درمیان ہمیشہ ہی رہے گا مائی ڈیئر۔۔۔ مگر اس کے سامنے مت کہنا۔۔۔ وہ بڑا مناجائیگی۔۔۔“ زمین نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

”میری بلا سے منائی رہے بڑا۔۔۔ مجھے تو ویسے ہی بہت روڈ لگتی ہے وہ۔۔۔“ اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔ التمش نے اچنبھے سے اسکا یہ جملہ ہضم کیا تھا۔

”ارے یار۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ وہ بہت پیر قسم کی لڑکی ہے“ التمش وضاحت کرنا چاہا رہا تھا مگر زمین کو اچھا لگ رہا تھا ”تمہیں لگتی ہوگی پیر۔۔۔ مجھے تو بالکل پسند نہیں ہے۔۔۔ ٹھگنی مگنی سی۔۔۔ اور دوبارہ یہ مت کہنا کہ وہ ہمیشہ ہمارے درمیان موجود رہے گی۔۔۔ میں تو کسی کو برداشت نہیں کر سکتی تمہارے میرے درمیان میں۔۔۔ اور اس چارٹ دس انچ کو تو بالکل بھی نہیں۔۔۔ زہر لگتی ہے مجھے۔۔۔ اسکا انداز اس قدر حقارت بھرا تھا کہ التمش کو معاملے کی بخیدگی کا احساس ہوا۔

”ایسا نہیں ہے یار۔۔۔ بہت کمال لڑکی ہے۔۔۔ تم اس سے ذرا بات وات کیا کرو۔۔۔ تب ہی تمہیں اس کی خوبیوں کا اندازہ ہوگا۔۔۔“ زمین نے ایک بار پھر اسکی بات کاٹی اور اب اسکا لہجہ کرخت تھا۔

”میں کیوں بات و ات کرونگی اس سے۔۔۔ اور تم بھی پلیز یہ لکیشن ٹیمپلین بند کر دو۔۔۔ تم اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے بھی ملادو گے تو مجھے فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ جو مجھے نہیں پسند بس پھر وہ نہیں پسند۔۔۔“ زمین نے بالا آخردل کی بات کہہ ڈالی تھی۔ اپنی ماما سے تفصیلی بات کرنے کے باوجود وہ اس موضوع پر مطمئن نہیں ہو پائی تھی۔ اسے واقعی التمش کے کام اور اس لڑکی سے بہت الجھن ہونے لگی تھی۔ اس نے فون کرنے سے پہلے سوچا تھا کہ وہ التمش سے کسی تیسرے شخص کی وجہ سے لڑائی نہیں کرے گی لیکن سونیا کا ذکر اس کے منہ سے سنتے ہی ہو پھر آگ بگولا ہو گئی تھی۔

”لیکن کیوں زمین۔۔۔“ التمش کچھ حیران ہوا تھا۔

”اتنا حیران ہو کر یہ مت جتاؤ کہ میں کچھ انہونی بات کر رہی ہوں۔۔۔ یاد کرو التمش یہ وہی لڑکی ہے جسے تم سخت ناپسند کرتے تھے یہ وہی لڑکی ہے جسے تم عجیب عجیب ناموں سے پکارا کرتے تھے۔۔۔ اور اب تم حیران ہو کر پوچھ رہے ہو۔۔۔ کیوں زمین۔۔۔“ اسکی آواز میں ناگواری اور تلخی ایک ساتھ سنائی دی تھی التمش کو۔۔۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی سیاہ پینسل کو روک کر ذرا حیرانی سے اس انداز کو ہضم کیا تھا

”یار وہ سب پُرانی باتیں تھیں۔۔۔ تب میری اس سے زیادہ بات چیت بھی نہیں تھی۔۔۔ میں اس کے متعلق زیادہ جانتا بھی نہیں تھا۔۔۔“ زمین نے اسے بات پوری کرنے کا موقع پھر نادیا تھا

”اور اب تم اس کے متعلق بہت زیادہ جانتے ہو۔۔۔ بلکہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جانتے ہو۔۔۔“ زمین کے لہجے میں جو کھنگلی اور طنز کی آمیزش تھی اس نے التمش کو غصہ دلا دیا تھا

”تم کہنا کیا چاہتی ہو۔۔۔ صاف صاف کہو نا۔۔۔“ وہ پینسل کو میز پر پھینکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ زمین کی آواز چند لمحے تک سنائی نادی۔ التمش نے بھی اس کے بولنے کا انتظار کیا تھا مگر جب کوئی آواز سنائی نادی تو اس نے فون کی جانب دیکھا تھا۔ کال کٹ چکی تھی۔ یہ ایک ہی موضوع پر انکی دوسری لڑائی تھی۔

”یہ نیڈا رامہ شروع ہو گیا ہے“ التمش اس کے رویے سے الجھ سا گیا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ جب زمین سونیا کو برا کہتی تھی تو اسے برا لگنے لگتا تھا۔ اسکی دلی خواہش تھی کہ زمین اور سونیا اچھی دوست بن جائیں۔

☆.....☆.....☆

”میری بیٹی کی طبیعت ٹھیک ہے۔۔۔؟“ ابو نے اسکو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ چونک کر مڑی پھر دل ہی دل میں خود کو ٹوکتے ہوئے انکی جانب متوجہ ہوئی۔

”جی ابو۔۔۔ بالکل فٹ۔۔۔ آپ بتائیں کیسی طبیعت ہے؟“ وہ مصنوعی انداز میں کھل کر مسکرائی تھی۔ ابو کے چہرے پر جو تاثرات اور پھر مسکراہٹ چمکی۔ اس نے سونیا کو کچھ نجل سا کر دیا۔ ان کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ جھوٹ سے بہلائے نہیں جاسکتے۔ وہ اسی انداز

میں مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ بیٹھے۔

”میں کب سے دیکھ رہا ہوں کہ میری بیٹی فراغت سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہے۔۔۔ کچھ بھی نہیں کر رہی۔۔۔ آس پاس کاغذ بکھرے ہیں نادھاگے۔۔۔ اور یہ نارمل حالات میں تو ممکن ہے نہیں۔۔۔ مجھے تو ٹھیک سے یاد بھی نہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کو اس طرح فارغ بیٹھے کب دیکھا تھا۔۔۔ شاید تب جب میری پیاری بیٹی کوٹمبر پیچر ہو گیا تھا۔۔۔ یا جب دانت کے درد کی وجہ سے میری پیاری بیٹی کی آنکھیں بھی درد کرنے لگی تھیں۔۔۔ اور ہاں یاد آیا ایک بار جب میری بیٹی کے ہاتھ پر چوٹ لگ گئی تھی اور قینچی اٹھانا مشکل ہو گیا تھا۔۔۔ اس کے علاوہ تو میری یادداشت میں کوئی ”ایسا“ لمحہ نہیں جب میں نے اپنی لاڈلی بیٹی کو اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا دیکھا ہو۔۔۔ دن کے چوبیس گھنٹے کام کی فکر میں مبتلا رہنے والی میری پیاری بیٹی بنا کسی وجہ کے یوں نہیں بیٹھ سکتی“ وہ مسکراتے ہوئے ہی کہہ رہے تھے۔ سونیا نے کوشش کی کہ وہ مسکرائے لیکن ممکن نہا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات مزید بوجھل ہو گئے تھے۔ ابواسکی جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ بہت محبت کرنے والے انسان تھے۔ تین بیٹیوں کو بے حد فخر سے پروان چڑھایا تھا انہوں نے۔۔۔ بیٹیوں سے بات کرتے ہوئے وہ ہر جملے میں ”میری بیٹی یا میری پیاری بیٹی“ کے الفاظ کی اتنی تکرار کرتے تھے کہ پہلی بار سُننے والا بیزار ہو جاتا تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ میری بیٹیاں میری متاع حیات ہیں اور متاع حیات کا تذکرہ تو مسلسل کرنا ہی چاہیے۔ سونیا کا دل چاہا ایک دم سے ان کے شانے پر سر رکھے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ وہ بہت صابر اور ہمت والی لڑکی تھی لیکن یہ جذباتی دھچکا اسے سہنا مشکل سا ہوتا جاتا تھا۔ وہ پہلی بار اس قسم کی جذباتی توڑ پھوٹ کا شکار ہوئی تھی۔ وہ بظاہر بہت بہادری سے سب کچھ برداشت کر رہی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پیارے اسے اتنا اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسکی حرکات و سکنات سے ہی بین السطور پڑھ سکتے ہیں۔ اس نے ہونٹ پھیلائے اور اپنی پوری ہمت مجتمع کر کے مسکراہٹ چہرے پر سجالینے کی ایک اور کوشش کی۔

”یہ تو مبالغہ آری ہو گئی ابو۔۔۔ وہ بھی حد سے زیادہ۔۔۔ چند گھنٹوں کو چوبیس گھنٹے کون کہتا ہے۔۔۔ لیکن یہ آپکی محبت ہے کہ آپ نے ایک مصرعے کو پورا دیوان سمجھ لیا۔۔۔“ وہ مصنوعی بشارت کو لہجے میں سمو کر بولی تھی۔ ابواسبقہ انداز میں اس کے چہرے کی جانب دیکھتے رہے۔ چہرے پر مسکراہٹ ابھی بھی تھی لیکن اب مسکراہٹ میں ایک کھوج تھا، ایک تجسس تھا اور ایک تفکر کی پرچھائیں تھی۔ اپنے باپ کی آنکھوں میں اپنی ذات کے لئے تفکر ہی تو اسے نہیں چاہیے تھا۔ وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ اس کے لئے انہیں بہلانا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

”اچھا آپکو میں اس طرح سے بیٹھی اتنی پریشان کر رہی ہوں تو چلیں آئیں مل کر کچھ بناتے ہیں۔۔۔ وہ بناتے ہیں وائٹ چکن کڑاہی۔۔۔ وہ جس میں صرف دہی اور کالی مرچ ڈال کر آپ الگ سے کچھ جنر منتر پڑھتے ہیں۔۔۔ اسی لئے تو میں اور امی بناتے ہیں تو کوئی ذائقہ نہیں آتا۔ لیکن جب آپ بناتے ہیں تو بے انتہاء ذائقے والی بنتی ہے۔“ اس نے پھر مصنوعی بشارت کا سہارا لیا تھا۔ ابو نے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر وہ بھی جس طرح دھیرے سے اس کے ساتھ آ بیٹھے تھے، اسی طرح دھیرے سے اٹھ گئے۔

”کہتے تو اسے بھی مبالغہ آرائی ہی ہیں۔۔۔ لیکن میری پیاری بیٹی کو سب معاف ہے۔۔۔“ وہ کہہ رہے تھے لیکن چہرے کے تاثرات دیکھ کر سونیا چوری بن گئی تھی۔ دنوں باپ بیٹی کو ہی اندازہ تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔ ابو اسکا غمزدہ چہرہ پڑھ سکتے تھے، یہ احساس اسے مزید رنجیدہ کر گیا تھا۔ وہ ان سے کچھ چھپا نہیں سکتی تھی۔ اسکی آنکھیں بھر آنے کے قریب تھیں لیکن اس نے آنسو آنکھ سے بھی چھپا لئے اور دل ہی دل میں خود کو ملامت کی تھی

”جی نہیں۔۔۔ مبالغہ آرائی نہیں ہے۔۔۔ آپ واقعی بہت عمدہ بناتے ہیں۔۔۔ اچھا ایسا کرتے ہیں میں بناتی ہوں آج۔۔۔ پھر امی کو پکھائیں گے۔۔۔ آپ دیکھ لیجئے گا انہیں بالکل پسند نہیں آئے گی۔۔۔ آپ ذرا بیٹھیں ان کے پاس۔۔۔ میں کچن میں جاتی ہوں“ نم آنکھوں سمیت وہ عجلت بھرے انداز میں کہتی کچن کی جانب چل دی تھی۔ اس کے ابو اپنے کمرے کی جانب چل دئے۔

”مخرب کو کیا ہوا ہے۔۔۔؟“ انہوں نے مہناز بیگم سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔ وہ کچھ چونکیں پھر استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھا جو انہیں اچھا ناگاہ

”آپ اسکی ماں ہیں۔۔۔ کیا آپکو اندازہ نہیں ہو رہا کہ وہ کچھ اچھی ہوئی ہے“ انہوں نے جتا کر کہا تھا مہناز بیگم نے ناک چڑھائی۔ وہ پہلے ہی سارے زمانے سے خفا تھیں۔ سایہ بوال سے دوبارہ کراچی آئے میں انکا اپنا مفاد چھپا تھا۔ انہیں لگا تھا اب سب ٹھیک ہو جائیگا۔ کینیڈا سے واپسی پر عطیہ خاتون نے یقین دہانی ہی اتنی کروائی تھی کہ بچے آپس میں گھل مل گئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ گزشتہ تین سالوں میں نظر بھی یہی آ رہا تھا کہ انکا دیرینہ خواب پورا ہونے کے قریب ہے مگر پھر ایک لڑکی زمین ظاہر ہو گئی تھی اور اب ایسا لگنے لگا تھا کہ سب کچھ جو وہ سوچتی آئی تھیں کسی دیوانے کے خواب جیسا تھا۔ اس دن تو انہیں ایک شدید جھٹکا لگا جب ان کی اپنی بیٹی نے ان کے سامنے انکشاف کیا کہ اسے زمین کی بہت پہلے سے خبر تھی اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ التمش کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ انکا دل چاہا وہ سب سے پہلے سونیا کو ہی دو تھپڑ لگائیں کہ جب وہ یہ سب جانتی تھی تو پھر سایہ بوال سے کراچی آ کر خواہ مخواہ التمش کے ساتھ بزنس شروع کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ سونیا سے اسقدر ناراض تھیں کہ انکا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس سے کلام کریں۔ اسی لئے مجازی خدا کے منہ سے شکوہ انہیں مزید برا لگا

”وہ نہیں الجھتی کسی بات سے بھی۔۔۔ وہ آپکی لاڈلی بیٹی۔۔۔ ٹھنڈا آتش فشاں ہے۔۔۔ اگر خاموش بیٹھی ہے تو شام کو دیکھئے گا۔ کوئی پھر رکتا ہوا بیگ یا لباس تیار کر کے سامنے رکھ دے گی۔۔۔ اور ہم سوچتے رہ جائیں گے کہ یہ آخر کتنی کیسے ہے“ بظاہر وہ بیٹی کی تعریف کر رہی تھیں لیکن ایسے جیسے ناکر تیں تو اچھا تھا۔ اصغر صاحب کو انکی بات مزید بڑی لگی

”وہ ادا اس نظر آتی ہے۔۔۔ ادا اسی سمجھتی ہیں آپ؟۔۔۔ دل دکھایا ہے کسی نے اسکا۔۔۔ مجھے اسکی نم آنکھیں نظر آرہی ہیں تو آپکو کیوں نظر نہیں آ رہی“ وہ سخت ناراض ہو کر بولے تھے۔ مہناز بیگم کو ان کے لہجے سے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا اور وہ بلند آواز میں کم ہی بات کرتے تھے۔

”ارے کہہ دیا ہو گا کسی نے کہ تمہارا قد چھوٹا ہے۔۔۔ آپکو پتا ہی ہے اسکا۔۔۔ آپ پریشان مت ہوں“ مہناز بیگم نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی تھی حالانکہ وہ دل ہی دل میں ان کے سخت لہجے سے خود الجھ گئی تھیں۔ اصغر صاحب کی پیشانی پر موجود تیوریاں گہری ہو گئیں اور انکا لہجہ پہلے سے زیادہ سخت ہوا تھا

”میں اسکو جانتا ہوں۔۔۔ اسی لئے پریشان ہوں۔۔۔ اور یاد رکھیں ایسی بے سروپا باتیں پریشان نہیں کرتیں میری بیٹی کو۔۔۔ ایسی تربیت نہیں کی ہم نے اسکی۔۔۔ قد کا ٹھنڈا رنگ روپ جیسی خرافات میں الجھ کر وقت ضائع کرنے والوں میں سے نہیں ہے میری بیٹی۔۔۔“ وہ لہجہ بھر کے لئے رُکے پھر مزید بولے

”بات وہی ہے۔۔۔ جو آپ سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہ رہیں۔۔۔ دریا مشرق کی جانب بہتے بہتے بنائے وجہ کے شمال یا جنوب کی جانب بہنے لگے تو اسکا کارن کوئی بڑا طوفان ہوا کرتا ہے۔۔۔ طوفان سمجھتی ہیں آپ۔۔۔“ انتہائی طنزیہ لہجے میں کہنے کے بعد ایک لمحہ کا توقف مزید کیا گیا

”بات کریں اپنے بھائی سے۔۔۔ کیا ارادے ہیں ان کے۔۔۔ مجھے یہ سب کچھ بہت نامناسب لگنے لگا ہے اب۔۔۔ اسلئے واضح بات کرنا بے ضروری ہے اور آپ ایک بات یاد رکھئے گا۔۔۔ میں نے کبھی اپنی بیٹیوں کے لئے خسارے کا سودا نہیں کیا اور کسی کو کرنے بھی نہیں دوں گا“

ان کی بات پر مہناز بیگم سُن سی ہو گئیں۔ وہ کیا جتنا چاہ رہے تھے اور کیا سمجھنا چاہ رہے تھے، انہیں سب سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ ان کے کسی معاملے میں نہیں بولتے تھے لیکن جب بھی بولتے تھے وہ پتھر کی لکیر کی طرح اُل اور حتی ہوتا تھا۔

”میں خود بات کرونگا ماسٹر جی سے“ وہ دو ٹوک انداز میں کہہ رہے تھے

☆.....☆.....☆

”کیا بنا رہی ہیں صبح صبح۔۔۔؟“ امتش انہیں کافی دیر سے کافی عجلت میں دیکھ رہا تھا، اسی لئے سوال کر دیا۔ اتوار کا دن تھا۔ اسکی مصروفیت بھی شام کی تھیں اور ویسے بھی طبیعت بیزاری تھی سو وہ گھر پر ہی موجود تھا۔ اتوار کے دن وہ اپنی آؤٹ لیٹ شام کو کھولتے تھے لیکن ورکشاپ بند رہتی تھی۔ اس کے اور سونیا کے درمیان جوتلی پیدا ہوتی تھی، وہ اب تک قائم تھی اور زمین سے جھگڑا بھی تازہ ہی تھا لیکن عجیب بات تھی کہ اسے زمین کے ساتھ ہونے والے جھگڑے کی جتنی ٹینشن تھی، اس سے کہیں زیادہ وہ سونیا کے رویے سے الجھا ہوا تھا۔ اس نے سونیا کو اور سونیا نے اسکو دوبارہ کوئی کال کی تھی نا ہی واٹس ایپ پر پیغامات کے ذریعے کوئی گفتگو ہوتی تھی۔ امتش اسکو باور کروانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے جبکہ سونیا نے تو کوئی پرواہی نہیں کی تھی جس کا اسے دل ہی دل میں غصہ بھی تھا۔ اس بات کو کبھی دن گزر چکے تھے اور گزشتہ تین سالوں میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ انکے درمیان اتنی دیر رابطہ رہا ہو۔ اس نے جوڈ بڑا بن کر رکھے تھے وہ بھی اب تک اسے فارورڈ نہیں کئے تھے۔

”میں کو فتنے بنارہی ہوں۔۔۔ چھوٹے گوشت کا قیمہ ہے۔۔۔ بہت ذائقے والے نہیں گے۔۔۔ اس لئے مہربانی فرما کر تم آج کھانا گھر پر ہی کھانا۔“ انہوں نے اسے تفصیل بتا کر ترغیب دی تھی۔

”ارے واہ۔۔۔ اب تو کھانا گھر پر کھانا ہی پڑے گا۔۔۔ ساتھ روٹی بنائیں گی یا چاول اُبالیں گی؟“ اس نے بات برائے بات پوچھا تھا کہ کچھ تو کہنا ہی تھا

”وہ تو بعد میں دیکھو گی جب سونیا وغیرہ آجائیں گے۔۔۔ ان سے پوچھ کر فیصلہ کرو گی۔۔۔ کیا پتا تمہارے پھبھا چاول کھانا پسندنا کریں“ انہوں نے بتایا تھا۔ اُتمش نے انکی جانب دیکھا

”پھبھا آ رہے ہیں؟۔۔۔ کھانے پر؟۔۔۔“ اسے کچھ حیرانی ہوئی تھی۔ پھبھو نونڈیک ہی رہتی تھیں اور اکثر ہی شام کی چائے پر ان کے یہاں پائی جاتی تھیں لیکن پھبھا کا آنا اور وہ بھی کھانے کے وقت واقعی ایک اہم معاملہ تھا۔

”کیوں۔۔۔ تمہیں بتایا نہیں سونیا نے۔۔۔“ انہوں نے اس انداز میں کہا تھا جیسے یقین ہو کہ وہ یہ بات پہلے سے جانتا ہے۔ سونیا سے اسکی ناراضی ناپل رہی ہوتی تو شاید اسے یہ بات پہلے سے پتا ہی ہوتی لیکن اب تو دونوں جانب سناٹا چھایا ہوا تھا۔

”بہت خوب۔۔۔ یعنی اب اپنے ہی گھر کی باتیں مجھے باہر والے بتایا کریں گے“ اس نے چڑ کر سوال کیا تھا۔ عطیہ بیگم نے بغور اسکا چہرہ دیکھا۔ انہیں ”لفظ“ باہر والے“ بہت چھبھا تھا۔

”وہ باہر والی نہیں ہے۔۔۔ ہماری اپنی ہی بچی ہے۔۔۔“ انہوں نے جتایا تھا

”اونہ۔۔۔ اتنی سڑی ہوئی۔۔۔ مغرور۔۔۔ آپکی اپنی بچی۔۔۔“ اس نے مزید بڑا سامنہ بنایا تھا پھر جس کرسی پر بیٹھا تھا اسے انکی جانب موڑ کر بولا

”ویسے۔۔۔ وہ جتنی مغرور ہے نا۔۔۔ واقعی آپکی بچی ہی لگتی ہے۔۔۔ بالکل آپکی طرح کے نخرے ہیں اس کے۔۔۔ اور سمجھتی خود کو وہ بھی مہارانی جو دھابائی ہی ہے“ اس نے بہت دن بعد انہیں اس طرح سے چڑانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اسے مغرور کہنا تو زیادتی ہے۔۔۔ مغرور تو بالکل نہیں ہے۔۔۔ ہاں پُر اعتماد ہے۔۔۔ پرواہ نہیں کرتی کسی چیز کی۔۔۔ جو کام کرنا ہے وہ کر کے دم لیتی ہے“ وہ اسے سراہ رہی تھیں۔

”امی ویسے اقرباء پروری ختم ہے آپ پر۔۔۔ آپ کے منہ سے کبھی میرے لئے تو ایسے الفاظ نہیں نکلے۔۔۔ میرے دشمنوں کو سراہنے میں آپ ہمیشہ سب سے پہلے آ جاتی ہیں۔“ وہ جس انداز میں کہہ رہا تھا اس سے عطیہ بیگم کے چہترے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوتی جاتی تھی کہ اس کے انداز میں شرارت تو تھی لیکن پہلے جس طرح اس ذکر پر وہ واقعی انتہائی کروفر سے چارٹ دس انچ کہہ کر منہ بنا لیا کرتا تھا

ایسا کوئی تاثر اس کے چہرے پر نہیں ابھرا تھا بلکہ اسکی دلچسپی ظاہر کرتی تھی کہ وہ اس ذکر کو انجوائے کر رہا ہے۔

”یہ بات نہیں ہے۔۔۔ تم میرے بیٹے ہو۔۔۔ تم سے زیادہ اچھا تو کوئی نہیں ہے میرے لئے۔۔۔“ وہ جانے کس موڈ میں تھیں کہ بیٹے کو بھی سرائے لگیں حالانکہ اسے تو ہمیشہ ہی تنقیدی زد پر رکھتی تھیں وہ۔۔۔ اتمش کے چہرے کے تاثرات مزید طنزیہ ہو گئے تھے جبکہ وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

”لیکن مجھے وہ ابتداء سے ہی اسی لئے اچھی لگتی ہے کہ اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا اعتماد ہے۔۔۔ جس بات کا تہیہ کر لیتی ہے اسے پورا کر کے دم لیتی ہے۔۔۔ حالانکہ تمہاری ڈکٹری کے حساب سے چلا جائے تو واقعی وہ چار فٹ دس انچ ہی تو ہے۔۔۔ مگر چٹانوں کا سا حوصلہ ہے اسکا۔۔۔ ورنہ خود ہی بتاؤ۔۔۔ تین سال کے قلیل عرصہ میں تم نے کسی اور کو اس طرح کسی دوسرے شہر میں آکر کامیاب ہوتے دیکھا ہے۔۔۔ نہیں نا۔۔۔ تو پھر مان لو میرے لعل کہ یہ سب اس کی وجہ سے ممکن ہوا اور دنیا تمہیں جاننے لگی ہے۔۔۔ میں اسکو اس وجہ سے اتنا پسند کرتی ہوں کہ وہ بالکل ایسی ہے جیسا آجکل کی لڑکیوں کو ہونا چاہیے۔۔۔ یقین کرو میری اگر کوئی بیٹی ہوتی نا۔۔۔ تو میں اسے بالکل ایسا ہی دیکھنا چاہتی جیسی سونیا ہے۔۔۔ اور۔۔۔“ وہ اسکی تعریف میں زمین آسمان ایک کئے دے رہی تھیں جب کال بیل گنگناٹھی

”آگئیں میں محترمہ۔۔۔ آپ یہیں ختم کر دیں یہ جھوٹی باتیں۔۔۔ اس نے سُن لیا تو مزید سرچڑھ جائے گی۔۔۔ پہلے ہی خمرے نہیں برداشت ہوتے ہم سے اس کے۔۔۔“ وہ کہتا کہتا گیٹ کی جانب بڑھ گیا تھا۔ چند لمحوں بعد مہناز بیگم اور اصغر صاحب اندر آگئے تھے۔ عطیہ صافی سے ہاتھ وغیرہ صاف کر کے کچن سے باہر کی سمت آگئیں۔ سونیا ان کے ہمراہ نہیں تھی۔ وہ مہناز بیگم سے ملتے ہوئے ان سے اسی متعلق استفسار کرنے لگی تھیں

”وہ کہہ رہی تھی کہ اسے ایک بہت اچھا آرڈر ملا ہوا ہے۔۔۔ کل تک مکمل کرنا ہے۔۔۔ بس اسی لئے نہیں آئی۔“ مہناز نے بتایا تھا لیکن اتمش کی تشفی نا ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا ایسا کوئی آرڈر نہیں تھا جو کل ہی ڈلیور کرنا ضروری ہو۔ اسے حیرانی ہوئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آگیا تھا اور آتے ہی پہلا واٹس ایپ اسے کیا تھا لیکن چند لمحوں بعد جب اسکا کوئی جواب نا آیا تو اس نے براہ راست کال ملا لی تھی۔ سونیا نے فون نہیں اٹھایا تھا اور اس امر نے اتمش کو حیران ہی نہیں پریشان بھی کر دیا تھا

”ایسا کیوں کر رہی ہو تم۔۔۔“ وہ خود اپنے منہ سے کاٹکا تھا۔

☆.....☆.....☆

”سونیا کے ابا کی طبیعت کچھ اچھی نہیں رہتی۔۔۔“ مہناز بیگم نے کچھ جھجھک کر بھانج کے سامنے اگلا تھا۔ عطیہ بیگم نے چاول دم پر رکھ دئے ہوئے تھے۔ دونوں نند بھانج میز کے گرد بیٹھی سلا دکاٹ رہی تھیں جب انہوں نے یہ تمہید باندھی تھی۔ بندگو بھی کاٹتے ان کے ہاتھ لحو بھر کے لئے رُکے

”کیا ہوا۔۔۔ بلڈ پریشر ہائی۔۔۔؟ ماشاء اللہ لگ تو ٹھیک رہے ہیں“ عطیہ بیگم اس تمہید کی تہہ تک پہنچی نہیں تھیں۔ ویسے بھی ان دونوں کے درمیان کبھی ایسا تکلف رہا ہی نہیں تھا کہ باتیں اشاروں میں کرنے کی نوبت آتی۔ ایک ہی مسئلہ تھا۔۔۔ جو انہیں ایک دوسرے سے نظریں پڑانے پر مجبور کرتا تھا۔

”بلڈ پریشر بھی ہائی۔۔۔ شوگر بھی ہائی۔۔۔ بس اوپر نیچے۔۔۔ چلتا ہی رہتا ہے یہ سب۔۔۔ بیٹی کے لئے پریشان رہتے ہیں۔“ مہناز بیگم آج دو ٹوک بات کرنے کے لئے ہی آئی تھیں اور وہ بلا وجہ کی باتیں کر کے یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ عطیہ بیگم نے جو یقین دہانی انہیں ساہیوال میں کروائی تھی وہ انہیں یاد تھی اور انہوں نے دوبارہ کبھی اسے دہرایا نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ بھابھاجی نے جو بھی وعدہ ان سے کیا تھا وہ اسے نبھائیں گی لیکن آنکھوں دیکھا حال بھی نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں تھا۔ اتمش کی زندگی میں ایک لڑکی تھی جس کے ساتھ وہ بے حد بے تکلف نظر آتا تھا۔ اس لڑکی کے گھر والے اتمش پر بے حد مہربان نظر آتے تھے۔ آئے روز اس لڑکی کے یہاں دعوتیں ہو رہی تھیں، ان لوگوں کو بھی فراخ دلی سے مدعو کیا جا رہا تھا۔ اس لڑکی کا ذکر گھر میں سب کے سامنے بے تکلفی اور فراخ دلی سے ہوتا تھا۔۔۔ یہ سب باتیں واضح طور پر انہیں سمجھا رہی تھیں کہ کچھ نا کچھ ایسا ہے جو ان سے مخفی ہے۔ کچھ نا کچھ ایسا ہے جسے انہوں نے سمجھنے میں غلطی کر دی ہے۔ کچھ نا کچھ ایسا ہے جو ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ یہ ”میرا سلطان“ کی کوئی ”مسڈ اپنی سوڈ“ نہیں تھی جو وہ یوٹیوب سے چند کلکس کے بعد ڈاؤن لوڈ کر کے دیکھ لیتیں اور وہ سب جو ان سے چھوٹ گیا تھا انکی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تھا، نہایت آرام سے سمجھ میں آ جاتا۔ اسی لئے اس موضوع پر واضح بات کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ دوسری جانب عطیہ بیگم کا دل ایک لمحے کے لئے ڈوبا تھا۔ وہ خواب جو وہ اپنی بچپن کی سہیلی کی آنکھوں میں سجا آئی تھیں اسے نوچنے کا وقت آ گیا تھا۔

”اتنی اچھی بیٹی کے لئے بھی پریشان ہو سکتا ہے کوئی۔۔۔؟“ انہوں نے بودے سے لہجے میں کہا تھا۔ ان میں ہمت نہیں تھی کہ سہیلی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ بات کہہ سکتیں اور مہناز بیگم ان کے انداز سے ہی سمجھ گئی تھیں کہ وہ خدشہ جواب سے نہیں کبھی سالوں سے اسے بے چین ہی رکھتا تھا، ابھی تک قائم تھا۔ انہوں نے کینیڈا تک کا سفر کر لیا تھا کہ شاید اس وجہ سے انکی دلی خواہش پوری ہو جائے۔ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر واپس اس شہر میں آ بسی تھیں کہ شاید اب وہ سچ ہو جائے جو وہ سوچتی آئی تھیں لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے گہری سانس بھری۔ چند لمحے وہ سوچتی ہی رہی تھیں کہ اب انہیں کہنا کیا چاہیے۔ ایک سوچ آ رہی تھی ایک جا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحے میں سب بھول جائیں۔ رشتہ داری، دوستی یاری۔۔۔ پھر بیٹی کا چہرہ نظروں کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ کتنے پروقار طریقے سے سب برداشت کر سکتی تھی تو وہ اتنی تجربہ کار ہو کر کیوں نا ہمت کا دامن تھامے رکھتیں۔

”اچھا بچہ ہے اتمش۔۔۔ لیکن میری بیٹی کی قسمت اس سے بھی زیادہ اچھی ہے“ عطیہ بیگم ایک لمحے کے لئے کچھ بول ہی ناسکیں۔ دکھ تو نہیں بھی ہوا تھا۔ وہ سپنا جو دھیرے دھیرے بنا تھا انہوں نے۔۔۔ لمحہ بھر میں ختم ہو گیا تھا۔ جیسے بس بجلی بند ہونے سے سب بند

ہو جائے لیکن وہ اب مزید جھوٹ کے سہارے کسی ماں باپ کی بددعائیں نہیں سمیٹنا چاہتی تھیں

”میں نے بہت کوشش کی مہناز۔۔۔ لیکن ہماری بیٹی کی قسمت واقعی اچھی ہے“ وہ اس سے زیادہ کیا کہتیں۔ مہناز بیگم نے کوئی جواب دے بنا پس کاٹے گئے کھیروں اور ٹماڑ کے قتلوں کو لپیٹ میں سجا کر رکھنا شروع کر دیا تھا۔ کہنے کے لئے بچا ہی کیا تھا

☆.....☆.....☆

”وہ گھر سے یہ سوچ کر نکلا تھا کہ ورکشاپ جائیگا، وہاں سے سونیا کو پک کرے گا اور کہیں بیٹھ کر اس سے تفصیلی بات کرے گا۔ سونیا کا رویہ اسے کسی انہونی کا احساس دلانے لگا تھا۔ وہ ایسی نہیں تھی جیسی بن کر دکھا رہی تھی۔ وہ اس سے اس طرح کبھی ناراض نہیں ہوتی تھی۔ لڑائی جھگڑے، طعنے، شکوے ان کے درمیان سب چلتا تھا لیکن ناراضی یا خفگی کبھی درمیان میں نہیں آتی تھی۔ بات جس مقام سے شروع ہوتی تھی عموماً وہیں ختم ہو جایا کرتی تھی لیکن اب کی بار کچھ مختلف ہو گیا تھا۔ سونیا کئی دن سے اس سے خفا تھی اور التمش یہ بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ اسے سونیا کی خفگی سے بے چینی ہونے لگی تھی۔ ابتداء میں تو وہ ”نہیں تو ناہی۔۔۔ بھاڑ میں جاؤ“ والا جملہ خود کو کہہ کہہ کر تسلی دیتا رہا تھا لیکن اب اسکی برداشت ختم ہونے لگی تھی۔ اسے پتا بھی نہیں چلتا تھا اور وہ بلاوجہ واٹس ایپ کھول کر سونیا کا نمبر کھول لیتا تھا۔ اسکا ”لاسٹ سین“ چیک کرنے لگتا تھا اور جب اسے پتا چلتا تھا کہ وہ مسلسل آن لائن ہے لیکن اس کے میسجز کے جوابات نہیں دے رہی تو وہ جھنجھلائے لگتا ہے۔ اس کے کال کاٹ دینے کے عمل نے تو اسے بالکل ہی حیران کر دیا تھا۔ ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ بات کرنے کی بھی روادار نہ رہی تھی۔ یہی سوچ کر وہ گھر سے نکلا تھا کہ اب آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرنا ضروری ہو گیا تھا مگر گھر سے نکلتے ہی زمین کی کال آگئی تھی۔ وہ مین روڈ پر پہنچا ہی تھا ابھی۔۔۔ اس نے کال ریسیو کی تو وہ اپنا ہی پروگرام بنا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

”لنچ کریں کہیں۔۔۔ میرا دل چاہ رہا ہے تم سے ملنے کو۔۔۔“ وہ لاڈ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی جیسے سب بھول بھال گئی ہو۔ التمش نے سکون کا سانس لیا۔ وہ دود و بگاہوں پر لڑائی جھگڑے ایک ساتھ افرارڈ نہیں کر سکتا تھا

”اپنے دل کو سمجھاتی کیوں نہیں ہوتی۔۔۔ یہ ہر روز مجھ سے ملنے کے لئے کیوں بے چین ہونے لگتا ہے“ وہ اسے چڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زمین ہنسی۔

”یہ زمین کا دل ہے۔۔۔ اس کی سمجھ میں ایسی باتیں آتی نہیں ہیں“ وہ اسی کے انداز میں بولی تھی۔ التمش بھی ہنسا

”اب تم نے بات ایسی کر دی ہے کہ مجھے سر کے بل بھی آنا چاہیئے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں ذرا مصروف ہوں۔۔۔ سونیا کی طرف جا رہا ہوں۔ وہاں سے جلدی آگیا تو پھر ڈنر کر لیں گے ساتھ“ اس نے اپنا مسئلہ اسے سمجھایا تھا۔ زمین کی آواز چند لمحوں کے لئے آنا بند ہو گئی۔

”کیا ہوا۔۔۔ سو گئی ہو کیا؟“ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

”نہیں۔۔۔ لیکن حیران ہوں۔۔۔ تم اتوار کے دن بھی اس کے ساتھ لنچ کرتے ہو؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں طنز کی

آمیزش تھی۔

”اتوار کے دن اس کے ساتھ لچ کرنے میں کوئی مسئلہ ہے کیا۔۔۔؟“ التمش اس کے لہجے سے متاثر ہوئے بناء پوچھ رہا تھا۔

”تمہارے لئے تو خیر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ تمہارا بس چلے تو تم بیک فاسٹ، ڈنر لچ ہفتے کے ساتوں دن اسی کے ساتھ کرو۔۔۔“ وہ تنگ کر بولی تھی۔ التمش کو اس کے لہجے کی تلخی بڑی لگی۔ وہ اس سے اس قسم کی بات کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

”مطلب۔۔۔؟“ اس نے بھی تنگ کر سوال کیا تھا۔

”کوئی مطلب نہیں۔۔۔ تم جاؤ اپنی سونیا کے پاس۔۔۔“ اس نے کہہ کر کھٹ سے فون بند کر دیا تھا۔ التمش نے حیران ہو کر فون کی جانب دیکھا۔

”اپنی سونیا۔۔۔“ یہ کہتے ہوئے زمین کے لہجے میں جو کاٹ تھی جس نے التمش کو جتایا تھا کہ اسے بڑا لگا ہے۔

”ہاں۔۔۔ ہے تو اپنی ہی۔۔۔ لیکن اس میں بڑائی کیا ہے۔۔۔ میری کزن ہے“ وہ چند لمحے خالی ذہن کے ساتھ سڑک پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ ذہن پر مزید بوجھ بڑھ گیا تھا۔ وہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ زمین نے اسے مزید الجھا دیا تھا۔ سونیا سے مل کر معاملہ حل کرنے کی بے چینی تھی تو زمین کی ناراضی بھی اسے منظور نہ تھی۔ سونیا کی ناراضی اس کے لئے کچھ اور طرح کی تھی۔ پریشانی اور بیزاری اسے سونیا کی وجہ سے تھی لیکن وہ سمجھ نہیں پاتا تھا کہ ایسا کیوں ہے۔ اسے منانے کی جلدی بھی تھی لیکن غصہ بھی تھا کہ وہ مزید ناراض ہو گئی تو کیا ہوگا۔ چند لمحے اسی طرح سوچتے رہنے کے بعد سونیا کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر کے اس نے زمین کو میسج کر دیا تھا

”پانچ منٹ میں باہر آؤ، میں آ رہا ہوں تمہیں پک کرنے۔۔۔“

☆.....☆.....☆

”تم بتائیوں نہیں دیتی کہ ہوا کیا ہے۔۔۔؟“ اس کے سامنے کھڑا سوال کر رہا تھا۔ وہ زمین کے ساتھ لچ کر کے اب ورکشاپ پر آیا تھا۔ زمین کے ساتھ صلح ہو گئی تھی تو اب سونیا کی ناراضی اسے یاد آنے لگی تھی۔ سونیا سے دیکھ کر حیران ہوئی تھی اور اسے بے چینی بھی ہوئی تھی۔ التمش کا ساتھ اس کے لئے ہرگز رتے دن کے ساتھ ناقابل برداشت ہوتا جاتا تھا۔ وہ اسے کوئی الزام نہیں دینا چاہتی تھی کہ یہ تو یکطرفہ محبت تھی مگر پھر بھی انسان ہونے کے ناطے اسے اس پر غصہ آنے لگتا تھا۔ اس کا دل چاہنے لگتا تھا کہ وہ اسے جتا کر کہے کہ تم تو بہت ہی بودے اور کمزور انسان نکلے۔۔۔ اتنی جلدی ساری ہتک ساری بے عرقی بھول کر پھر اسی رستے پر چل پڑے جہاں سے ذلیل رسوا کر کے نکالے گئے تھے مگر پھر وہ ڈرجا جاتی تھی۔ وہ کون ہوتی تھی اسے ایسے طعنے دینے والی۔ اس نے اس کے ساتھ کونسا وعدے وعید کر رکھے تھے جو وہ اسے کسی کٹہرے میں کھڑا کرتی۔۔۔ یہ اس کی اپنی زندگی تھی۔ وہ اپنا اچھا بڑا سوچ سکتا تھا لیکن وہ اب مزید اس کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اتوار کے دن ادھر آئی تھی کہ اپنا سامان الگ کرنے کی تیاری کر سکے۔ اس نے واپس ساہیوال جانے کی پلاننگ شروع کر دی تھی اگرچہ

اس نے ابھی اس متعلق کسی سے بات نہیں کی تھی لیکن یہ طے تھا کہ وہ مزید التمش کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ اس کے لئے آنے والے وقت میں مزید ناقابل برداشت ہو جاتا۔

”کاٹنے والے جوتے زیادہ دیر پاؤں میں پہنے رکھنا بیوقوفی ہوتی ہے۔“ اس نے خود کو سمجھا لیا تھا۔ یہ یکطرفہ محبت کسی کاٹنے والے جوتے ہی کی طرح تکلیف دہ تھی۔

”کچھ نہیں ہوا ہے۔۔۔ میں بس اپنی کچھ چیزیں تلاش کرنا چاہتی۔۔۔ اسی لئے آگئی۔۔۔ اب تم اس بات پر بھی اعتراض کرو گے“ سونیا اسے نظر انداز کرتے ہوئے شیفلس پر پڑے ڈبے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔۔۔ التمش مزید اس کے سامنے آیا

”میں یہ نہیں پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں کیوں آئی ہو۔۔۔ یا تم کیا کر رہی ہو۔۔۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟“ التمش کا لہجہ زیادہ اچھا نہیں تھا۔ سونیا کے انداز میں موجود تکلف اور غیریت اسے سخت بُری لگ رہی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی اور اس کے ساتھ آج تک ایسا کسی نے نہیں کیا تھا۔

”کیا کر رہی ہوں میں۔۔۔؟“ سونیا نے حیران نظر آنے کی بھرپور ادکاری کی جیسے اسکی بات نالکل نا سمجھ پائی ہو۔ التمش زچ ہوا تھا۔ ”تم مجھے اگور کر رہی ہو۔۔۔ ہمارے گھر بھی نہیں آئی۔۔۔ امی یاد کر رہی تھیں تمہیں۔۔۔ میرا غصہ اب میرے ماں باپ پر نکالو گی تم“ وہ جتا کر بولا۔ یہ کہنا اس جیسے مغرور انسان کے لئے نہایت تکلیف دہ تھا۔ سونیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر ایک اور ڈبہ اپنے سامنے کر لیا تھا ”ایسا نہیں ہے التمش۔۔۔ ایسا کیوں کرو گی بھلا میں۔۔۔“ وہ بے حد ملائمت بھرے انداز میں بولی تھی۔ التمش کو اسکی یہ ادا مزید بُری لگی۔ یہ تھا وہ غیروں والا انداز جو اسے بے حد چُھ رہا تھا۔ سونیا اس کے ساتھ اس طرح بات نہیں کرتی تھی۔ وہ تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے جواب دیا کرتی تھی۔ ایک بات کے جواب میں دس سنا کر ہی سکون ملتا تھا اسے۔۔۔ اور اگر وہ یہ سب نہیں کر رہی تھی تو یقیناً اس کے پیچھے کوئی وجہ تھی۔

”تم ایسا ہی کر رہی ہو۔۔۔ آخر ہوا کیا ہے۔۔۔؟“ اس نے جتا کر کہا تھا پھر اسکا ہاتھ تھام کر اسے میز کے قریب پڑی ریو لونگ چیمیر پر بٹھا دیا۔ اپنے عقب میں دیکھتے ہوئے اس نے دوسری کرسی گھسیٹی تھی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ چند لمحے وہ اسکی آنکھوں میں ہی دیکھتا رہا۔ یہ لمحہ سونیا کے لئے بے حد مشکل تھا۔ وہ اسکی آنکھوں میں زیادہ دیر دیکھ نہیں پاتی تھی۔

”اچھا سوری۔۔۔ آئی ایم سوری“ التمش نے کہا تھا۔ سونیا نے ایک بار پھر اسکی نگاہوں میں دیکھا

”میں دوبارہ کبھی تمہیں کسی کا نام لے کر نہیں چڑاؤں گا۔۔۔ احتشام کا تو بالکل بھی نہیں۔۔۔ میری توبہ۔۔۔ ماسٹر جی کی بھی توبہ۔۔۔ یعنی میری بھی توبہ اور میرے ابا کی بھی توبہ۔۔۔ اب تو مان جاؤ“

”ایسے مت کہو التمش۔۔۔ پلیز۔۔۔ ناراض نہیں ہوں میں۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ التمش نے گہری سانس بھری

”مجھے مت بتاؤ یا ر۔۔۔ مجھے کیا محسوس نہیں ہوتا“ وہ اتنا سا گیتا تھا

”اوہ۔۔۔ واقعی۔۔۔؟“ سونیا ناچا ہتے ہوئے بھی طنزیہ انداز میں کہہ گئی تھی۔ التمش اسی کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

”یار میں پتھر تو نہیں ہوں۔۔۔ مجھے احساس ہے کہ میری کسی بات سے ناراض ہو تم۔۔۔ لیکن دیکھو میں تو ایسا ہی ہوں۔۔۔ منہ پھٹ

سا۔۔۔ مگر سوری بول تو رہا ہاں۔۔۔ مان تو رہا ہوں کہ کہہ دیا ہو گا کچھ تم سے جو مجھے اب یاد نہیں ہے۔۔۔ مگر بھی آئی ایم سوری“ وہ اس کے

چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ مذاق میں نہیں بلکہ بخجیدگی سے معذرت کر رہا تھا اس سے۔۔۔ سونیا کچھ نہیں بولی

۔ اسے پھر اپنے آپ پر ہی غصہ آیا تھا اور یہ سوچ کر زیادہ آیا تھا کہ اسے غصہ کیوں آرہا ہے۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا۔ قہقہے لگانے چاہیے

تھے کہ وہ شخص جو اتنا مغرور تھا کہ کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتا تھا۔ آج اس کے سامنے شرمسار بیٹھا معافی مانگ رہا تھا۔

”پلیز التمش۔۔۔“ وہ اسکی جانب دیکھے بناء میز پر رکھی چیزیں ٹھیک کرتے ہوئے کچھ کہنے لگی تھی کہ وہ کارڈ سامنے آگیا جس پر اس

نے کچھ دن پہلے الحراب سے ”ال“ کو الگ کر ڈالا تھا۔ اس نے دوبارہ وہ کارڈ نیچے چھپا دینا چاہا مگر التمش نے غیر ارادی طور پر اسے اٹھا لیا

۔ وہ بلا وجہ ہی کارڈ پر نظر ڈال بیٹھا تھا پھر اسے سمجھ میں آیا کہ سونیا اسے چھپا کیوں رہی تھی۔

”یہ کیا ہے۔۔۔“ وہ حیران ہوا تھا۔ سونیا نے اسکے ہاتھ سے وہ کارڈ لینا چاہا

”کچھ نہیں ہے۔۔۔ ایک کارڈ ہے۔۔۔ وزینگ کارڈ۔۔۔“ وہ عام سے انداز میں بولی

”وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ ایک کارڈ ہے۔۔۔ مگر یہ کیا کیا ہے تم نے۔۔۔ تم نے ”حراب“ اور ”ال“ کو الگ الگ کیوں کر دیا“ وہ

اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سونیا چند لمحے کچھ نہیں بولی۔ وہ سوچ رہی تھی کہا سے کیا جواب دینا چاہیے

”تم نے انہیں الگ کیوں کیا سونیا۔۔۔“ وہ پھر سوال کر رہا تھا۔ سونیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔۔۔

”یہ الگ ہی تھے التمش۔۔۔ میں نے انہیں الگ نہیں کیا۔۔۔ یہ الگ ہی تھے۔ بالکل الگ۔۔۔ الگ تھلگ۔۔۔ آئی سمجھ“ وہ

جتنا کہ لیکن سر اٹھا کر بولی تھی۔ کیا یہ لازم تھا کہ وہ اگر کہیں انجانے میں شخص کو پسند کرنے لگی تھی تو اس پر شرمسار بھی ہوتی۔ وہ اپنا بھرم قائم رکھ کر

بھی تو اپنا موقف بیان کر سکتی تھی

”میں واپس جانا چاہتی ہوں التمش۔۔۔ میں مزید تمہارے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ تم سنبھالو یہ سب۔۔۔ میں ساہیوال میں اپنا کام

الگ سے شروع کرونگی۔۔۔ اس لئے ”الحراب“ کو ختم کرنا چاہ رہی ہوں میں۔۔۔ آئی سمجھ۔۔۔“ وہ ملائمت سے مگر دو ٹوک انداز میں بولی تھی۔

”نہیں مجھے بالکل سمجھ میں ہیں آئی۔۔۔ اور تم بھی کان کھول کر سن لو۔۔۔“ ”ال“ اور ”حراب“ کبھی الگ نہیں ہونگے۔۔۔ یہ الحراب

ہی رہیں گے۔۔۔ کم از کم میری زندگی تو ایسے ہی رہیں گے۔۔۔ ہاں میرے مرنے کے بعد جو مرضی کرنا تم۔۔۔“ وہ جتا کر بولا تھا۔ اس کو سونیا کا

یہ طرز عمل اچھا نا لگا۔ اسی دروان تین لوگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئے تھے۔ التمش نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

”انہیں میں نے بلوایا ہے۔۔۔“ جواب سونیا نے دیا تھا۔ وہ مزید آگے آگئے تھے۔ انہوں نے نارنجی رنگ کا یونیفارم پہن رکھا تھا جس پر بڑا بڑا کر کے موورز اینڈ پیکرز لکھا ہوا تھا۔ وہ سامان کی منتقلی سے پہلے سامان سمیٹنے کے لئے بلوائے گئے تھے۔ التمش چند لمحے تو انکی جانب دیکھتا رہا پھر وہ سونیا کی جانب مڑا تھا۔ اسکی آنکھوں میں سخت خفگی کے رنگ تھے

”کیا ڈیل ہوئی ہے ان سے۔۔۔ کتنے روپے دینے ہیں انہیں؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔ سونیا خاموش ہی رہی۔

”میں نے پوچھا ہے کچھ۔۔۔“ اس نے غرا کر کہا تھا۔

”پانچ ہزار۔۔۔“ سونیا خائف سی ہو کر بولی تھی۔ التمش نے اپنی جینز کی پاکٹ سے والٹ نکال کر پانچ ہزار کانوٹ نکالا اور ان میں سے ایک شخص کو پکڑا دیا۔

”آپ جاسکتے ہیں۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑے رہے پھر سونیا نے بھی انہیں اشارہ کیا تو وہ دوبارہ سے سیڑھیاں اتر گئے تھے۔

”میری زندگی میں ایسا ممکن نہیں ہے سونیا عرف محراب بی بی۔۔۔ آپ مجھ سے الگ نہیں ہو سکتیں۔۔۔ کبھی بھی نہیں“ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ سونیا کو بے پناہ غصہ آیا تھا۔ یہ کوئی ایسی ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ اس میں بچھے ہوئے معنی تلاش کر کے خوش ہوتی رہتی۔ وہ مغرور شخص اسے کاروبار بھی الگ کرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

”ہمارے راستے کبھی الگ نہیں ہونگے۔۔۔“ ال“ اور“ محراب“ ہمیشہ ساتھ رہیں گے“ وہ مزید کہہ رہا تھا۔ سونیا کچھ نہیں بولی۔ اسے بس غصہ آ رہا تھا۔ التمش بس اسکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ پہلے کی طرح کیوں نظر نہیں آتی تھی۔ وہ کیا چیز تھی جو اسے بے چین کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

”تم کچھ پریشان ہو؟“ زرین نے اس کے بیزار سے انداز کو دیکھ کر سوال کیا تھا۔ وہ اس کے ہر سوال کے جواب میں بس ہوں ہاں کئے چلے جا رہا تھا۔ بظاہر وہ اس سے باتیں ہی کر رہا تھا لیکن توجہ بالکل بھی اسکی جانب نہیں تھی اور اسے اندازہ نہیں تھا کہ زرین کب سے یہ بات نوٹ کر رہی ہے۔ اس کے ٹوکنے پر التمش نے چونک کر اسکی جانب دیکھا

”نہیں تو۔۔۔“ اس نے اس سے زیادہ جیسے خود کو یقین دلایا تھا۔

”اچھا۔۔۔؟“ زرین نے استہزائیہ انداز میں کہا پھر اپنے عقب میں مڑ کر دیکھنے کے بعد طنزیہ انداز میں بولی

”اچھا۔۔۔ مجھے محسوس ہوا جیسے تم کچھ الجھے ہوئے ہو۔۔۔ کب سے دیکھ رہی ہوں۔۔۔ پیشانی کو انگی سے کھجائے چلے جا رہے ہو۔۔۔“ زرین کے چہرے پر تجسس کے ساتھ مسکراہٹ بھی چمکی تھی۔ اس مسکراہٹ میں طنز شامل تھا۔ یہ طنز اب اسکی گفتگو میں اکثر ہی چھلکنے لگا تھا

”تم جب بھی کسی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہو تو ایسے ہی بار بار اپنی آنی برو کو سہلانے لگتے ہو۔۔۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر

ناگواری سی تھی۔ اتمش کو اسکا انداز اچھا ناگ لیکن اس سے پہلے کہ ہو کچھ کہتا، زرین بولی تھی

”تمہیں پتا ہے تم اپنا کنفیوژن چھپانے کے لئے اکثر ہی ایسا کرتے ہو۔۔۔ ان فیکٹ تمہیں جب بھی کوئی بات مجھ سے چھپانی ہوتی ہے تب ایسا کرتے ہو تم“ وہ ناراض سے لہجے میں بولی تھی۔

”نہیں یار۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ تم سے تو کچھ نہیں چھپاتا میں۔۔۔“ اتمش نے سر ہلایا اور اب کی بار کندھے بھی اچکائے تھے مگر انداز ایسا تھا جیسے اسے نہیں خود کو یقین دلا رہا ہو

”اچھا۔۔۔ پھر بتاؤ کیا سوچ رہے تھے؟“ زرین مکمل جرح کے موڈ میں تھی۔ اتمش چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہہ دیا تھا ”یار۔۔۔ دراصل۔۔۔ میں سونیا کی وجہ سے کچھ الجھا ہوا ہوں“ وہ اپنی بات مکمل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے مشورہ کرنا چاہتا تھا لیکن زرین نے اسکی بات کاٹ دی۔ اسے سونیا کے نام سے چڑھوئی تھی

”مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ مدعا یہی نکلے گا۔۔۔“ اس نے جھٹکے سے کرسی کی پشت سے اپنی پشت کو ٹکراتے ہوئے بل کر کہا تھا۔ اس نے اتمش کو بات مکمل کرنے ہی نہیں دی تھی۔ اتمش کو اسکا انداز کچھ عجیب لگا

”کیا مطلب۔۔۔؟“ وہ حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔ اس نے تو ابھی بات مکمل بھی ناکئی تھی اور زرین اسکا موقف سمجھ بھی گئی تھی۔ ”وہ لڑکی ہر وقت تمہارے حواسوں پر کیوں سوار رہنے لگی ہے اتمش“ وہ الزام دینے والے انداز میں بولی تھی۔

”مطلب کیا ہے تمہارا۔۔۔؟“ اتمش کو یہ بات سمجھ میں نا آئی تھی ”زرین نے بغور اسکا چہرہ دیکھا پھر کندھے اچکا کر بولی

”مطلب وہی ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔۔۔ پرسوں لنچ پر ملے تب بھی سونیا سونیا ہی کرتے رہے۔۔۔ فون پر بات کر تب بھی یہی پہاڑ سننے کو ملتا ہے۔۔۔ ہر وقت سونیا کے نام کا کلمہ کیوں پڑھتے رہتے ہو تم۔۔۔“ اتمش نے تردید کے انداز میں گردن ہلائی

”کلمہ تو اتمش صرف اللہ اور رسول کے نام کا پڑھتا ہے۔۔۔ مسلمان ہوں میں۔۔۔ اور۔۔۔“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ زرین نے اسکی بات کاٹ دی۔

”اتمش میری بات کو مذاق میں مت ٹالو۔۔۔ تمہیں احساس بھی ہے کہ مجھے یہ کتنا برا لگتا ہے“ اب کی بار اس کے لہجے میں دکھ تھا۔ اسکا رویہ بالکل فطری تھا۔ وہ اتمش کے لئے شروع سے بے حد پوزیسور ہی تھی۔ اسکی موجودگی میں اتمش کو کسی دوسری لڑکی کے متعلق سوچنے کا حق نہیں تھا جبکہ اتمش یہ بات سمجھتا نہیں تھا۔ زرین کو سونیا کے ذکر پر بے چینی ہی نہیں ہوتی بلکہ اسے غصہ آنے لگتا تھا

”اپنی بات کی مزید وضاحت کرو گی تم۔۔۔“ وہ ناراض ہوا تھا۔ زرین نے اسکے چہرے کی جانب دیکھا

”نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ بلکہ تم مجھے وضاحت دو کہ تم دونوں کے درمیان چل کیا رہا ہے۔۔۔ ہر وقت سونیا سونیا کرتے رہتے ہو تم

۔۔۔ اگر وہ اتنی ہی پسند ہے تمہیں تو بتائیوں نہیں دیتے صاف صاف" اس نے جل کر کہا تھا۔ التمش کی آنکھیں پھیل سی گئیں تھیں۔ یہ تو الزام تھا۔
 "وہ کزن ہے میری۔۔۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بزنس پارٹنر بھی ہے۔۔۔ ہم ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔۔۔ اسے ناپسند کروں گا ہی
 کیوں میں۔۔۔ اور اگر اس کے متعلق سوچ بھی لیا تو ایسی کوئی انہونی بات نہیں ہے" وہ نخوت سے بولا تھا۔

"مجھے مت بتاؤ کہ وہ تمہاری کزن ہے۔۔۔ مجھے تمہیں یہ یاد دلانے دو کہ یہ وہی کزن ہے۔۔۔ جس کے ساتھ تمہارے رشتے کی بات چل
 رہی تھی۔۔۔ اور جسے تم چارٹ دس انچ کہہ کر اسکا مذاق اڑاتے رہتے تھے۔۔۔ اور۔۔۔" وہ جتنا جتا کر بول رہی۔ التمش نے زچ ہو کر اسکی بات کاٹی تھی۔
 "تم یہ بات بھول کیوں نہیں جاتی۔۔۔ اچھا ہو گئی مجھ سے غلطی۔۔۔ مجھے نہیں مذاق۔۔۔" اب زرین نے اسکی بات کاٹ دی
 "دیکھا۔۔۔ دیکھا۔۔۔ کر لیا ہے نا تم نے اعتراف کہ تم سے غلطی ہوئی۔۔۔ تم اب پچھتا رہے ہو نا۔۔۔ مجھے پتا تھا۔۔۔ پتا تھا مجھے۔۔۔" وہ
 کرتی پر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ چہرے پر سخت بیزاری چھا گئی تھی۔

"یا خدا۔۔۔ ذرا سی بات کی بل گم بنالیتی ہو تم۔۔۔ میں مذاق اڑانے والی بات پر کہہ رہا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔۔۔ مجھے کوئی حق نہیں
 تھا اور نا ہے کسی کا مذاق اڑاؤں۔۔۔ مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔ اس متعلق بات کر رہا تھا میں۔۔۔" وہ بگڑ گیا تھا۔ زرین نے ذرا پرواہ ناکی۔
 "التمش۔۔۔ خدا را مجھے وضاحتیں مت دو۔۔۔ میرا دماغ پھٹنے لگا ہے۔۔۔ میں نہیں برداشت کر سکتی یہ سب۔۔۔ ہمارا ریلیشن شپ
 اب ان باتوں کی وجہ سے اتنا ڈسٹرب ہونے لگا ہے کہ ہم ہر وقت لڑتے رہتے ہیں۔۔۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا ہمارے درمیان میں۔۔۔ ہم
 ایسے تو نہیں تھے التمش۔۔۔" وہ رو ہانسی ہوئی تھی۔ التمش کا خفا سا چہرہ بھی ذرا معتدل ہوا تھا

"میں تو ابھی بھی ایسا نہیں ہوں زرین۔۔۔ میں تو ابھی بھی ویسا ہی ہوں جیسا تھا۔۔۔ تم بدل گئی ہو۔۔۔" اس نے جتا کر کہا۔ زرین
 چند لمحے گہری سانس لیتی رہی پھر اس نے کہا تھا

"کمیابی اچھا ہو کہ اگر ہم یہ الزام تراشیاں بند کر کے اس مسئلے کا کوئی حل نکال لیں۔۔۔ کوئی مستقل حل۔۔۔" وہ تجویز دے رہی تھی
 "مثلاً۔۔۔؟" التمش اتنا ہی کہہ رکھا۔ زرین نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا، دیکھتی رہی پھر اسکی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے
 قطعیت بھرے لہجے میں بولی

"چھوڑ دو یہ سب۔۔۔ سب کچھ۔۔۔" التمش کو حیرت کا جھٹکا لگا پھر وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر درنگی سے بولا
 "یہ ناممکن ہے۔۔۔ زرین کو اسقدر دو ٹوک جواب کی توقع نا تھی۔ وہ چند لمحے اسکی آنکھوں میں ہی دیکھتی رہی پھر وہ بھی التمش ہی
 کے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولی
 "ٹھیک ہے۔۔۔ پھر مجھے چھوڑ دو۔۔۔"

”مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے ماسٹر جی۔۔۔“ اصغر صاحب ان کے سامنے بیٹھے کہہ رہے تھے۔ وہ بالخصوص انکی دوکان پر اس طرح سے ملنے کبھی نہیں آئے تھے۔ ان کی طبیعت کچھ اچھی نہیں لگتی تھی۔

”جی جی کہیئے بھائی صاحب۔۔۔ میں سُن رہا ہوں۔۔۔“ ماسٹر جی بہنوئی کی بہت عزت کرتے تھے۔ انہوں نے سارا کام چھوڑ چھاڑ کر توجہ ان کی جانب مبذول کر لی تھی کہ انکا اس طرح سے دوکان پر آنا ثابت کرتا تھا کہ معاملہ کسی بنجیدہ نوعیت کا ہی ہوگا۔

”یہ بات ہمارے گھر کی خواتین کے درمیان بار بار شروع ہوئی اور بار بار ختم ہونی لیکن کچھ باتیں جو گھر کی خواتین شروع کرتی ہیں مگر پایہ تکمیل تک انہیں مرد ہی پہنچاتے ہیں۔۔۔ اسی طرح بہت سی باتیں ایک دم سے ہال کہہ دینے شروع نہیں ہو سکتیں۔۔۔ نا ہی ایک دم سے انکار کر کے انہیں ختم کیا جاسکتا ہے۔۔۔ یا آپ میرا موقف یوں سمجھ لیجئے کہ انہیں اس طرح ایک دم سے ختم نہیں ہونا چاہیئے“ وہ بہت رسانیت سے بات کر رہے تھے۔

”بات یہ ہے ماسٹر جی کہ میں ایسی دقیقانوسیت پر یقین نہیں رکھتا۔۔۔ بیٹیوں کے باپ کو بیٹیوں کے رشتے کی بات نہیں کرنا چاہیئے۔۔۔ کیوں نہیں کرنی چاہیئے۔۔۔ جب بیٹوں کے باپ سراٹھا کر یہ بات کر سکتے ہیں۔۔۔ تو بیٹی کا باپ کیوں نہیں کر سکتا۔۔۔ بیٹی پیدا کی ہے۔۔۔ کوئی گناہ تھوڑی کر لیا ہے؟“ اصغر صاحب کا لہجہ اتنا پُر اعتماد تھا کہ ماسٹر جی ڈمگا سے گئے۔ انہوں نے بہت تہذیب سے بہت طریقے سے بیان کرنا شروع کیا تھا۔ انہوں نے کوئی تمہید نہیں باندھی تھی بلکہ انہوں نے نہایت پُر اعتماد طریقے سے اپنا موقف پیش کرنا شروع کیا تھا۔ ماسٹر جی کو دل ہی دل میں بڑی شرمندگی ہوئی۔ یہ انکی کوتاہی تھی کہ ان کے بہنوئی کو یہ سب کہنا پڑ رہا تھا جبکہ وہ بناء کسی شرمندگی کے پُر وقار طریقے سے کہہ رہے تھے۔

”میں کچھ مرد و معاشرتی اصولوں کی پاسداری کو بالکل غلط سمجھتا ہوں ماسٹر جی۔۔۔ نکاح سنت نبوی ہے۔۔۔ اس سنت کو بہ احسن طریق ادا کرنے کے لئے لڑکے کا باپ سراٹھا کر گردن اکڑا کر بنا کسی جھجک کے ”بر“ مانگ سکتا ہے، اپنے بیٹے کا جوڑ تلاش کر سکتا ہے جبکہ لڑکی کا باپ یہی بات اسی انداز میں کرے تو اسے بے شرم اور بے غیرت سمجھنے لگتے ہیں لوگ۔۔۔ اچھا ٹھیک ہے سمجھتے رہیں۔۔۔ لیکن میں کسی جائز بات کو خواہ مخواہ اپنے لئے ناجائز نہیں قرار دے سکتا۔۔۔ اس لئے اگر میں اپنی بیٹی کے لئے آپ کے بیٹے کا رشتہ نہیں مانگ سکتا تو پھر میں نے مسلمان ہو کر کچھ نہیں سیکھا۔۔۔ میرے مذہب میں تو ایسی شاندار مثال موجود ہے کہ ایک بیوہ عورت فخر کے ساتھ اپنے رشتے کا پیغام خود بھجاتی ہیں اور دوسری جانب اسے فخر کے ساتھ قبول بھی کر لیا جاتا ہے۔ شادی ہو جاتی ہے۔۔۔ کوئی طعنہ دینے نہیں آتا، کوئی سوال نہیں کرتا، کوئی عمروں کے فرق پر بحث نہیں کرتا۔۔۔ کوئی جتا کر نہیں کہتا کہ نکاح کا پیغام مرد کی بجائے عورت کی جانب سے کیوں آیا۔۔۔ میرے پیارے نبیؐ اپنی مثال سے اپنی امت کے لئے مثال قائم کر دیتے ہیں اور چودہ سو سال بعد اسی امت میں یہ صورتحال ہے کہ نکاح کا پیغام دینا تو دور کی بات بیٹی کے باپ کے لئے بیٹی کے نکاح کا ذکر بر ملا کرنا بھی معاشرے میں باعث شرمندگی ہو جاتا ہے۔۔۔ بیٹی کا باپ اپنی

بیٹی کے رشتے کی بات کھل کر کرے تو لوگ مذاق اڑانے لگتے ہیں۔۔۔ اچھا بھئی ہوتا رہے جو ہونا ہے۔۔۔ میں نہیں مانتا اس اصول کو۔۔۔ مجھے آپکا بیٹا اپنی بیٹی کے لئے پسند ہے۔۔۔ میں اپنے منہ سے بے پناہ فخر کے ساتھ اپنی بیٹی کے رشتے کا پیغام آپ کے بیٹے کے لئے دیتا ہوں۔۔۔ آپ سوچ لیجئے۔۔۔ آپ کو یہ بات نہیں پسند تو آپکو پورا حق ہے کہ انکار کر دیجئے۔۔۔ واضح دو ٹوک جواب دے دیجئے لیکن خدارا یہ جو نال منوں تین چار سالوں سے لگا رکھی ہے آپ لوگوں نے۔۔۔ اسے بند کر دیجئے۔۔۔ میری بیٹی کا اعتماد مجروح ہوتا ہے اس سے۔۔۔ وہ دو ٹوک انداز میں کہہ رہے تھے۔ ماسٹر جی جیسے زمین میں گر کر رہ گئے۔ انہوں نے کبھی اپنے سامنے بیٹھے اس شخص کے متعلق نہیں سوچا تھا کہ وہ بھی ایک باپ ہے۔۔۔ ایک بیٹی کا باپ۔۔۔ وہ تو بس اپنے بیٹے کے متعلق ہی سوچتے آئے تھے۔ ان کو بے پناہ شرمندگی ہوئی۔ ان کے پاس کہنے کے لئے الفاظ ہی کم پڑ گئے تھے حالانکہ انہوں نے کبھی سونیا کا دل دکھانا چاہا تھا نا ہی اسکا اعتماد مجروح کرنا چاہا تھا مگر معاملہ بالکل الٹ ہو گیا تھا۔ انہیں وہ دن یاد آیا جب سایہ ہوال میں رات کو عطیہ نیگم سے اسی رشتے والی بات پر ناراض ہو کر وہ کمرے سے نکل کر صحن سے گزر رہے تھے تو انہوں نے التمش کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور انکا انداز یہ باور کروانے کو کافی تھا کہ دوسری جانب کوئی لڑکی ہی تھی۔ ان کے بیٹے کے انداز میں اس گھر کی بیٹی کے لئے اتنی تحقیر تھی کہ وہ کانپ کر رہ گئے تھے۔ انہیں بیٹے سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے بیٹے سے کبھی سخت لہجے میں بات نائی تھی مگر اس لمحے انکا دل چاہا کہ وہ اس کے منہ پر دو تھپڑ جوڑ دیں اور شاید وہ ایسا کر بھی گزرتے اگر انہیں یہ احساس نا ہو جاتا کہ ان کے عقب میں سونیا کھڑی تھی اور وہی باتیں جو اپنے بیٹے کے منہ سے بھانجی کے لئے سن کر ماسٹر جی شرمندہ ہو رہے تھے، وہی باتیں بھانجی جانے کب سے کھڑی سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شکوہ تھا۔۔۔ وہی شکوہ جو اگر ان کی بیٹی کی آنکھوں میں کبھی نظر آ جاتا تو شاید وہ مر ہی جاتے۔ ان کے بیٹے نے کل کی بچی کے سامنے انہیں کچھ کہنے کے قابل نا چھوڑا تھا۔ سونیا انہیں اپنی جانب دیکھتا پا کر بے کھ کچھ کہے اپنے کمرے کی جانب مڑ گئی تھی۔ یہ تھی وہ وجہ جس نے ماسٹر جی کو وہ سب کرنے پر مجبور کیا تھا جس کی وجہ سے آج انہیں اصغر صاحب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا تھا۔

وہ سونیا کے پیچھے اس کے کمرے تک گئے تھے۔ وہ رو رہی تھی۔ ماسٹر جی اس کے پاس جا بیٹھے تھے۔

”التمش تمہیں نا پسند ہے نا۔؟“ انہوں نے پوچھا نہیں تھا، انہوں نے کہا تھا۔ وہ جانتے تھے سونیا کو التمش نا پسند ہی ہے۔ اس نے

نفرت سے سر ہلایا تھا

”اس میں ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں کہ اسے پسند کیا جائے۔۔۔ آپ نے اپنے بیٹے کی تربیت بالکل اچھی نہیں کی۔۔۔ وہ گلو گیم

لہجے میں شکوہ کر رہی تھی۔ ماسٹر جی نے تائید میں سر ہلایا تھا

”مجھے احساس ہے۔۔۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا کیا۔۔۔ میرا مطلب ہے کوئی تدبیر جو میرے بیٹے کو راہ راست پر لے آئے۔ وہ الٹا

اُسی سے پوچھ رہے تھے۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ یہ بالکل ماموں بھانجی کی محبت بھرے انداز میں کی گئی باتیں تھیں۔ وہ بچپن میں بھی انہیں اس طرح سے ناصرؔ اتمش کی بلکہ اپنی بہنوں کی شکایتیں بھی اسی انداز میں کیا کرتی تھی۔ ان کے اس طرح سے کہنے پر اس نے طنزیہ انداز میں انکی جانب دیکھا تھا۔ وہ فوراً شرمندہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے بولے

”اکھوتی اولاد سے محبت نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔۔۔ اسی لئے بس کبھی سمجھائی نہیں پایا اسکو۔۔۔ ویسے دل کا بڑا نہیں ہے میرا بیٹا۔۔۔“ ان کے لہجے میں محبت کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی تھی۔ اس نے سر جھٹکا

”رہنے بھی دیں۔۔۔ آپکا بیٹا ہے۔۔۔ وہ بھی اکھوتا۔۔۔ کچھ کھوگئی تو بڑا امان جائیں گے آپ“ وہ سائیڈ ٹیبل پر پڑے ٹشو کے ڈبے سے ٹشونکا لےتے ہوئے بولی تھی۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔ دل کا واقعی بڑا نہیں ہے۔۔۔ ہاں زبان کچھ تلخ ہے“ ماسٹر جی شرمندگی سے کہہ رہے تھے۔ وہ اپنے پیٹے کے بڑے رویے کا زالہ کرنے آئے تھے اور وہی کر رہے تھے۔

”کچھ تلخ نہیں۔۔۔ بہت زیادہ تلخ۔۔۔ اور یاد رکھئے گا کہ تلخی کو ماپنے کا کوئی آلہ ابھی تک ایجاد نہیں ہوا ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی ایک بات حتمی ہے کہ یہ اگر زبان میں ہو تو“ چٹکی“ بھر بھی پورا بندہ جلا کر سیاہ کر دیتی ہے۔۔۔ یہ آپ کے پیٹے کی زبان کی تلخی کی وجہ سے ہوا ہے کہ میں سلگتا ہوا کوندہ بنی ہوئی ہوں اس وقت۔۔۔“ وہ بے حد ناراض لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”اس کی طرف سے میں معافی مانگ لیتا ہوں“ ماسٹر جی نے کہا تھا۔ ایسے جیسے بچوں کو بہلانے کے لئے بڑے کانوں کو ہاتھ لگا کر بلا وجہ سوری بول دیتے ہیں۔ سونیا نے سر جھٹکا تھا

”اوہو۔۔۔ یہ اپنے زمانے کی فلموں والے ڈائلاگز مت بولیں آپ۔۔۔ آجکل ایسا کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ اس زمانے میں غلطی کرتا ہے، معافی بھی اسے ہی مانگنی پڑتی ہے اور ویسے بھی آپکو یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ آپ کے پیٹے کو معاف نہیں کرونگی میں۔۔۔“ وہ قطعیت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ماسٹر جی نے اسکی جانب دیکھا۔

”اچھا۔۔۔ تو پھر۔۔۔ یعنی۔۔۔“ انہوں نے استقبالیہ انداز میں اسے دیکھا تھا۔ وہ اسکا لائحہ عمل جانچنا چاہ رہے تھے۔

”یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔۔۔ آپ کی تربیت میں جو خامیاں ہیں نا، ان سب کو سدھار کر دم لوں گی میں۔۔۔ لیکن کہیں لکھ کر رکھ لیں۔۔۔ آپکا یہ بیٹا آج چار فٹ دس انچ کہہ کر جس کی تذلیل کر رہا ہے نا۔۔۔ کل اسی چار فٹ دس انچ کے سامنے سر اٹھا کر بات کرتے ہوئے دو سوم تہہ سو جا کرے گا۔“ وہ انہیں چیلنج کر رہی تھی۔ ماسٹر جی کچھ نہیں بولے تھے لیکن وہ یہ بات ضرور جانتے تھے کہ اس بچی نے آج تک جس کام کو کرنے کی ٹھانی تھی، اسے کر کے ہی دم لیا تھا۔ اسی لئے جب سونیا یکدم کراچی سے ساہیوال ان کے یہاں آکر ٹھہرنے پر راضی ہو گئی تھی تو وہ بالکل حیران نہیں ہوئے تھے۔ ایک وہی تھے جو جانتے تھے کہ یہ سب عطیہ نیگم کی وجہ سے ہوا تھا نا مہناز نیگم کی وجہ سے۔ بلکہ یہ سونیا کی

اپنی مرضی، منشا اور منصوبہ بندی کے تحت ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس بات سے انکاری رہے تھے کہ سونیا التمش میں دلچسپی رکھتی ہے۔ انہیں لگتا تھا کہ سونیا ان کے بیٹے سے محبت نہیں کرتی ہے اور اگر زمین نا بھی واپس آتی تب بھی انہیں یقین تھا کہ وہ سونیا التمش سے دوستی تو کر سکتی ہے لیکن شادی نہیں مگر اصغر صاحب کے اس دو ٹوک انداز نے انہیں باور کروا دیا تھا کہ وہ خدشہ جس کا اظہار عطیہ بیگم ان کے سامنے کرتی رہیں ہیں وہ سچ ثابت ہو گیا تھا۔

”سونیا شاید التمش میں واقعی دلچسپی لینے لگی ہے“۔ انہوں نے سوچا تھا

”آپکی خاموشی نے مجھے جواب دے دیا ہے ماسٹر جی۔۔۔ لیکن مجھے اچھا لگتا اگر آپ سراٹھا کر انکار کرتے۔۔۔ میری قابل بیٹی کے رشتے کو رد کرتے ہوئے آپکے جھگے ہوئے سر نے ثابت کر دیا ہے کہ ایسا کرنے سے خسار آپ ہی کے حصے میں آیا ہے“ اصغر صاحب بہت تلخ ہو گئے تھے۔ ماسٹر جی نے ان کی جانب دیکھ کر تردیدی انداز میں گردن ہلائی تھی

”نہیں۔۔۔ ماسٹر غلام حسین خاراؤں پر یقین نہیں رکھتا۔۔۔ سونیا میری بیٹی ہے۔۔۔ اور میری ہی بہو بنے گی۔“ ماسٹر جی قطعیت سے بولے تھے۔ وہ کہانی جو انہوں نے شروع کی تھی ختم بھی انہیں ہی کرنی تھی۔ اصغر صاحب کے چہرے پر اطمینان اُتر آیا تھا۔ وہ پہلے ذرا سا اور کچھ ٹھل کر مسکرائے تھے۔

”چلیں اب ذرا اچھی سی چائے پلوائیں اور چلیبی کھلائیں جس کی تعریف کرتے رہتے ہیں آپ“ وہ ایسے بولے تھے جیسے پہلے والی گنجی ساری باتیں اور انکی تلخی درمیان میں آئی ہی نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔۔۔ ذرا میرے کمرے میں آؤ۔“ ماسٹر جی نے اسے اپنے کمرے میں بلوایا تھا وہ آج بیٹے سے دو ٹوک بات کرنا چاہتے تھے۔ التمش کو پہلے کبھی انہوں نے اس طرح اپنے کمرے میں نہیں بلوایا تھا

”جی کہیئے۔۔۔“ وہ کچھ دیر بعد ہی ان کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

”تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے پُتر جی۔۔۔ کیا کرنا چاہتے ہو اپنے ساتھ۔۔۔“ وہ پوچھ رہے تھے۔ انکا ایسا سنجیدہ انداز بھی التمش کے لئے نیا ہی تھا۔

”کیا مطلب۔۔۔“ وہ نا سمجھی کے سے عالم میں پوچھنے لگا۔

”دیکھو پُتر جی۔۔۔ بات یہ ہے کہ میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے اپنی بہن کی بیٹی کے ساتھ۔۔۔ ارادہ یہ ہے کہ اسی سال ذرا موسم مزید ٹھنڈا ہو لے تو خیریت سے بہو گھر لے آئیں۔۔۔ بس میں یہی رائے لینا چاہ رہا تھا کہ شیروانی میرے ہاتھ کی پہننی ہے یا خود ہی مل جل کر بنا لو گے۔؟“ ماسٹر جی نے اس کے چہرے پر لمحہ لمحہ بدلنے والے تاثرات کو یکدم نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کر لی تھی۔ التمش

چند لمحے تو خاموشی سے بیٹھارہا جبکہ ماسٹر جی سوچ رہے تھے وہ کچھ بولے، کہے گا، اپنے اعتراضات جمع کروائے گا لیکن وہاں تو مکمل خاموشی تھی۔

”کیا سوچنے لگے پُتر جی۔۔؟“ انہوں نے اسے خاموش دیکھ کر سوال کیا تھا۔ اس نے سر اٹھایا

”یہی سوچ رہا ہوں کہ شروانی تو آپ کے ہاتھ کی ہی پہننی چاہیے۔۔۔ اب اپنی شادی کی شروانی بھی خود سلائی کرتا اچھا لگوں کیا کیا۔۔۔ میں نے ایک دو ڈیزائن بنا کر رکھے ہوئے ہیں۔۔۔ دکھاؤں آپ کو۔۔۔؟“ وہ پرجوش لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ماسٹر جی نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ دل ہی دل میں حیران ہو رہے تھے اور سمجھنا پارہے تھے کہ وہ اداکاری کر رہا ہے یا سچ کہہ رہا ہے۔ انہوں نے تو لمبی چوڑی جرح کی تیاری کر رکھی تھی جبکہ وہ تو بناء جرح کے ہی ہر فیصلہ ماننے کو تیار ہو گیا تھا۔ وہ دامنٹ میں ہی اپنے ڈیزائن لے کر واپس آ گیا تھا۔

”لال پٹلی شروانی نہیں پہنوں گا میں۔۔۔ شروانی تو سیاہ ہی چمکتی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔۔۔؟“ کرافٹ بک ان کے سامنے کرتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔ ماسٹر جی نے پسندیدگی سے سر ہلایا پھر سائیڈ ٹیبل پر پڑی اپنی عینک ناک پر ٹکا کر اسکے ڈیزائنز کو بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

”مجھے کوئی فلمی سین نہیں چاہیے پُتر جی۔۔۔ جو بات ہوگی اسی کمرے میں ہوگی۔۔۔ دوبارہ میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کروں گا۔۔۔ اسلئے شروانی ہی نہیں مہربانی بھی درکار ہے آپ کی۔۔۔“ وہ اسکی جانب دیکھے بناء کہہ رہے تھے۔ سارا دھیان اس کے بنائے ڈیزائن میں تھا۔ آتمش نے انکی جانب دیکھا پھر سر ہلا کر بولا۔

”آپ کو زبان دی ہے ماسٹر جی۔۔۔ زبان سے پھر نا آتمش کو سمجنا نہیں ہے۔۔۔ آپ میری فکر نا کریں۔۔۔ وہ دبئی چلی گئی ہوئی ہے“ اس نے نام لئے بناء زمین کے متعلق بتایا تھا۔ چہرے پر دکھ تو تھا لیکن ملال نہیں تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کبھی اپنے فیصلے سے پھرنے والا نہیں تھا۔

دل ٹوٹ گیا تھا عزم سلامت تھا۔۔۔ دکھ باقی تھا، ملال کا نام و نشان نہیں تھا۔ فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ ماسٹر جی کے چہرے پر بشارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے اس سے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ انہوں نے زمین کے متعلق بھی نہیں پوچھا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ ان کے بیٹے نے اگر ”ہاں“ کہہ دیا ہے تو پھر اب وہ ”نا“ نہیں کہے گا۔ یہی فرق تھا ان میں اور عطیہ بیگم میں۔۔۔ وہ بیٹے کو ایک ہی بات بار بار کہہ کر ہلان ہوتی رہتی تھیں جبکہ ماسٹر جی ایک ہی بار کہتے تھے اور آتمش کی مجال نہیں تھی کہ ان کی کبھی بات کو ٹال دیتا۔

☆.....☆.....☆

”آر یو شور۔۔۔؟“ آتمش اسکی بات سُن کر بھونچا رہ گیا تھا مگر ضبط کا دامن ہاتھ سے پھسلنے نہیں تھا اس نے۔۔۔ زمین چند لمحے کچھ نہیں بولی پھر جب بولی تو وہ خود بھی زیادہ خوش نہیں تھی۔

”اتمش یہ سب میری برداشت سے بہت زیادہ ہے۔۔۔ مجھے وہ لڑکی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔۔۔ میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہی لیکن اسے اس طرح ساری زندگی برداشت کرنا بھی ممکن نہیں ہے میرے لئے۔۔۔“ وہ چونکہ اب رسانیت سے بات کر رہی تھی تو اتمش کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا تھا

”تم کسی اور طرف چل نگی ہوزرین۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو۔۔۔“

”تمہیں کیا پتا اتمش! میں کیا کیا سوچ رہی ہوں۔ میری نیندیں اڑی ہوئی ہیں ان سب باتوں کی وجہ سے۔۔۔ میں بہت تکلیف میں ہوں۔۔۔ تم اس لڑکی کو بہت زیادہ اہمیت دینے لگے ہو“ زرین کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اتمش نے اسکا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”زرین۔۔۔ یہ میرا بزنس ہے۔۔۔ میرا ذریعہ معاش۔۔۔ اور سونیا میرے ساتھ کام کرتی ہے۔۔۔ وہ ایک بہترین ڈیزائنر ہے۔ اسکو مجھ سے بہتر کلائنٹ ڈیٹنگ آتی ہے۔۔۔ اور پھر وہ میری کزن ہے۔۔۔ وہ خوش مزاج ہے۔۔۔ میں بس اسکی انہی چیزوں کا معترف ہوں۔۔۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔ تم کیا چاہتی ہو صرف تمہیں راضی کرنے کے لئے میں اسے برا کہتا رہوں“ اتمش کو خود سمجھ نہیں آیا تھا کہ اسے کس طرح مطمئن کرے۔ زرین نے نگاہیں اٹھا کر اسکی جانب دیکھا

”اتمش تم یہ کام ہی چھوڑ دو۔۔۔ مجھے تو ویسے بھی یہ سب پسند نہیں ہے۔۔۔ تم نے میری ماما کی ضد میں شروع کیا تھا ناسب۔۔۔ اب تو وسب ٹھیک ہو گیا ہے۔ وہ خوش ہیں تم سے بھی اور تمہاری فیملی سے بھی۔۔۔ اب ہمیں اپنی فیملی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ تم چھوڑ دو یہ تھرڈ ریٹ کام۔۔۔ ہم کچھ اور کر لیں گے۔۔۔ کچھ بہتر۔۔۔ میں تمہیں اسپانسر کر دوں گی“ وہ کہہ رہی تھی۔ اتمش نے یکدم اسکا ہاتھ ہاتھ چھوڑ دیا

”تم مجھے بچہ جمورا سمجھتی ہو۔۔۔ کہ بس ڈگڈگی بجا کر کہا کہ بچہ جمورا اگھوم جا اور بچہ جمورا اگھوم گیا۔ میں نے گزشتہ تین سالوں میں جتنی محنت کی ہے نا اتنی محنت اپنی ساری زندگی میں نہیں کی۔۔۔ اور یہ میں نے صرف تمہارے لئے کیا۔ تاکہ تم خوش ہو سکو۔۔۔ میں نے اپنی فیملی کے خوف سے یہ سب نہیں کیا تھا کیونکہ میری فیملی تمہیں ہر حال من قبول کرنے کو تیار تھی۔۔۔ یہ سب تمہاری فیملی کا کیا دھرا ہے۔۔۔ اتنا سب کر کے بھی میں تمہیں خوش نہیں کر پایا“ وہ مزید کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن زرین نے اسکی بات کاٹ دی

”میں خوش ہوں اتمش۔۔۔ تم اب ایک کامیاب انسان ہو۔۔۔ مجھ سے زیادہ اس بات کی کسے خوشی ہو سکتی ہے۔۔۔ لیکن“ اتمش کو اس بات کا یقین نہیں آیا تھا

”لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ لے۔۔۔ کن۔۔۔ ہمارے درمیان اس“ لیکن کی گنجائش کبھی ختم نہیں ہوگی۔۔۔ تم کبھی ختم ہونے ہی نہیں دو گی۔۔۔ کیونکہ تم اگر واقعی خوش ہوتی تو یہ سب نا کہہ رہی ہوتی جو اب کہہ رہی ہو۔۔۔ اگر تم واقعی خوش ہوتی تو یہ شرطیں نا کہہ رہی ہوتی میرے سامنے۔۔۔ تم یہ کرلو تو میں تمہاری۔۔۔ تم وہ کرلو تو میں تمہاری۔۔۔ میں کتنا کروں تمہارے لئے۔۔۔ تمہیں خوش کرتے کرتے اس مقام تک آسکیا ہوں مگر تمہارے، مطالبات و ہیں کے ویں قائم و دائم ہیں۔۔۔ لیکن اب نہیں زرین۔۔۔ اب نہیں۔۔۔ یہ میری بھی انا کا مسئلہ ہے۔۔۔ میں

اب نہیں بدل سکتا۔۔۔ میں جیتا جاگتا انسان ہوں۔۔۔ لیبارٹری میں پڑا کیمیکل تو نہیں ہوں کہ نیلا تھو تھا ڈالو اور نیلا کرلو۔۔۔ ہائیڈروکلورک ایسڈ ڈالو اور واپس پیلا کرلو۔۔۔ تمہیں میری ضرورت ہے، اگر واقعی مجھ سے محبت ہے تو پھر مجھے ایسے ہی قبول کرلو۔۔۔ باقی تمہاری مرضی۔۔۔ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ زرین چند لمحے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھینچتی رہی

”محبت کی تو بات ہی نا کرو التمش۔۔۔ محبت تو ہے۔۔۔ محبت تو رہے گی۔۔۔ لیکن۔۔۔“ وہ پھر چپ ہو گئی۔ التمش سوالیہ انداز میں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”میں اس لڑکی کو بھی برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔ تم اگر یہ کام نہیں چھوڑنا چاہتے تو اس لڑکی کو ہی چھوڑ دو۔۔۔ اپنا بزنس الگ کرلو۔۔۔ اپنی بوتیک کہیں اور بنالو۔۔۔ روپے کی فکر مت کرو التمش۔۔۔ بس تم اس سے الگ ہو جاؤ۔۔۔ میں تمہیں اسپانسر کر دوں گی“ وہ منت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔ التمش کو سخت بُرا لگا

”زرین۔۔۔ وہ محسن ہے میری۔۔۔“ زرین نے اسے دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں جتنا ہی ہوئی سرد مہری تھی

”شکر ہے تم نے یہ نہیں کہا کہ وہ محبت ہے تمہاری۔۔۔“

”محبت صرف تم سے ہے ڈیم اٹ۔۔۔ صرف تم سے۔۔۔ بار بار ایک ہی بات کہہ کر میری انسٹلٹ مت کرو“ وہ غرا کر بولا تھا اسکی آواز قدرے اونچی ہو گئی تھی۔ زرین چند لمحے ساکت نگاہوں سے اسکی جانب دیکھتی رہی

”ہا پیر ہونے سے مسئلے کا حل نہیں ملے گا التمش۔ تمہارا ہا پیر ہونا ہی تو جتنا ہا ہے مجھے کہ اس لڑکی کے لئے بھی تمہارے دل میں کچھ فیلنگز ہیں۔۔۔ مجھے الجھن ہوتی ہے جب تم اسکی فیور کرتے ہو۔۔۔ اسے بار بار اچھا کہتے ہو“ زرین کی آواز میں پستی تھی۔ التمش کا دل چاہا کہ چکر اسکی بات سے انکار کر دے مگر اسکا دل راضی نا ہوا تھا۔ وہ سونیا کی جانب بھی ہنکتا تھا۔

”وہ ہے ہی اچھی۔۔۔ میں اسے بُرا کہوں گا ہی کیوں۔۔۔ کیسی باتیں۔۔۔“ اس نے کچھ کہن اچھا تو زرین نے نفی میں سر ہلایا

”یہی تو برداشت نہیں ہوتا مجھ سے۔۔۔ التمش تم تحمل سے سوچو۔۔۔ تمہیں انتخاب کرنا ہو گا۔۔۔ میں یا محراب۔۔۔“ وہ کتنی ظالم لگی تھی اس لمحے التمش کو۔۔۔

”میں یا محراب۔۔۔؟“ وہ دہرا رہی تھی۔ التمش نے ناراض ہو کر اسکی جانب دیکھا

”اس سے الگ ہو جاؤ التمش۔۔۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ التمش کی الجھن بڑھ رہی تھی۔

”یہ فلم نہیں ہے زرین۔۔۔ تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔۔۔ وہ میری محسن بھی ہے۔۔۔ اپنا سب چھوڑ چھا میری خاطر یہاں تک آئی ہے۔۔۔ اس سے الگ ہو جانا ممکن نہیں ہے۔“ وہ جھنجھلا کر بولا تھا۔ دل یہ سوچ کر ہی بھڑکنے لگا تھا کہ زرین اسے سونیا سے الگ ہو جانے کی تلقین کر رہی تھی۔

”میں یا مہراب۔۔۔؟“ زمین نے دوبارہ سوال دوہرایا تھا۔ آتمش نے میز پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا۔ وہ اسی کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی

”میں اگر کہوں کہ مہراب۔۔۔ تو۔۔۔؟“ آتمش کی نگاہیں سفائی اگلنے لگی تھیں۔ زمین نے گہری سانس بھری۔ اسکی آنکھیں ڈبڈباسی گئی تھیں

”تو پھر میرے پاس کہنے کے لئے کیا بچ جاتا ہے آتمش۔۔۔ تم اگر مہراب کو چُن لو گے تو میری گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔۔۔ میں چھوڑ دوں گی تمہیں۔۔۔ مجھے ایسے پیٹ کی ضرورت نہیں ہے جو اپنی ترقی کے لئے کسی چارٹ دس انچ کی گڑیا کا محتاج ہو۔۔۔ مئی ٹھیک کہتی ہیں۔۔۔ چھوٹے لوگوں کی اولاد میں، چھوٹی ہی ہوتی ہیں۔۔۔ ان سے زیادہ کم ظرف کوئی اور نہیں ہوتا۔“ وہ گلو گھر لہجے میں بھی اپنا غرور چھپا نہیں پائی تھی۔ آتمش کا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحے تو خاموش ہی رہا پھر اس نے بیٹھے بیٹھے ہی اپنی کرسی کو پیچھے گھسنا تھا

”مجھے افسوس ہے گا ساری زندگی کہ میں نے تم سے محبت کی۔۔۔ اپنا قیمتی وقت تم پر ضائع کیا۔۔۔ تم میرے لائق تھی ہی نہیں۔۔۔ اور کبھی ہو بھی نہیں سکتی۔۔۔“

وہ وہاں سے تواتھ کر آ گیا تھا مگر ذہن میں کہیں یہ بات موجود تھی کہ سب ٹھیک ہو جائیگا لیکن زمین کا مطالبہ اپنی جگہ موجود رہا تھا۔

”اگر سونیا عرف مہراب سے الگ ہو جاؤ تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے“ وہ فون پر اس سے کہتی رہی تھی لیکن آتمش نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔

”آتمش کہتے ہیں مجھے۔۔۔ احسان فراموشی نہیں سمجھتی مجھ پر۔۔۔“ وہ واقعی مہراب سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سوچ کر اسے بے چینی ہونے لگتی تھی۔ اس دن کے کچھ دن بعد زمین اسے بتائے بناء پھر دبئی چلی گئی تھی لیکن حیرت والی بات یہ تھی کہ آتمش کو اس کے جانے کا دکھ ہوا تھا مگر افسوس نہیں ہوا تھا۔ اسے براق سے زمین کے چلے جانے کا پتا چلا تھا لیکن وہ بے چین نہیں ہوا تھا۔ وہ واقعی ال کو مہراب سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ ”المہراب“ میں ہی نہیں مہراب میں بھی اس کا دل اٹک گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”یہ کیا بکو اس ہے۔۔۔؟“ وہ اس کے سامنے کھڑی چلا کر پوچھ رہی تھی۔ ان کی ورکشاپ کی اچھی بات یہ تھی کہ یہاں سے آواز باہر نہیں جاتی تھی۔ آتمش نے سیاہ کپڑا سا منہ پھیلا رکھا تھا جب سونیا ورکشاپ آئی تھی۔ اسے یقیناً اس کے والدین نے اس متعلق بتا دیا تھا جب ہی وہ اس قدر سنج پا ہو رہی تھی۔

”مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ سب سے پہلے تمہیں ہی اعتراض ہوگا۔۔۔“ وہ اطمینان سے بولا تھا۔

”یہ میری زندگی کا فیصلہ ہے۔۔۔ اعتراض بھی میں ہی کرونگی نا۔۔۔“ وہ اسی انداز میں بولی تھی۔ آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں آتمش نے ایک نظر اسکی جانب دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑا سیاہ کپڑے کا کونایتھے میز پر رکھ دیا۔

”کرلو اعتراض۔۔۔ تمہیں اس کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے اب ہر وقت یہی سب ہوتا رہے گا میری زندگی میں۔۔۔“ وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے کسی تیسرے شخص کی بات ہو رہی ہو

”بکومت۔۔۔ تم سب لوگ مل جل کر جو کر رہے ہونا۔۔۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گی“ وہ غرائی تھی

”اچھا بابا۔۔۔ ناراض کیوں ہوتی ہو۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ نہیں بناتا سیاہ شیروانی۔۔۔ تم بتاؤ پھر کس رنگ کی چچے گی مجھ پر۔۔۔ ایک تو یہ بڑا مسئلہ ہے۔۔۔ اب ساری زندگی تمہاری پسند کے کپڑے پہننے پڑا کریں گے مجھے“ وہ مصنوعی ناراض لہجے میں بولا تھا۔ سونیا اس کے قریب آئی تھی

”ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔ کبھی نہیں“ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ التمش نے بھی اسکے چہرے کو بغور دیکھا

”سچ کہہ رہی ہو۔۔۔ بعد میں مگر تو نہیں جاؤ گی نا“ اب وہ بھی اسکی آنکھوں میں جھانکنا چاہتا تھا لیکن اس نے نظریں پھیل لیں

”میں التمش نہیں ہوں۔۔۔ یہ روز روز فیصلے بدلنے والے کام نہیں کرتی میں۔۔۔ تمہاری کامیابی نہیں ہوں میں۔۔۔“ وہ بولی تھی

”التمش نے گہری سانس بھری پھر اطمینان سے بولا

”شکر ہے۔۔۔ ورنہ میرا سب سے بڑا خدشہ یہی تھا کہ شادی کے بعد تم مجھے مجبور کیا کرو گی کہ صرف تمہاری پسند کے رنگ اور کپڑے پہنا کروں“

”کون سی شادی۔۔۔ کس کی شادی۔۔۔ بند کر دے کو اس۔۔۔ کوئی شادی وادی نہیں ہو رہی۔۔۔“ وہ پھر سچ پتا ہو کر بولی تھی۔ اسے اسکی امی نے رات ہی بتایا تھا کہ ماسٹر جی باقاعدہ پر پوزل لے کر رات کے کھانے پر آرہے ہیں تو تب ہی اس کا پارہ ہائی ہونے لگ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی گردش کیا تھا کہ زرین نے ایک بار پھر التمش کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔ اسے بہت ہتک کا احساس ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ التمش کے لئے سینڈ چوائس تو رہی ہی تھی لیکن اس کو سب بزرگوں سے بھی سخت گلہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ٹیم کے بارہویں کھلاڑی کے طور پر پولین سے جب چاہے جس وقت چاہے بلائے جانے والی اس ری پلیسمنٹ پالیسی کے تحت استعمال کی جا رہی تھی۔ یہ خیال ہی اسے تاؤ دلانے کو کافی تھا۔

”سوچ لو۔۔۔ یہ آفر صرف محدود مدت کے لئے ہے۔۔۔ التمش ایک ہی ہے۔۔۔ بعد میں پچھتانے سے اچھا ہے ابھی ہی سوچ لو

۔۔۔ بعد میں اتنا اچھا پیس غزدہ غریب سننے پر صرف فلموں میں ہی واپس ملا کرتا ہے“ اطمینان التمش کے چہرے پر چھلک رہا تھا۔ سونیا کے چہرے پر انتہائی خشکی کے تاثرات ابھرے

”التمش ایک ہی ہے تو سونیا بھی ایک ہی ہے۔۔۔“ وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔ چہرہ غصے کی وجہ سے لال ہوا جا رہا تھا۔

”ایک بھی کہاں ہے۔۔۔ سونیا تو آدھی پونی سی ہے۔۔۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔ سونیا کی برداشت یہیں تک تھی۔

”آدھی ہو یا پونی۔۔۔ ایک بات یاد رکھو التمش۔۔۔ سونیا تمہارے لئے نہیں ہے۔۔۔ میں کسی کا پھیلا یا ہوا کچرا سمیٹنے کی قائل نہیں ہوں۔۔۔“ وہ غصے میں سب ادب آداب بھول گئی تھی۔ التمش نے ایک نظر اسکی جانب دیکھا

”یہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا چارٹ دس انچ۔۔۔ لیکن معاف کیا۔۔۔ تم سے نئی نئی رشتے داری ہونے جا رہی ہے۔ اس خوشی میں معاف

کیا تمہیں۔۔ حیرانی والی بات یہ تھی کہ ہمتش کو غصہ نہیں آ رہا تھا جیسے اسے یقین تھا کہ سونیا اسی رویے کا مظاہرہ کرے گی اور وہ ہنسی خوشی یہ سب برداشت کرنے کو تیار تھا

”کوئی رشتہ داری نہیں ہو رہی تم سے میری۔۔ تمہیں ہمیشہ میری یاد زرین کے جانے کے بعد آتی ہے۔۔ جب وہ تمہیں دھتکار کر چلی جاتی ہے تو اپنے دکھ روئے کے لئے تم میرے پاس آ جاتے ہو۔۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہمیشہ میں آنسو پونچھنے والی مشین کیوں بنوں۔۔ جاؤں تم بس یہاں سے اور سب کو بتاؤ کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔۔ میرے گھر والوں کو بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی۔۔ وہ بے حد ناراض تھی۔ اسے التمش سے محبت تو تھی لیکن یہ انا پر پڑے والی کاری ترین ضرب تھی کہ زرین کے منظر سے ہٹے ہی وہ التمش کو نظر آتی تھی۔ اسکی موجودگی میں وہ سب بھول جایا کرتا تھا۔۔

”اچھا ٹھیک ہے۔۔ میرا کیا ہے۔۔ میں تو کہہ ہی دوں گا۔۔ لیکن وہ سب میری بات مان لیں گے اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔۔ کیونکہ سب کو یقین ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو“ وہ اسے چڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔ سونیا کی آنکھیں پھیل سی گئی تھیں

”تم سے محبت۔۔؟ شکل دیکھی ہے اپنی۔۔ نہیں دیکھی تو وہ دیوار پر آئینہ لگا ہے۔۔ وہاں جا کر غور سے دیکھو۔۔ تم سے محبت کرونگی میں۔۔ وہ نہایت حقارت بھرے انداز میں بولی تھی۔ التمش اگر اس سے معافی مانگ کر ایک بار اسے تسلی دلا دیتا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے تو شاید وہ سب بھول ہی جاتی لیکن اب التمش کا رویہ اسے مزید دکھ بھی دے رہا تھا اور غصہ بھی دلا رہا تھا۔

”محبت نہیں کرتی ہو تو پھر سایہ وال سے کراچی کیوں آ گئی تھی میرے پیچھے۔۔ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کرتا تھا جبکہ وہ اسکی جانب دیکھے بنا جواب دیتی تھی۔ اس بات نے بھی اسے سنج پاء کر دیا تھا

”تمہارے پیچھے آئی تھی میری جوتی۔۔“ وہ چبا کر بولی تھی

”یا خدا۔۔ جوتی اکیلی تو نہیں آ سکتی تھی۔۔ تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ تم ساتھ آئی تھی اس کے“ التمش کے پاس ہر بات کا جواب ہی ہوتا تھا۔ سونیا چند لمحے کئے لئے خاموش سی ہو گئی۔ التمش اسکی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے سر اٹھایا تو ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”اونہ۔۔“ سونیا اس کی حرکات سے خائف ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ یہ معاملہ ایسے حل ہونے والا نہیں تھا۔

”التمش نے واٹر ڈسپینسر سے پانی کا گلاس بھر اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل آ بیٹھا۔

”میں اتنا ہی بُرا ہوں کیا کہ تم یہ اعتراف بھی نہیں کر سکتی کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو“ وہ ملائمت بھرے لہجے میں پانی اسے تھماتے ہوئے سوال کر رہا تھا۔ سونیا کے حلق میں غصے سے بول بول کر کانٹے اُگ آئے تھے۔ اس نے ایک ہی سانس میں پانی کا گلاس چوڑھایا پھر خالی گلاس واسے واپس کرتے ہوئے کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ التمش نے اسکی بات کاٹ دی

”اچھا بابا۔۔ تمہاری جوتی ہی کرتی ہوگی محبت مجھ سے۔۔ ایک تو یہ جوتی ہماری جان کو آ گئی ہے۔۔ چھوڑو اس مہارانی کو۔۔ تم

میری بات سنو! اس نے گلاس عقب میں پرے میز پر رکھتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ اس کے اس طرح کہنے پر سونیا کو ہنسی تو آئی لیکن پھر بھی اسکی خفگی قائم تھی۔

”میں نہیں جانتا مجھے تم سے محبت ہے یا نہیں۔۔۔ لیکن مجھے تمہاری عادت ہو گئی ہے۔۔۔ اتنی عادت کہ تمہارے پاس نا ہونے کا سوچ کر ہی سانس رکنے لگتی ہے میری۔۔۔ تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی یہ خیال ہی روح کھینچنے لگتا ہے میری۔۔۔ میں اتنا عادی ہو چکا ہوں تمہارا کہ تمہارے بناء رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔۔۔“ وہ اتنے نرم لہجے میں بولا تھا کہ سونیا کا دل پگھلنے لگا تھا۔ اس نے سونیا کا ہاتھ تھامنا چاہا لیکن سونیا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا تھا

”میری عادت ہو گئی ہے لیکن محبت تو اس زمین سے ہی ہے نا۔۔۔؟“ وہ چمک کر بولی تھی۔ التمش نے سر کھجایا

”عادت کو ہلکا لے رہی ہو تم چار فٹ دس انچ۔۔۔ عادت تو محبت سے بھی زیادہ مہلک ہوتی ہے۔۔۔ یقین کرو میں نے سگریٹ کی خاطر لوگوں کو پکپکن کی محبتوں کو چھوڑتے دیکھا ہے۔۔۔ لوگ طلاقیں دے دیتے ہیں لیکن منہ کو لگی سگریٹ کو نہیں چھوڑ پاتے“ وہ اپنے مخصوص نیم سنجیدہ انداز میں وضاحت کر رہا تھا۔ سونیا کو بولنے میں ایک لمحے کی تاخیر ہوئی تو التمش نے جینز کی پاکٹ سے ایک نخلی سی ڈبیا نکال لی تھی۔ یہ ایک لمبی سی ڈبیا تھی۔ سونیا بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی

”میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔۔۔“ وہ ڈبیا کو کھول رہا تھا۔ اس میں پلاٹینم کی بریسلٹ تھی۔۔۔ سونیا ابھی کچھ نہیں بولی تھی۔

”میں پہلے رنگ لینے لگا تھا پھر ماسٹر جی نے کہا کہ رنگ تو زمین کو بھی دی تھی۔۔۔ اس لئے بہتر ہے کہ بریسلٹ لے لی جائے“ وہ اس کے سامنے ڈبیا کرتے ہوئے عادت کے مطابق اناپ شاپ بولتا چلا جا رہا تھا۔

سونیا کو زمین کے ذکر پر غصہ آیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی ماسٹر جی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے آئے تھے۔ التمش ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

”اچھا ہوا آپ خود ہی آگئے۔۔۔ آپ ہی بتائیں التمش کو کہ میں سایہ وال سے بیوں آئی تھی۔۔۔“ اس نے کہا تھا پھر التمش کو دیکھ کر بولی

”میں نے اور ماسٹر نے شرط لگائی تھی کہ ایک دن میں تمہیں سبق سکھا کر رہو گی۔۔۔ تمہیں تہذیب یافتہ بنا کر دم لو گی۔۔۔ جسے تم میری محبت سمجھ رہے ہو نا۔۔۔ وہ میری ضد تھی۔۔۔ صرف ضد۔۔۔ محبت و جنت نہیں ہے مجھے تم سے۔۔۔ یہ بس اس شرط کی وجہ سے ہوا تھا۔۔۔ آپ بتاتے کیوں نہیں ہیں اپنے بیٹے کو۔۔۔“ سونیا نے ماسٹر جی کی جانب دیکھا تھا۔ وہ چل کر اس کے قریب آگئے تھے

”سبق سکھانے کی بات تو ہوئی تھی۔۔۔ لیکن شرط و رطو کوئی نہیں لگائی تھی ہم نے۔۔۔“ ماسٹر جی نے سرگوشی میں اسے یاد دلایا تھا

۔ اس نے انہیں آنکھیں دکھائی تھیں

”آپ کبھی میرا ساتھ بھی دے دیا کریں۔۔۔ کیا ہو جائیگا اگر آپ کہہ دیں گے کہ ہاں شرط ہی لگائی تھی“ وہ بھی سرگوشی کے سے

انداز میں انہیں جواب دے کر بولی۔ التمش لا پرواہ سا بنا ایک ہی جگہ پر کھڑا تھا۔

”لیکن اسکا فائدہ کیا ہوگا۔۔۔؟“ ماسٹر جی کو بھی جرح کا کچھ زیادہ ہی شوق تھا

”اوہو۔۔۔ سمجھا کریں نا۔۔۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ساری زندگی میرا احسان مند رہے گا۔۔۔ اور میرے سامنے کبھی اونچی آواز میں

بات نہیں کرے گا“ سونیا نے انکی اس سرگوشی کا جواب بھی سرگوشی سے ہی دیا تھا

”اوہ بیٹا جی۔۔۔ اس بات کی فکر نا کرو۔۔۔ ہمارے خاندان میں ویسے بھی شوہر بیویوں سے اونچی آواز میں بات نہیں کرتے

۔۔۔ ہمارے خاندان کو بزرگوں کی بددعا ہے۔۔۔“ ماسٹر جی نے اس کو جواب دیا تھا

”آپ لوگوں کی سولو پر فارمینس ختم ہوگئی ہو تو میں اپنا سوال پیش کروں۔۔۔؟“ التمش جیسے چڑ کر بولا تھا۔

”نہیں۔۔۔ سونیا نے قطعیت سے کہا پھر کھڑے ہوتے ہوئے بولی

”پہلے اس بات کا اعتراف کرو کہ ہاں میں ساہیوال تمہاری خاطر نہیں آتی تھی۔۔۔ بلکہ ماسٹر جی مجھے لائے تھے“ التمش نے سر ہلایا

”کیا۔۔۔ اور کوئی کام میرے لائق؟“ وہ تابع داری سے بولا تھا۔

”یہ بھی مانو کہ تمہیں انتہائی مغرور ہو“ وہ بولی۔ التمش نے کندھے اچکائے اور سر جھٹک کر بولا

”مان لیا۔۔۔ غرور جتنا ہے مجھ پر۔۔۔ آگے بولو“

”یہ بھی کہو کہ تم مجھ سے ہمیشہ انسپائرڈ رہے ہو۔۔۔“ وہ اپنا اگلا سوال پانسے کی طرح پھینک کر بولی۔ التمش نے فوراً ماسٹر جی کی طرف دیکھا۔

”یہ فاؤل ہے۔۔۔ مجھے انسپائرڈ ہونے کے لئے یہی کچھل پیری ملی تھی کیا؟“ وہ دہائی دے رہا تھا۔ ماسٹر جی نے سر ہلاتے

ہوئے اسے سمجھایا تھا

”کہہ دو۔۔۔ بچی کا دل بڑھ جائیگا“ اس نے ناک چدھائی

”کہا۔۔۔ یہ بھی کہا۔۔۔ اور اب بس کرو۔۔۔ تم اکیلی نہیں آتی ہوئی کھیلنے۔۔۔ ہمیں بھی باری لینے دو“ وہ سر جھٹک کر بولا تھا

”ہاں۔۔۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔ اب اسکی باری ہے۔۔۔ ہاں التمش اب تم کہو۔۔۔“ ماسٹر جی نے اسے اشارہ کیا تھا

التمش فوراً آگے آیا اور بریسلٹ والی ڈبیا پھر اس کے آگے کر دی

”میں بس یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ سیاہ شیروانی بنالوں نا۔۔۔ سونیا نے اسکا چہرہ دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر انتہائی

نجیدگی تھی۔ سونیا نے بریسلٹ پکولی مگر ناپسندیدگی سے میز پر پڑے سیاہ کپڑے کو دیکھا

”نہیں۔۔۔ آجکل گولڈن شیروانی“ ان“ ہے۔۔۔ وہ بولی تھی۔ التمش نے چڑ کر ماسٹر جی کو دیکھا

”مین نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ نہیں مانے گی۔۔۔ اسے عادت ہے مجھ پر دھونس جمانے کی۔۔۔ ساری زندگی یہی کرے گی یہ

۔۔ وہ ماسٹر جی سے کہہ رہا تھا۔ سونیا اطمینان سے بریلٹ دیکھنے میں مگن تھی۔

”اچھا خیر ہے۔۔۔ بچی کہہ رہی ہے تو مان لو اسکی۔۔ اسی میں سکھ ہے۔۔ میں بھی تو ساری زندگی تمہاری اماں کی مانتا ہی آیا ہوں“ ماسٹر جی کا پناؤ کھ یاد آگیا تھا۔ وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے تھے، التمش نے سونیا کے ہاتھ سے بریلٹ لی تھی اور اسے پہنانے لگا تھا۔ چہرے پر ناراضی کا عالم تھا لیکن آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی، اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا

”مبارک ہو پھر آپکو۔۔ گھر میں ایک اور جو دھا بائی ہوئی ہے“ سونیا کھلا کر ہنسی تھی۔

”میں نے کہا تھا نا کہ مجھے اپنے گھوڑے کو اونٹ بنانا آتا ہے“ وہ دھیمی سی آواز میں بولی تھی۔ التمش مسکرایا

”میں تو پہلے ہی کہہ رہا ہوں کہ تم سا ہیوال سے ہی اچھے عوام لے کر نہیں آئی تھی۔“

وہ اسکی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔ سونیا نے انکار نہیں کیا تھا۔ وہ بس اپنے ہاتھ کی جانب دیکھ رہی تھی جو التمش کے ہاتھ میں تھا۔

☆.....☆.....☆

”دوستو! یہ تھا وہ قصہ جو میں آپکو سنانا چاہ رہا تھا۔ التمش اور سونیا کی شادی کو ممکن بنانے کے لئے مجھ سے جو ہو سکتا تھا میں نے کیا لیکن پھر بھی میں نے التمش کو اس شادی کے لئے مجبور نہیں کیا تھا۔ میں مجبوری میں کی گئی شادیوں سے بڑا غافل ہوں مجبوری کی شادیاں زیادہ دیر نہیں نکلتی ہیں اور اگر کبھی جانیں تو یہ بہت اذیت ناک ہوتی ہیں۔ شادی کا مطلب خوشی ہے نا کہ اذیت۔۔۔ میں اپنے بیٹے اور بھانجی دونوں کو ہی اذیت میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس رشتے کو کافی دیر ٹالتے رہنے کے بعد میں نے جب اس رشتے کی ہامی بھری تھی تو خود سونیا سے بات کی تھی۔ اس کے چہرے پر التمش کا نام آنے پر جو اطمینان چمکا تھا، اسی اطمینان نے مجھے بھی مطمئن کر دیا تھا اسی اطمینان کو حاصل کرنے کے بعد میں نے التمش سے بات کی تھی۔ یہ دونوں ابھی پہلے کی طرح خوب لڑتے جھگڑتے ہیں، ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر تنقید کرتے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بے حد خوش اور مطمئن ہیں۔ اللہ نے ابھی اولاد کی خوشی نہیں دکھائی لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اللہ اپنی مرضی سے اور اپنے وقت پر خوشیاں عطا کرتا ہے۔ یہی بات میں اپنی اہلیہ کو سمجھاتا تھا جب وہ التمش اور سونیا کی شادی کے لئے پریشان ہوتی تھیں۔ اب وہ ان دونوں کی جلد اولاد کے لئے پریشان رہتی ہیں جبکہ مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ التمش نے اپنی رضا سے یہ شادی کی تھی اور اس کے لئے اس نے کیا خوبصورت دلیل دے کر مجھے مطمئن کیا تھا۔ التمش کے وہ الفاظ آج بھی میری سماعتوں میں محفوظ ہیں جو اس نے مجھے تب کہے تھے جب اس نے مجھے زمین سے اپنی علیحدگی کے متعلق تفصیل سے بتایا تھا۔

”تمہیں سونیا کو بتانا چاہیے کہ اس بار زمین نے تمہیں نہیں چھوڑا بلکہ تم نے زمین سے اپنا راستہ الگ کیا ہے“ میں نے اسے کہا تھا۔

اس نے ہنستے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

”نہیں ماسٹر جی۔۔۔ رہنے دیں وہ ساری زندگی مجھ پر یہ دھونس جما کر خوش ہوتی رہے گی کہ اس نے مجھے تب سنبھالا تھا جب میری مجبوری مجھے دھتکار کر چلی گئی تھی۔ اس کا یہ اعتماد قائم رہنے دیں کہ اس نے اپنی ہمت سے ہی ایک گھوڑے کو اونٹ بنا رکھا ہے۔۔۔ کیونکہ مجھے اس کی شخصیت کا یہ اعتماد ہی تو سب سے زیادہ پسند ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں کو سر پر سوار نہیں کرتی اور وہ اپنی خوبیوں پر ناز نہیں کرتی۔ وہ بس اپنا کام کرتی چلی جاتی ہے۔۔۔ لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے جیسی سونیا ہے۔

مجھے فخر ہے کہ میری زندگی میں سونیا جیسی شریک حیات ہوگی کیونکہ اگر اللہ نے مجھے کبھی کوئی بیٹی دی تو میں اسکی پرورش بالکل ایسے کرونگا جیسے انکل اصغر نے سونیا کی ہے کہ بیٹیاں پالنا انکی ماؤں کا کام نہیں ہے۔ بیٹیاں صرف لاڈ سے نہیں ہمت سے پالی جاتی ہیں فخر سے پالی جاتی ہیں۔۔۔ سیپ میں پلنے والے چمکدار موتی کی طرح۔۔۔ جو بظاہر ریت کا ذرہ یا بارش کا قطرہ ہوتا ہے مگر سیپ میں موجود کیڑا اسے پیچ پیچ کر موتی بنا لیتا ہے۔ میں بھی اپنی بیٹی کی تربیت ایسے ہی کرونگا تاکہ وہ سراٹھا کر اس معاشرے میں جی سکے۔ دوستو! اور آخر میں یہی اس غریب ماسٹر کا سب کو مشورہ ہے کہ بیٹیوں کے روشن نصیب کی دعائیں ضرور مانگیں کہ یہ آپکا حق ہے لیکن ان کی روشن تربیت پر بھی ضرور دھیان دیں کہ یہ آپکا فرض ہے۔۔۔

اللہ کی امان میں دیا۔۔۔



ختم شد

رنگارنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ)

کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجئے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔